اربابِ اقتدار
سے
کھری کھری باتیں
جلد اوّل
حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ
مکتبہ لدھیانوی

اربابِ اقتدار

سے

کھری کھری باتیں

جلد اول

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر."

(کنزالعمال ج:۳ ص:۶۴، حدیث:۵۵۱۱)

ترجمہ:..... "سب سے بہترین جہاد، ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔"

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے:

"ان الله لا يعذب العامة بعمل الخاصة، حتى تكون العامة تستطيع تغير على الخاصة، فاذا لم تغير العامة على الخاصة عذب الله العامة والخاصة."

(کنزالعمال حدیث: ۵۵۱۵)

ترجمہ:..... "بے شک اللہ تعالیٰ خواص کی بداعمالیوں کی بدولت عوام کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتے، لیکن اگر عوام، خواص کی اصلاح پر قدرت رکھنے کے باوجود بھی ان کی اصلاح

نہ کریں گے، تو اللہ تعالیٰ عوام و خواص کو عذابِ عام میں مبتلا کردیں گے۔"

ان احادیث سے جس طرح یہ معلوم ہوا کہ وقت کے حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے، وہاں یہ بھی پتہ چلا کہ حسب استطاعت عوام کو خواص، (حکمرانوں) اور سربرآوردہ لوگوں کی اصلاح سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔ جب تک عوام اس فریضہ کو بجا لاتے رہیں گے، وہ خواص کی بداعمالیوں کی بدولت نازل ہونے والے اللہ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے، لیکن جب انہوں نے باوجود استطاعت کے یہ کام چھوڑ دیا، اس دن نہ صرف خواص اللہ کے عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے، بلکہ ان کے ساتھ عوام بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہمارے اکابرینؒ نے ہمیشہ جابر و ظالم حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق کا اعلان کیا ہے، وقت کے حکمرانوں کو برائی سے منع کیا ہے، اور حق کی طرف ان کی راہ نمائی فرمائی ہے۔

حکیم العصر، شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے اپنی پوری زندگی میں اس کڑوی سنت کو اپنائے رکھا، چنانچہ انہوں نے ہمیشہ پاکستان کے برسراقتدار حکمرانوں کو ان کی غلط کاریوں پر ٹوکا اور نہایت خوبصورت انداز میں ان کو حق کی تلقین اور صداقت کی راہ نمائی کی، انہوں نے اربابِ اقتدار کی خامیوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ان کو اصولِ جہاں بانی بھی سکھائے، انہوں نے ان کو ایک طرف اگر ماضی کے حکمرانوں کے خصائل وشمائل اور عدل و انصاف سے آگاہ کیا، تو دوسری طرف حق وصداقت کی شاہراہ کی نشاندہی بھی فرمائی، اور حدیث نبوی: "الدین النصیحة للّٰہ ولکتابه ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتهم." (کنز العمال ص:۴۱۳ حدیث:۷۲۰۱) (دین نصیحت ہے، اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول ؐ کے لئے، عام مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کے لئے) کے مصداق حضرت

شہیدؒ موصوف نے ارباب اقتدار کی خیر خواہی کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔

پیش نظر کتاب میں حضرت شہیدؒ کے اس موضوع سے متعلق بینات کے ان تمام بصائر و عبر اور صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی کے افتتاحیوں کو تاریخ وار جمع کردیا گیا ہے جن میں آپؒ نے ارباب اقتدار کو کھری کھری باتیں سنائی ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ حضرت شہیدؒ کے خدام نے حضرتؒ کے مشن کو بحمداللہ سینے سے لگا رکھا ہے، اور ان کے علوم و معارف اور مقالات و مضامین کی ترتیب و تدوین میں تندہی سے مصروف ہیں، لہٰذا برادرم مولانا سعید احمد جلال پوری، مولانا نعیم امجد سلیمی، برادرم عبداللطیف طاہر اور محمد عتیق الرحمٰن لدھیانوی قابل صد مبارک ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام کے لئے منتخب فرمالیا ہے، اللہ تعالیٰ خلوص و اخلاص نصیب فرمائے، آمین۔

خاکپائے حضرت لدھیانوی شہیدؒ
(مولانا) محمد جمیل خان

فہرست

اچھے اور برے حاکموں کی علامت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"عن عوف ابن مالک الأشجعی رضی اللّٰہ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم. وشرار ائمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم. قال قلنا یا رسول اللّٰہ! أفلا ننابذھم عند ذٰلک؟ قال لا ما أقاموا فیکم الصلوٰة ...... الا من ولی علیہ وال فراٰہ یأتی شیئًا من معصیة اللّٰہ فلیکرہ ما یأتی من معصیة اللّٰہ ولا ینزعن یدًا من طاعة. رواہ مسلم." (مشکوٰة ص:۳۱۹)

ترجمہ:......"حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اچھے حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لئے دعائیں کرو اور وہ تمہارے لئے دعائیں کریں۔ اور تمہارے برے حاکم وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے

بغض رکھیں، تم ان پر لعنت بھیجو، اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم اس وقت ان کا عہد ان کی طرف نہ پھینک دیں؟ (یعنی کیا ان کی اطاعت سے دستکش نہ ہو جائیں؟) فرمایا: نہیں! جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے ہیں۔ سن رکھو! جس شخص پر کوئی حاکم مقرر ہو پھر وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کوئی بات دیکھے تو اس نافرمانی کو برا سمجھے مگر اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔"

اس حدیث پاک میں تین مضمون ارشاد فرمائے گئے ہیں، جو امت کے لئے بے حد ضروری ہیں:

اول:...... اچھے اور برے حاکموں کی علامت! ظاہر ہے کہ ہر شخص یہ معلوم کرنا چاہے گا کہ اچھے حاکم کی علامت اور اس کی اچھائی کا پیمانہ کیا ہے؟ اور برے حاکم کی علامت کیا ہے؟

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اچھا حاکم وہ ہے کہ اس کے اور رعایا کے درمیان اعتماد، یک جہتی اور الفت و محبت کا رشتہ ہو، رعایا اس سے محبت رکھے اور وہ رعایا سے، رعایا اس کے لئے دعائیں کرتی ہو اور وہ رعایا کے لئے دعائیں کرتا ہو، اس کے برعکس برا حاکم وہ ہے جو رعایا کو بھیڑ بکری سمجھتا ہو اور رعایا اس سے نفرت کرتی ہو، وہ رعایا پر بددعائیں کرتا ہو اور رعایا اس پر لعنت بھیجتی ہو۔

یہاں اس قدر وضاحت ضروری ہے کہ رعایا کے مختلف طبقوں کے ذوق بھی مختلف ہیں، اور ان کی پسند و ناپسند کا پیمانہ بھی جدا ہے، اس لئے یہ تو ممکن نہیں کہ رعایا کے سارے طبقے ایک شخص سے خوش ہوں، ایک راضی ہوگا تو دوسرا ناراض، ایک طبقہ

حاکم کے لئے دعائیں کرے گا تو دوسرا اسے کوسنے دے گا، اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں اچھے اور برے حاکم کی پہچان کا جو پیمانہ مقرر فرمایا ہے اس سے کن لوگوں کی محبت و بغض اور دعاً و بددعاً کا اعتبار ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عام لوگ جو نیک اور بے غرض و بے لوث ہوں ان کی محبت و بغض اور ان کی دعاً و بددعاً کا اعتبار ہے، جن لوگوں کی ذاتی غرض حاکم سے وابستہ ہو، ان کی تعریف و تحسین کا بھی اعتبار نہیں اور جن لوگوں کو ذاتی وجوہ کی بنا پر حاکم سے نفرت ہو، ان کی بدگوئی اور بیزاری بھی قابل اعتبار نہیں۔

حاصل یہ کہ ملک کے بے لوث، نیک اور شریف شہری جس حاکم کے عدل و انصاف، اس کی شرافت و دیانت اور اس کی نیکی و خداترسی کے معترف ہوں اور اس کے لئے بے ساختہ ان کے منہ سے دعائیں نکلتی ہوں، وہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں اچھا حاکم ہے، اور اسے حاکم رہنا چاہیئے۔ لیکن جس حاکم کی غلط روی اور ظلم و بے انصافی سے عام شریف شہری تنگ ہوں، اس سے نفرت و بیزاری کا اظہار کرتے ہوں اور ان کے منہ سے اس کے حق میں بے ساختہ بددعائیں نکلتی ہوں، وہ حاکم برا حاکم ہے، اور اس کی حکومت خدا کا عذاب ہے۔

دوسرا مضمون اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو حاکم برا اور ناپسندیدہ ہو، جب تک وہ نماز روزے کا پابند ہے، اس کے خلاف بغاوت جائز نہیں، بلکہ باوجود اس کے ناپسندیدہ ہونے کے اس کی اطاعت واجب ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو حاکم نماز روزے کا بھی پابند نہ ہو وہ اس لائق بھی نہیں کہ اسے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کیا جائے اور اگر ایسا شخص زبردستی مسلط ہو جائے تو اس کی اطاعت جائز نہیں۔ گویا کسی حاکم کی اطاعت کے لئے سب سے پہلی شرط ''اقامت صلوٰۃ''

ہے، اور ارشاد نبوی: ''تم میں نماز قائم کریں۔'' اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حاکم کے لئے گھر پر نماز پڑھ لینا کافی نہیں، بلکہ جماعت کے ساتھ نماز کی پابندی ضروری ہے، ہاں کوئی خاص عذر مسجد میں حاضری سے مانع ہو تو دوسری بات ہے۔

حدیث کا تیسرا مضمون یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا حاکم کسی گناہ اور معصیت کا مرتکب ہو تو اس گناہ کو برا سمجھو مگر اس گنہگار حاکم کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔

اس معاملہ میں آجکل بہت ہی افراط و تفریط ہو رہی ہے، بعض حضرات تو حاکموں کے گناہ کو بھی ثواب سمجھتے ہیں اور ہر وہ گناہ جو ارباب اقتدار کی کمزوری ہو اس کی تقلید کرتے ہیں اور اس کے جواز کے دلائل ڈھونڈتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض لوگ اس کو بہانہ بنا کر حاکم کے خلاف آمادہ بغاوت ہو جاتے ہیں، صحیح راستہ وہ ہے جو اس حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حاکم جس گناہ میں مبتلا ہوں اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے، اور ان کو نصیحت کرنے کی طاقت ہو تو نصیحت بھی کی جائے، لیکن حاکم کے گناہ کو ملک میں بدامنی پھیلانے کا ذریعہ نہ بنایا جائے، نہ حاکم کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا جائے۔ البتہ پرامن ذرائع سے نیک لوگوں کو حاکم بنانے کی ضرور کوشش کی جائے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۸؍ جولائی ۱۹۷۸ء)

حکمرانوں کی بدعہدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان الغادر ینصب لہٗ لواء یوم القیامۃ، فیقال ھٰذہ غدرۃ فلان ابن فلان. متفق علیہ.“

ترجمہ:...... ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: بدعہدی کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور یہ اعلان ہوگا کہ یہ فلاں بن فلاں کی بدعہدی ہے۔“

”عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لکل غادر لواء یوم القیامۃ یعرف بہ. متفق علیہ.“
(مشکوٰۃ ص:۳۲۳)

ترجمہ:...... ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر بدعہد کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔“

”عن سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لکل غادر لواء عند استہٖ یوم القیامۃ.“ (مشکوٰۃ ص:۳۲۳)

ترجمہ:...... ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”ہر بدعہد کے لئے قیامت کے دن اس کی سرین کے پاس ایک جھنڈا ہوگا۔“

اور ایک روایت میں ہے کہ:

”لکل غادر لواء یوم القیامة یرفع لهٗ بقدر غدره، الا ولا غادر اعظم غدرًا من امیر عامة. رواه مسلم.“ (مشکوٰۃ ص:۳۲۳)

ترجمہ:...... ”ہر بدعہدی کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جو اس کی بدعہدی کے بقدر اس کے لئے اونچا کیا جائے گا۔ سنو! عوام کا حکمران اگر بدعہدی کرے تو اس سے بڑھ کر کوئی بدعہد نہیں۔“

تشریح:...... اگر کسی شخص سے کوئی گھناؤنا فعل سرزد ہوجائے تو بعض اوقات اس کی تشہیر کی جاتی ہے جس سے ایک تو اس شخص کو ذلیل اور رسوا کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ معاشرہ میں معزز بن کر اپنی ذلیل حرکتوں کو رواج دینے میں کامیاب نہ ہو، دوسرے عام لوگوں کو عبرت دلانا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ اس جرم سے باز رہیں۔

کسی زمانے میں ایسے مجرموں کا منہ کالا کرکے اور انہیں گدھے پر الٹا سوار کرکے گلی بازاروں میں گشت کرایا کرتے تھے۔

اس حدیث پاک میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بدعہدی ایسا گناہ ہے کہ قیامت کے دن اس جرم کے مرتکب کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لئے اس کی پشت کی جانب ایک جھنڈا نصب کردیا جائے گا، یہ جھنڈا اس کی بدعہدی کی علامت ہوگا اور جتنی بڑی بدعہدی کی ہوگی اسی قدر یہ جھنڈا اونچا ہوگا، اور دور سے لوگوں کو نظر آئے گا، غالبًا اس جھنڈے کے ساتھ یہ بورڈ بھی آویزاں ہوگا کہ اس شخص نے فلاں

بدعہدی کی تھی۔ اور اسی کے ساتھ فرشتے یہ منادی بھی کریں گے کہ یہ شخص غدار اور بدعہدی کا مرتکب ہوا تھا، یہ ساری تشہیر اس کی ذلت و رسوائی کے لئے ہوگی، اللہ تعالیٰ اس ذلت سے ہر مسلمان کو بچائے۔

بدعہدی سے مراد ہے کسی کے ساتھ کوئی معاہدہ کرکے اس کو توڑ دینا، اور کسی کے ساتھ وعدہ کرکے اسے پورا نہ کرنا، عہد شکنی اور وعدہ خلافی بہت ہی بڑا گناہ ہے اور ایسا شخص دنیا میں بھی ذلیل و رسوا اور بے اعتبار ہوجاتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی تشہیر ہوگی۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ یوں تو بدعہدی اور بے وفائی سب کے لئے بری چیز ہے، لیکن اگر اس عہد شکنی اور بے وفائی کا مظاہرہ حکمرانوں کی طرف سے ہو تو یہ سب سے زیادہ سنگین ہے اور اس کی سزا بھی اسی نسبت سے شدید ترین ہوگی۔

بعض حضرات نے اس آخری فقرے کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ یوں تو بدعہدی جس سے بھی کی جائے بری چیز ہے مگر سب سے بدتر اور سنگین بدعہدی وہ ہے جو اقتدار اعلیٰ سے کی جائے یعنی حکومت کے خلاف غداری کرنا سب سے سنگین بدعہدی ہے۔

آنحضرت ﷺ کو وعدہ کا کتنا پاس تھا؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے:

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے دعویٔ نبوت سے پہلے میں نے آپؐ سے مکہ مکرمہ میں کوئی معاملہ کیا، سودا ہوچکا تو میں نے آپؐ سے عرض کیا کہ آپؐ ذرا یہاں ٹھہریں، میں گھر سے رقم لے آؤں، میں گھر آکر بات ہی بھول گیا، تیسرے دن یاد آیا، میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ وہاں تشریف فرما ہیں، آپؐ نے مجھے دیکھ کر صرف اتنا فرمایا کہ: ''آپ نے مجھے مشقت میں ڈال دیا۔ میں تیسرے دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں، گھر نہیں جاسکا۔''

اللہ اکبر! اس خُلقِ عظیم پر قربان جایئے، تین دن تک مسلسل اس شخص کا انتظار فرما رہے ہیں، اور پھر جس شخص کی وجہ سے آپ کو اس قدر زحمت پہنچی اس سے ذرا بھی کبیدہ نہیں ہوئے، کوئی درشت کلامی یا لڑائی جھگڑا تو کیا، ناراضی کا اظہار بھی نہیں فرماتے، بلکہ شکایت آمیز لہجے میں بس اتنا فرماتے ہیں کہ: ''آپ نے مجھے مشقت میں ڈال دیا۔''

جس نبی مقدس (ﷺ) کا اخلاقی معیار اس قدر بلند ہو اس کے کسی امتی کا بدعہدی اور عہد شکنی میں ملوث ہونا بڑے افسوس کی بات ہے۔

قومی اتحاد.... آزمائش کی بھٹی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۳۱ راگست) کو جشن نزول قرآن کے سلسلہ میں دو روزہ شبینہ کا افتتاح کرتے ہوئے قومی اتحاد کے سربراہ جناب مولانا مفتی محمود نے کہا کہ:

”قرآنی نظام پاکستان کا مقدر بن چکا ہے، یہاں سکولرازم یا کوئی دوسرا ازم نہیں چل سکتا، انہوں نے مزید کہا: پاکستان قومی اتحاد موجودہ سول حکومت میں اس واضح موقف کے ساتھ شامل ہوا ہے کہ موجودہ حکومت نظام مصطفیٰ کے عملی نفاذ کے اقدامات کرے، اور انہوں نے کہا کہ اسلام کے ان احکامات کے، جن پر عمل ہوسکتا ہے، فوری نفاذ کا اعلان نہ کیا گیا تو ہم قومی اتحاد کے وزراء کو واپس بلالیں گے، ایسی صورت حال میں منتخب ہوکر ہم خود ملک میں نظام مصطفیٰ نافذ کریں گے۔“

اسی کے ساتھ وفاقی وزیر اور منصوبہ بندی کے ڈپٹی چیئرمین پروفیسر خورشید کا یہ بیان بھی اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ:

”اسلام نے مسلمانوں کو زکوٰۃ اور غیرسودی مالیاتی نظام کے ادارے دیئے تھے، انہیں اب تک اس ملک میں بحال

نہیں کیا گیا، اس علاقے میں لادین حکومت کے باعث ان
اداروں میں خلل واقع ہوا تھا، زکوٰۃ اور دوسرا مالیاتی نظام نافذ
کرنے میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اس کا مجھے علم ہے
لیکن یہ قدم اٹھانے پڑیں گے، کیونکہ یہ ادارے اسلامی
معاشرے کی لازمی اور بنیادی خصوصیات ہیں۔"

۱۹۷۷ء میں جب بھٹو شاہی کے مقابلہ میں نو جماعتوں پر مشتمل قومی اتحاد وجود میں آیا تو اس کا اہم ترین مقصد ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ تھا ـــــ اور پھر ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے خلاف قومی اتحاد نے تاریخ کی بے مثال تحریک چلائی، اس وقت بھی جو چیز سب سے نمایاں تھی وہ اسلامی نظام کا فوری نفاذ تھا۔

۱۹۷۷ء کو مسٹر بھٹو تخت اقتدار سے محروم ہوئے تو قومی اتحاد کے مقاصد کا ایک حصہ پورا ہوگیا، یا دوسرے الفاظ میں یہ کہہ لیجئے کہ اسلامی نظام کے نفاذ میں جو ایک بڑی رکاوٹ تھی، وہ دور ہوگئی، لیکن اتحاد کی اصل منزل ـــــ اسلام کا نفاذ ابھی بہت دور تھی، اور عقل و دانش اور تدبر و سیاست کا تقاضا تھا کہ منزل تک رسائی کے لئے نہ صرف اس اتحاد کو باقی رکھا جاتا، بلکہ اس کی تقویت کے لئے محنت و جانفشانی سے کام لیا جاتا، اور اس عبوری دور میں جو خلا پیدا ہوگیا تھا اسے پاٹنے کی کوشش کی جاتی۔

افسوس کہ ایسا نہیں ہوسکا، بلکہ ہوا یہ کہ مسٹر بھٹو کو گردش دوراں کا شکار کرنے کے بعد مسٹر اصغر خاں اتحاد سے الگ ہوئے، پھر ان کے نقش قدم کا اتباع کرتے ہوئے مولانا شاہ احمد نورانی اتحاد سے کنارہ کش ہوئے، اور عین اس وقت جب اس خلا کو پر کرنے کا موقع آیا، سردار شیر باز مزاری اتحاد سے ہاتھ جھٹک کر الگ ہوگئے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ ہمارے یہ راہنما دراصل اسلام کے نفاذ کے بارے میں مخلص نہیں ہیں یا انہوں نے اس ہولناک خلاء کو محسوس نہیں کیا جو اسلام کے نفاذ کے راستہ میں حائل ہوسکتا تھا، کچھ بھی ہوان تین جماعتوں کی اتحاد سے علیحدگی سے اسلامی قوانین کے نفاذ کو بے حد نقصان پہنچا ہے، جسے ہر صاحب نظر محسوس کرتا ہے اس کو مستقبل کا مؤرخ کبھی فراموش نہیں کرسکتا، اتحاد کی باقی چھ جماعتیں ابھی تک اپنے دعوے پر قائم ہیں اور انہوں نے حکومت میں شمولیت اسی عہد کے ایفاء کے لئے کی ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان کے راستے میں جو مشکلات حائل ہیں ان میں سے کچھ تو سابقہ ادوار کی پیداوار ہیں، کچھ مسٹر بھٹو کی پیدا کردہ ہیں، اور کچھ بعض جماعتوں کی اتحاد سے علیحدگی نے کھڑی کی ہیں، اُن پر قابو پانا بڑی عزیمت و بردباری، تحمل اور تدبر و ہوش مندی کا متقاضی ہے، قومی اتحاد نے جن نازک ذمہ داریوں اور اپنے عہد کو پورا کرنے کا حوصلہ کیا ہے اسے انگاروں پر چلنا یا حدیث کے الفاظ میں ''انگاروں کو مٹھی میں بند کرنا'' کہا جاسکتا ہے، ہم قومی اتحاد کے عزم و حوصلہ اور ایفائے عہد کی اس لگن پر اس کے راہنماؤں اور کارکنوں کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی عطا فرمائے اور ان کے نیک ارادوں کی تکمیل فرمائے۔

قومی اتحاد کے وزیروں کے راستہ میں جو مشکلات حائل ہیں وہ انہیں یقیناً ہم سے زیادہ جانتے اور ان مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں وہ ان سے مخفی نہیں، تاہم اس ضمن میں چند گزارشات بہت ضروری معلوم ہوتی ہیں۔قومی اتحاد کی قیادت اپنے وزیروں کو مسلسل ہدایات بھی دیتی رہے اور ان کی نگرانی اور محاسبہ بھی کرے، اور اس کے ساتھ یہ جائزہ بھی لیتی رہے کہ قومی اتحاد کی

حکومت میں شرکت سے ملک کی دینی و اخلاقی اور اقتصادی و معاشی حالت میں خوشگوار تبدیلی آئی ہے؟ اور جب تک اس قسم کی کوئی خوشگوار تبدیلی عام طور پر محسوس نہ کی جانے لگے اس وقت تک قومی اتحاد کی قیادت کو سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے مشن میں کامیاب نہیں۔

جہاں وزراء کی تربیت اور ان کا محاسبہ ضروری ہے وہاں اوپر سے نیچے تک پوری مشینری کو [illegible]ب کے شکنجے میں کسنا ضروری ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر انتظامیہ دیانتدار، فرض شناس، جفاکش، اور فعال ہوتی تو اس ملک کا نقشہ ہی اور ہوتا، اور بغیر کسی مبالغہ کے کہا جاسکتا ہے کہ آج وطن عزیز کو جن مشکلات کا سامنا ہے وہ بیشتر ہماری انتظامی مشینری کے نقص اور نااہلی کی پیداوار ہیں، اگر قومی اتحاد کے وزیر اس بگڑی ہوئی مشینری کی اصلاح میں کامیاب نہ ہوسکے تو یہ ان کی صلاحیت کے فقدان کی دلیل ہوگی اور اس کے بعد ان کے اسلامی نظام کے نفاذ کے بارے میں کئے گئے وعدوں اور دعووں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔

مشینری کی اصلاح کیسے کی جائے؟ یہی دراصل سب سے پیچیدہ مسئلہ ہے، آج تک جتنی حکومتیں آئی ہیں یا جتنے وزیر صاحبان بدلے ہیں ان سب نے اس مشینری کی اصلاح کے اعلانات کئے، اور اپنے اپنے محکمے کے افسروں اور ملازمین میں سے دو چار کی گوشمالی بھی کی، کچھ دھمکیاں بھی دیں، لیکن ڈھاک کے وہی تین پات رہے، ہم قومی اتحاد اور اس کے محترم وزراء سے عرض کریں گے کہ نوکر شاہی اور افسر شاہی کی طرح بیانات جاری کرنا ان کی ذمہ داری نہیں، بلکہ ان کی ذمہ داری اس انتظامیہ کی اصلاح ہے، انہیں اپنی یہ ذمہ داری محسوس کرنی چاہئے، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے محکمہ میں اوپر سے نیچے تک کسی کارکن نے بدعنوانی، غفلت و تساہل

اور فرض ناشناسی سے کام تو نہیں لیا، اس کی پوری پوری مسئولیت محترم وزیر صاحب پر ہے اور قیامت کے دن بھی اسے اپنے سارے ماتحتوں کا جساب دینا ہوگا۔

موجودہ دور کی نام نہاد جمہوریت (جو دراصل حدیث نبوی کے لفظ ''جبریت'' کی شکل ہے) اور اس کی پیدا کردہ گندی سیاست نے ملکی فضاء کو مکدر اور گندا کر رکھا ہے، جس میں سب سے مقدس مشغلہ ایک دوسرے کی توہین و تنقیص و خود نمائی ہے، قومی اتحاد کے بزرگوں کو مخالفین کی تنقید پر صبر و تحمل سے کام لینا ہوگا، ورنہ وہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ بھی نہیں کرسکیں گے۔

اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں سب سے ضروری بات یہ ہے کہ جو امور نافذ کئے جاسکتے ہیں اور ان کے نفاذ میں کوئی پیچیدگی حائل نہیں ہے، ان کی فہرست بنائی جائے اور ان کو فی الفور نافذ کردیا جائے، اور جن امور کے نفاذ میں مشکلات حائل ہیں، ان کے حل کے لئے منصوبہ بندی کی جائے تاکہ ان پر فوری طور پر قابو پانے کی کوشش کی جاسکے، تاوقتیکہ منصوبہ بندی نہ ہو اور اس کے لئے لائحہ عمل مرتب نہ کیا جائے الل ٹپ کام نہیں ہوسکتا۔

صورت حال کی اصل نزاکت کا برملا اظہار کرتے ہوئے شرم بھی آتی ہے اور اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ـــــ قومی اتحاد کے وزیروں کو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے صرف ایک سال کی مہلت ملی ہے، یہ مہلت اتنی مختصر اور اتنی کم ہے کہ کوئی خاص کام نہیں ہوسکتا، لیکن قومی اتحاد نے جان بوجھ کر اس امتحان گاہ میں قدم رکھا ہے اور آزمائش کی اس بھٹی میں کودنا قبول کیا ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ اگر اتحاد ایک سال کے اندر اندر اسلام کے نفاذ میں کوئی مؤثر قدم اٹھالے (جس کے آثار بند کمروں میں نہیں، بلکہ عام لوگوں میں محسوس کئے جانے چاہئیں) تو اس ملک میں

اسلام بھی رہے گا، اور قومی اتحاد کو بھی دینوی و اخروی سرخروئی نصیب ہوگی، اور یہ قومی اتحاد کا اس ملک پر عظیم الشان احسان ہوگا جو تاریخ میں جلی عنوان سے لکھا جائے گا۔

لیکن اگر خدانخواستہ اتحاد اس آزمائش میں ناکام رہتا ہے، خدا ایسا نہ کرے، تو یہ اتحاد کی ہمیشہ کے لئے موت کے ساتھ ساتھ اسلام اور پاکستان کے لئے نہایت بھیانک صورت حال ہوگی، جس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے، ہم قومی اتحاد کی قیادت اور اس کے نمائندوں سے کہیں گے کہ خدارا اس صورت حال کی نزاکت کو اچھی طرح محسوس کرنے کے بعد اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۵ ستمبر ۱۹۷۸ء)

مَلک بھر میں توڑ پھوڑ، لوٹ مار
اور
خودسوزی کے واقعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ دنوں پنڈی، لاہور، ملتان اور سندھ میں توڑ پھوڑ، لوٹ مار، اور خود سوزی کے جو واقعات رونما ہوئے، وہ قوم و وطن کے لئے قابل فخر نہیں، بلکہ لائق شرم ہیں جن پر ہر ذی ہوش شہری افسوس کرے گا۔

سب سے بڑھ کر شرم ناک پہلو یہ ہے کہ خودسوزی کے باقاعدہ پروگرام بنائے گئے۔ اخبارات میں ان کا اعلان ہوا، مقررہ وقت پر ان کے کردار، تماشائیوں کے ہجوم کے سامنے آئے۔ اور انہوں نے اطمینان سے اپنے جسم پر پٹرول چھڑکا اور خود کو آگ لگالی، لیکن ہماری انتظامیہ کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ بروقت اس سازش کا انسداد کر سکے۔ اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب سڑکوں پر منصوبہ سازوں کی ''سوختنی قربانی'' کا تماشا انجام کو پہنچ چکا تھا۔ کیا ''خودسوزی'' اور ''خودکشی'' جائز ہے؟ کیا اس کے لئے باقاعدہ منصوبہ سازی قانون کی نظر میں درست ہے۔ کیا اس گھناؤنے منصوبے کے اعلانات قانون کی زد میں نہیں آتے؟ آخر ہماری انتظامیہ نے ان ساری چیزوں کا کیوں نوٹس نہیں لیا؟

جن لوگوں نے ملک میں یہ '' آگ کا کھیل'' شروع کیا ہے ان سے مذہب،

انسانیت وشرافت، عقل و منطق اور ملکی قانون کے نام پر اپیل کرنا بے سود ہے۔ تاہم ان سے یہ ضرور عرض کریں گے کہ جس شخص پر جاں نثاری اور فدائیت کا یہ ڈھونگ رچایا جارہا ہے خود اس کے حق میں بھی کسی نیک نامی کا، یا اس سے اس کے جرم میں تخفیف ہوسکتی ہے؟ انہیں اگر ملک کے وقار کی خاطر نہیں تو کم از کم اس مجرم ہی کی خاطر اپنے اس فعل پر نظرثانی کرنی چاہئے۔

جو لوگ خود فریبی یا تماشا آرائی کے لئے اس ''قربان گاہ'' کے لئے سوختنی دنبے بن رہے ہیں۔ انہیں بھی یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ''آگ کا تماشہ'' دکھا کر وہ قومی ہیرو نہیں بن رہے بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو نذرِ آتش کر رہے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''من تردّیٰ من جبل فقتل نفسه فهو فی نار جهنم یتردیٰ فیها خالدًا مخلّدًا فیها أبدا، وتحسّٰی سمّا فقتل نفسه فسُمه فی یده یتحساه فی نار جهنم خالدًا مخلّدًا فیها أبدا۔'' (الترغیب والترہیب ج:۳ ص:۳۰۰)

ترجمہ:...... ''جس شخص نے پہاڑ سے چھلانگ لگا کر خودکشی کی وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اسی طرح چھلانگ لگا کر خودکشی کرتا رہے گا۔ جس شخص نے زہر کھا کر اپنا کام تمام کیا۔ جہنم میں وہ زہر ہمیشہ اس کے ہاتھ میں رہے گا۔ جس شخص نے کسی تیز ہتھیار سے اپنے آپ کو ذبح کرلیا، جہنم میں ہمیشہ اس کے ہاتھ میں وہ ہتھیار رہے گا۔ اور وہ اسے اپنے جسم میں گھونپتا رہے گا۔''

خلاصہ یہ کہ جس شکل میں کسی شخص نے خودکشی کی ہوگی، جہنم میں وہی سزا اسے دی جائے گی۔ اور مرتے وقت اسے جو تکلیف ہوگی، وہ زائل نہیں ہوگی، بلکہ وہ ہمیشہ اسی تکلیف میں رہے گا۔

خودکشی اور خودسوزی کسی مذہب اور قانون میں جائز نہیں، جو لوگ اس گھناؤنے جرم کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اس قسم کی موت مرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کو ''شہید اور جاں نثار'' کہتے ہیں ان کی ذہنی پستی لاعلاج ہے آخر میں ہم مارشل لائ حکومت سے گزارش کریں گے کہ جو لوگ اس ملک کے نوجوانوں کو آگ کے کھیل کا ایندھن بنانے کے لئے منصوبے بناسکتے ہیں ان سے کسی بھی ناگفتنی اور ناکردنی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اگر حکومت نے اپنی روایتی نرمی و رواداری سے کام لیتے ہوئے ان خفی وجلی سازشوں کا توڑ نہیں کیا، تو اس کے نتائج ملک کے لئے تباہ کن ہوں گے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۳؍اکتوبر ۱۹۷۸ء)

قیامت کے دن
حکمرانوں کا انجام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”عن ابی امامة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال: ما من رجل یلی امر عشرة فما فوق ذٰلک الا اتاه اللہ عز وجل مغلولًا یوم القیامة یدهٗ الیٰ عنقه فکّابرهٗ او اوبقهٗ اثمهٗ، اولها ملامة واوسطها ندامة وآخرها خزی یوم القیامة۔“ (مسند احمد، مشکوٰۃ ص:۳۲۲)

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دس یا دس سے زیادہ آدمیوں پر بھی حاکم بنا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی حالت میں پیش ہوگا کہ اس کے ہاتھ گردن میں بندھے ہوئے ہوں گے، پھر یا تو اس کی نیکی اور اس کا عدل اسے رہائی دلادے گا یا اس کا گناہ اور جرم اسے ہلاک کردے گا، حکومت کا ابتدائی حصہ ملامت ہے، درمیانہ حصہ ندامت ہے اور اس کا آخری حصہ (انجام) قیامت کے دن کی ذلت و رسوائی ہے۔“

تشریح:...... اس حدیث پاک میں اچھے اور برے حاکموں کے اس انجام کو بیان فرمایا گیا ہے جو عام انسانوں کی نظر سے اوجھل ہے اور جسے نور نبوت ہی سے دیکھا جاسکتا ہے، آنحضرت ﷺ کا اپنی امت پر یہ بے حد احسان ہے کہ انہیں تمام

اچھے برے اعمال کی خاصیت اور ان کے انجام سے آگاہ فرمایا ہے۔

جس طرح ہر وہ شخص جس پر کسی جرم کے ارتکاب کا الزام ہو پولیس اسے گرفتار کرکے عدالت کے کٹہرے میں لاکھڑا کرتی ہے، اور یہ عدالت کا کام ہوتا ہے کہ اس کے کیس کی تفتیش کرکے یہ دیکھے کہ آیا وہ واقعتاً مجرم ہے یا نہیں؟ اگر جرم ثابت ہوجاتا ہے تو عدالت اسے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا سنادیتی ہے اور اگر وہ بےقصور ثابت ہوتا ہے تو اسے باعزت طور پر بری کردیتی ہے، اسی طرح تمام حکام کا مقدمہ عدالت خداوندی میں پیش ہوگا، اگر انہوں نے اپنے دور حکومت میں کوئی بدعنوانی کی ہوگی، کسی برائی کا ارتکاب کیا ہوگا، کسی پر ظلم و زیادتی کی ہوگی، رعایا کے حقوق ادا کرنے میں کسی تساہل یا غفلت سے کام لیا ہوگا، اگر اپنے منصب کا ناجائز استعمال کیا ہوگا تو اس پر فرد جرم عائد کردی جائے گی اور برسرعام اس کی سزا کا اعلان ہوجائے گا۔ یہ ایسی ذلت و رسوائی ہوگی جس کا کوئی تدارک نہیں ہوسکے گا، اور اگر اس کا دامن ہر قسم کی برائی سے پاک ہوا تو اسے عزت و تکریم کے ساتھ بری کردیا جائے گا۔

اور پھر دنیا کی عدالت سے تو آدمی جھوٹ بول کر چھوٹ سکتا ہے، ریکارڈ خورد برد کراسکتا ہے، کسی کو وکیل بناسکتا ہے، کوئی سفارش یا ضمانت پیش کرسکتا ہے، وہاں یہ ساری چیزیں بےکار ہوں گی، اعمال نامہ کے دفتر کھلے ہوں گے، گواہی کے لئے آدمی کے ہاتھ پاؤں موجود ہوں گے، نہ کوئی چیز چھپائی جاسکے گی، نہ کوئی وکالت یا ضمانت میسر ہوگی، کیا خوفناک منظر ہوگا! کیسی رسوا کن ذلت ہوگی؟ یہ ہے وہ بدترین انجام جس سے رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو ڈرا رہے ہیں۔

حاکم اگر نیک اور عادل ہوں تو ان کا مرتبہ بھی بہت اونچا ہے، اور اگر ظالم و بدکردار ہوں تو ان کا انجام بھی بڑا ہی عبرتناک ہے، ایک حدیث میں ہے کہ:

"ان افضل عباد اللّٰہ عند اللّٰہ منزلة یوم القیامة

امام عادل رقیق، وان شر الناس عند الله منزلة یوم القیامة امام جائر خرق." (مشکوٰۃ ص:۳۲۳)

ترجمہ:......"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے افضل مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس حاکم کا ہے جو عادل اور نرم دل ہو، اور سب سے بدتر درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس حاکم کا ہوگا جو ظالم اور سنگدل ہو۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

"اتدرون من السابقون الی ظل الله عز وجل یوم القیامة؟ قالوا: الله ورسوله اعلم! قال: الذین اذا اعطوا الحق قبلوه واذا سئلوه بذلوه وحکموا للناس کحکمهم لانفسهم." (مشکوٰۃ ص:۳۲۲)

ترجمہ:......"جانتے ہو کون لوگ قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں سب سے پہلے جائیں گے؟" صحابہؓ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی بہتر جانتے ہیں، فرمایا: "وہ لوگ کہ جب حق ان کے سامنے پیش کیا جائے تو اسے قبول کرلیں، جب حق ان سے مانگا جائے تو بخوشی ادا کردیں، اور جب لوگوں کے حق میں فیصلہ کریں تو ایسا کریں جیسا خود اپنی ذات کے بارے میں کرتے ہیں۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ثلثة اخاف علی امتی الاستسقاء بالانواء وحیف السلطان وتکذیب بالقدر." (مشکوٰۃ ص:۳۲۲)

ترجمہ:......"مجھے اپنی امت کے بارے میں تین

باتوں کا اندیشہ ہے، (۱) ستاروں کے ذریعہ بارش طلب کرنا۔
(۲) اہل حکومت کا ظلم۔ (۳) تقدیر کو جھٹلانا۔"
ایک اور حدیث میں ہے کہ:

"انک اذا اتبعت عوراۃ الناس افسدتھم."

(مشکوٰۃ ۳۲۲)

ترجمہ:...... "حاکم جب لوگوں کے عیوب تلاش کرنا شروع کردے تو ان کو بگاڑ کر رکھ دے گا۔"

آنحضرت ﷺ نے حکومت کی اصل حقیقت تین لفظوں میں بیان فرمادی: "ملامت، ندامت، رسوائی" کہ آدمی جب تک برسراقتدار رہے ملامت کا نشانہ بنا رہتا ہے، بالآخر ایک وقت آتا ہے کہ اسے خود ندامت ہوتی ہے کہ میں نے مسند اقتدار پر قدم کیوں رکھا تھا؟ اور قیامت کے دن جب اس کے اقتدار کا محاسبہ سب سے بڑی ہستی کی بارگاہ عالی میں پیش ہوگا تو اسے سو ذلتوں اور رسوائیوں کا سامنا ہوگا، تب پتہ چلے گا کہ جس اقتدار کے نشہ میں بدمست ہوکر ظلم ڈھاتا اور بدعنوانیاں کرتا تھا، جس اقتدار کی وجہ سے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے تھے اور جس کی خوشی میں پھولا نہیں سماتا تھا، انسانوں کو انسان نہیں بھیڑ بکریاں سمجھتا تھا، یہ اقتدار عزت کا ذریعہ نہیں بلکہ ذلت کا سامان تھا، بڑائی کا زینہ نہیں بلکہ رسوائی و پستی کا گڑھا تھا، اے کاش! اس انجام کے پیش آنے سے پہلے آنکھیں کھل جاتیں۔

(مضمون صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۱/اگست ۱۹۷۸ء)

عرشِ الٰہی کے سائے میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سبعة يظلهم الله فی ظله يوم لا ظل الا ظلّه، امام عادل، وشاب نشاء فی عبادة الله، ورجل قلبه معلق بالمسجد اذا خرج منه حتى يعود اليه، ورجلان تحابا فی الله، اجتمعا عليه وتفرقا عليه، رجل ذكر الله خاليا ففاظت عيناه، رجل دعته امرأة ذات حسب وجمال، فقال: انی اخاف الله! ورجل تصدق بصدقة فاخفاها حتى لا تعلم شمالهٗ ما تنفق يمينهٗ." (مشکوٰۃ ص:۶۸)

ترجمہ:......"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا، (۱)عدل کرنے والا حکمران۔ (۲)وہ جوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پھلا پھولا۔ (۳)وہ شخص جو مسجد سے نکلے تو اس کا دل مسجد میں لگا رہے یہاں تک کہ وہ اس کی طرف دوبارہ لوٹ آئے۔ (۴)دو ایسے شخص جنہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں دوستی کی،

اس کی خاطر جمع ہوئے اور اس پر الگ رہے۔ (۵) وہ شخص جس
نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے
اس کی آنکھیں بہہ پڑیں۔ (۶) وہ شخص جس کو کسی عالی نسب
خوبرو دوشیزہ نے غلط دعوت دی تو اس نے اس کی دعوت کو مسترد
کرتے ہوئے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ (۷) وہ شخص
جس نے صدقہ دیا اور اس قدر چھپا کر دیا کہ اس کے بائیں
ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

تشریح:...... رحمت الٰہی کے سایہ سے مراد عرش الٰہی کا سایہ ہے، قیامت کے دن شدت کی گرمی ہوگی اور لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ڈوب رہے ہوں گے، حدیث میں آتا ہے کہ کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا، کسی کا گھٹنوں تک، کسی کا کمر تک، کسی کا منہ تک اور کوئی اپنے پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا، ایسے ہولناک دنوں میں جن خوش بخت لوگوں کو عرش الٰہی کا سایۂ رحمت نصیب ہوجائے ان پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے، یہ حضرات گویا خدا تعالیٰ کے مہمان ہوں گے، دوسرے لوگ قیامت کے ہنگامہ محشر میں پریشان ہوں گے اور یہ راحت و سکون سے آغوش رحمت میں فروکش ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث پاک میں ان اعمال کو ذکر فرمایا ہے جن کے بجالانے سے قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوسکتا ہے، ان میں سب سے پہلے اس مسلمان حکمران کا ذکر فرمایا جو عدل و انصاف کرتا ہو اور اپنے دور حکومت میں وہ کسی ظلم و زیادتی اور بے انصافی کا مرتکب نہ ہوا ہو، اگر ذرا باریک بینی سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نظام عالم کی درستگی عدل و انصاف سے وابستہ ہے اور جب یہ روح نکل جاتی ہے تو نظام عالم درہم برہم ہوجاتا ہے، اگر دنیا بھر کے حکمران اور حکومت کے افسران اور اہل کار انصاف پرور ہوتے تو دنیا جنت بن گئی ہوتی۔ عادل

حکمران کا بشرطیکہ وہ مسلمان ہو یہ درجہ ہے کہ قیامت کے دن عرش الٰہی کے سایہ میں جگہ پانے والوں میں سب سے اول انہی کو شمار کیا ہے۔

یہاں یہ مختصر سی وضاحت بھی ضروری ہے کہ عدل کہتے کس کو ہیں؟ اسلام کا تصور عدل ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے، مگر خلاصہ یہ ہے کہ بغیر کسی رو رعایت کے، بغیر کسی نفسانی خواہش کے، ذاتی جذبات کے، بغیر کسی ترغیب و ترہیب کے حکم خداوندی کے مطابق فیصلہ کرنا اور ہر شخص خواہ دوست ہو یا دشمن، اس کا حق ادا کرنا عدل کہلاتا ہے، اور اگر یہ فیصلہ حکم خداوندی سے ہٹ کر کیا گیا یا کسی کا حق ادا کرنے میں کوتاہی روا رکھی گئی تو یہ بے انصافی اور ظلم ہے، اور امام عادل کے بعد اس نوجوان کا ذکر فرمایا ہے جس کو آغاز جوانی سے عبادت خداوندی کی چاٹ لگ گئی اور اس کی نشو و نما ہی عبادت میں ہوئی۔ نوجوانی کا زمانہ جس قدر قیمتی ہے افسوس ہے کہ عام طور پر اس کی قدر نہیں کی جاتی، یوں سمجھ لیا جاتا ہے کہ عبادت تو بڑھاپے میں کریں گے، جوانی تو بس عیش و عشرت کے لئے ہے، حالانکہ جوانی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا جو لطف آتا ہے اور اس کی جو فضیلت و بزرگی ہے وہ بڑھاپے میں کس کو نصیب ہو سکتی ہے؟ کاش! نوجوان اپنی جوانی کو خدا تعالیٰ کی راہ میں لگائیں اور قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایۂ رحمت پائیں۔

تیسرے درجہ پر اس شخص کا تذکرہ ہے جس کو مسجد سے ایسا اُنس ہو جائے کہ مسجد سے باہر اس کا جی نہ لگے اور جب وہ اپنی ضروریات زندگی اور کسب معاش کے لئے مسجد سے باہر جائے تو دل مسجد میں اٹکا رہے، بلاشبہ مسجد خانۂ خدا ہے، محبوب حقیقی کا گھر ہے، کسی مؤمن کا مسجد سے تعلق جڑ جانا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر خاص نظر رحمت ہے اور یہی نظر رحمت قیامت کے دن سایۂ رحمت بن کر اسے اپنی آغوش میں لے لے گی۔

چوتھے درجہ پر ان دو شخصوں کا ذکر ہے جن کی آپس کی دوستی اور محبت محض

اللہ تعالیٰ کی خاطر تھی، وہ محض اسی محبت کے لئے جمع ہوتے اور الگ ہوتے تھے، دو آدمیوں کی آپس میں محبت اور دوستی کی بنیادیں بہت سی ہوسکتی ہیں، کبھی ذاتی منفعت، کبھی ہم وطنی، کبھی رشتہ و نسب کا تعلق، کبھی مشرب و مسلک کی یگانگت، کبھی ذاتی خوبیوں پر فریفتگی وغیرہ وغیرہ، لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں جس دوستی اور محبت کی قدر ہے وہ ہے جو اس کی محبت کی خاطر ہو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب قیامت کے دن لوگ میدان محشر میں جمع ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں دوستی رکھتے تھے؟ اس اعلان پر کچھ لوگ کھڑے ہوجائیں گے، ان کو بغیر حساب و کتاب جنت میں جانے کا حکم ہوگا اور دوسرے لوگوں کا حساب و کتاب شروع ہوجائے گا۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی خاطر کسی سے دوستی رکھنا بہت ہی بڑا عمل ہے، یہ وہ کیمیا ہے جو خاک کو اکسیر بنادیتا ہے، لیکن اکثر لوگ اہل اللہ کی محبت سے محروم ہیں۔

پانچویں درجے پر اس شخص کا ذکر آتا ہے جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور حق تعالیٰ شانہ کے انعامات، اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کے استحضار، محبت الٰہی کے شوق اور عذاب الٰہی کے خوف سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اور تنہائی کی اس خاص حالت میں اس پر از خود وارفتگی کی کیفیت طاری ہوگئی، یہ عمل بھی حق تعالیٰ کو بہت ہی محبوب ہے اور اس کا صلہ قیامت کے دن سایۂ رحمت کی شکل میں عطا کیا جائے گا۔

چھٹے درجے پر اس شخص کا نام آتا ہے جسے کسی خوبرو دوشیزہ نے غلط دعوت دی ہو، بظاہر وہاں کوئی دیکھنے والا موجود نہیں تھا، نہ اس فرار و انحراف کی کوئی ظاہری وجہ موجود تھی، نہ دنیا کی رسوائی و ذلت کا خوف دامن گیر تھا، شر کے تمام اسباب جمع تھے لیکن اس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی سنت پر عمل کیا اور محض خوف خداوندی کی وجہ سے اس غلط روی سے باز رہا، اس کا ایمان جس قدر قوی، اس کا یقین جس قدر محکم اور

اس کا رشتہ عبدیت اللہ تعالیٰ سے جس قدر مضبوط ہے اسی قدر اسے انعامات سے نوازا گیا اور رحمت الٰہی کے سائے میں اسے جگہ دی گئی۔

ساتویں اور آخری درجے پر اس سخی کا تذکرہ ہے جو اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے لیکن اتنے اخلاص کے ساتھ کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں لگنے دیتا، اس کا راہ خداوندی میں مال خرچ کرنا ہی بہت بڑا عمل تھا مگر اس کے اخلاص نے اس کا مرتبہ اور بھی دوبالا کر دیا اور رحمت خداوندی کے آغوش میں پہنچا دیا۔

اگر آپ ان سات شخصیتوں کی مجموعی حیثیت پر نظر ڈالیں تو ان سب میں تین عمل نمایاں نظر آئیں گے جو ان کے درجہ و مرتبہ کی بلندی کی شاہ کلید ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کا خوف اور اخلاص یہی تین چیزیں تمام اعمال کی روح ہیں، آیئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں درخواست کریں کہ وہ اپنے فضل سے ہمارا نام بھی ان سات آدمیوں کی فہرست میں شامل فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

دینی اقدار کے استہزأ پر

ارباب اقتدار کی خاموشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق اور قومی اتحاد کے معزز راہنماؤں کی طرف سے آج کل "اسلامی نظام" لانے کی باتیں ہورہی ہیں' نوید سنائی جارہی ہے کہ اسلام کا نظام معیشت عنقریب رائج کردیا جائے گا' اور عدالتوں میں اسلامی قانون کی فرمانروائی ہوگی' اسلامی نظام کب رائج ہوگا اور کس شکل میں رائج ہوگا؟ اس کے بارے میں تو کوئی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی' البتہ اسلامی نظام کا راستہ روکنے کے لئے لادین طبقہ کی جانب سے جو کوششیں ہورہی ہیں ان کا اندازہ ذیل کے مراسلہ سے ہوسکتا ہے :

" بخدمت عالی جناب مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی

مدرسہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' جناب کی توجہ ایک ایسے اہم معاملہ کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جس کا تعلق دین اسلام سے ہے اور جس کے خلاف دیدہ دلیرانہ اعتراضات اور

رکیک حملوں سے ایک مسلمان کا دین وایمان نہ صرف غارت ہوجاتا ہے بلکہ قرآنی قانون اور ہمارے اس ملک کے بھی قانون کی رو سے ایسے شخص کے خلاف غداری کے جرم میں مقدمہ چل سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "ڈان" کے ۷رجولائی ۱۹۷۸ء کے شمارے میں ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔ اپنے اس مضمون میں مقالہ نگار نے قرآنی قانون کا کس بے باکی سے مذاق اڑایا مختصراً عرض کروں تو قرآن اور امت مسلمہ پر اس نے جو اعتراضات کئے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے :

۱:۔ قرآن میں صرف تین چار قانون ہیں مثلاً نکاح' ورثہ' طلاق' لیکن یہ قانون تو پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت سے پہلے بھی جاہل عربوں میں رائج تھے۔ آپ نے ان میں کچھ اضافے اور اصلاح کی۔

۲ : ــــــــ قرآنی قوانین کو آخری حرف سمجھنا اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی اور اصلاح نہیں ہوسکتی' ایسا موقف ایک خاص گروہ کا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ ایسے غلط اعتقاد کے بوجھ کو اپنے کندھے پر لے کر پھرنے کے بجائے اسے اتار پھینکنا چاہئے تاکہ موجودہ زمانہ کی ترقی یافتہ قوموں کی رفتار کا ہم ساتھ دے سکیں۔

۳ :ــــــ ہم نے اپنی ایسی دقیانوسی مذہبی ذہنیت سے اپنے اوپر ترقی کی راہیں بند کررکھی ہیں۔

۴ : ------ہمارے چار اماموں کے فیصلے بھی آخری لفظ نہیں ہیں۔ وہ بھی حدیثوں سے ہٹ کر قیاس کے ذریعہ فیصلے کرتے تھے۔

۵" : —— مسلمان قوم ہی دنیا کی بہترین قوم ہے" ایسے غلط عقیدے کی بنا پر مسلمان غرور سے اتراتے پھرتے ہیں یہ قرآن کے مطابق صحیح نہیں ہے۔

۶ :— اب وقت آگیا ہے کہ قرآنی قوانین کی از سرنو شرح و تفسیر کی جائے اور اس میں آج کے ترقی یافتہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی و اصلاح وغیرہ کی جائے۔

۷ : ------کیونکہ قرآنی قانون بقول بدر الدین طیب جی (بمبئی ہائی کورٹ کے جج) نامکمل ہیں مثلاً وراثت کا قرآنی قانون نامکمل ہے اور اس میں اصلاح ضروری ہے۔

۸ : ------ قرآنی قوانین نامکمل ہیں برخلاف اس کے آج کا اینگلو سیکزن (ANGLOSAXON) یا فرنچ قانون مکمل ہے اور ان قانون دانوں کی صدیوں کی کلوش اور ریاضت کی بدولت یہ قوانین آج دنیا بھر میں رائج ہیں ان میں سے بہت کچھ مواد اسلامی قانون میں لینے کی ضرورت ہے۔

۹ : —— مسلمانوں کو تیرہ سو برس پرانی زندگی آج کے

اس زمانہ میں بھی جینے پر مجبور کرنا زیادتی ہے وغیرہ۔

احقر کی گزارش ہے کہ کیا ایسے خیالات رکھنے والا اور اس کا اخباروں میں پرچار کرنے والا شخص "مسلمان" ہو سکتا ہے؟ کیا وہ "خارج اسلام" نہیں؟ کیا اس کے خلاف اسلامی قانون اور ہمارا ملکی قانون حرکت میں نہیں آسکتا؟ ہماری وزارت قانون اور وزارت مذہبی امور اب تک ایسے شخص کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے سے کیوں خاموش ہے؟ کیا ایسے غیر اسلامی پرچار کے ذریعہ یہ شخص ہزاروں بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ نہیں کررہا؟ اور کیا آج جب کہ سارا ملک اسلامی نظام رائج کرنے کا متفقہ طور پر مطالبہ کررہا ہے اس کو یہ شخص غارت (DYNAMITE) کررہا ہے؟ کیا اس کی یہ کوشش نظریہ پاکستان کی رد' جس کے طفیل یہ ملک وجود میں آیا ہے غیر قانونی اور غیر اسلامی نہیں ہے؟ میرے خیال میں تو اس شخص کو اس قدر چھوٹ دینی نہیں چاہئے۔ ایسے زہریلے پروپیگنڈا کا شروع ہی میں مکمل طور سے قلع قمع کردینا چاہئے کیونکہ ایسے اسلام دشمن گروہ اس ملک میں نظام اسلام رائج ہرگز نہ ہونے دیں گے' اسی لئے اس کے خلاف منظم سازشیں کررہے ہیں۔ اس گروہ کو ہماری خاموشی اور بے عملی سے فروغ مل رہا ہے۔

والسلام احقر عثمان شبنم"

(سابق ایڈیٹر ڈان گروپ روزنامہ "ڈان" مسلم بلیٹن (راج کوٹ بھارت)

مقالہ نگار نے اس طبقہ کی نمائندگی کی ہے جو ہندوستانی زبان میں "کالے صاحب بہادر" کہلاتے ہیں۔ یہ نہ قرآن مجید کے صحیح ہجے کرسکتے ہیں' نہ کسی عربی عبارت کی ایک سطر پڑھ سکتے ہیں' نہ انہیں اسلامی ماخذ سے براہ راست اسلام کا مطالعہ کرنے کی کبھی توفیق ہوئی ہے' یہ لوگ انگریزی میں پڑھنے اور انگریزی میں سوچنے کے عادی ہیں' اور ان کی "اسلامی معلومات" کا کل سرمایہ یہودی و عیسائی لٹریچر کا رہین منت ہے' طرہ یہ کہ خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ جاہل ہونے کے باوصف یہ حضرات اپنے آپ کو "عقل کل" سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اسلام آج پہلی بار ان کے یہودی و نصرانی استاذوں نے سمجھا ہے۔ لارڈ میکالے نے غلام ہندوستان کے لئے جدید نصاب تعلیم کی سفارش کرتے ہوئے کہا تھا :

> " ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے' جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں' ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو' مگر ذوق' طرز فکر' اخلاق اور فہم و فراست کے لحاظ سے انگریز"۔

یہ طبقہ اپنے جد امجد لارڈ میکالے کے خواب کی تعبیر ہے جو انگریز کے رخصت ہوجانے کے باوجود اس کی ذہنی غلامی پر فخر کرتا ہے' یہ مسلمان نہیں بلکہ اقبال مرحوم کے بقول :

"ننگ آدم' ننگ دیں' ننگ وطن"

کا مصداق ہیں' ایوبی (جنرل ایوب خان) دور میں جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب

اپنی آل اولاد سمیت اس طبقہ کی ترجمانی کررہے تھے' جب سے وہ امریکہ پدھارے ہیں ان کے دوسرے ہم مشرب ایسے شگوفے چھوڑتے رہتے ہیں' ہم مقالہ نگار کے ان افکار پر سردست بحث کو نظر انداز کرتے ہوئے وزارت اطلاعات' وزارت قانون اور وزارت مذہبی امور سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں اسلام کے خلاف استہزا کا سلسلہ کب بند ہوگا؟۔

(بینات ذوالحجہ ۹۸ ۱۳ھ)

''بھٹو بچاؤ مہم'' میں
یہودی اور قادیانی مہروں کی سرگرمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۵ر نومبر کے اخبارات میں پی پی آئی کے حوالہ سے یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ بیرونی ممالک میں ''بھٹو بچاؤ مہم'' کے سلسلہ میں اسرائیلی، بھارتی اور قادیانی مہروں کا مرتضٰی بھٹو سے رابطہ ہے، اور یہ کہ قادیانی یہودی عناصر کی پاکستان کے خلاف سرگرمیاں تیز تر ہوگئی ہیں، اور قادیانی حضرات کھل کر پاکستان کے خلاف کام کرنے لگے ہیں۔

خبر میں یہ حیرت انگیز انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ بھٹو کی انتخابی مہم کے لئے اسرائیل نے تل ابیب کے قادیانی مرکز کے ذریعہ روپیہ بھیجا تھا۔

قادیانی حضرات کے بارے میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی خبر نہیں، مرزا غلام احمد قادیانی کے زمانے ہی سے ان پر انگریزوں کے لئے جاسوسی کے الزامات بڑی شد ومد سے عائد کئے جاتے رہے ہیں، قیام پاکستان کے بعد بھی ایسی خبروں کا سلسلہ بند نہیں ہوا، لیکن جہاں تک ہمیں علم ہے آج تک ارباب اقتدار نے ان خبروں کا سنجیدگی سے نوٹس لینے اور اس کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرنے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی، حکومت پاکستان کی اس خاموشی کا پس منظر کیا ہے؟ اور وہ کون سے عوامل ہیں جو اب تک اس منصفانہ تحقیقات کے راستے میں حائل رہے ہیں؟ یہ معمہ اسلامیان پاکستان کی فہم سے بالاتر ہے۔

دوسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ خود قادیانی صاحبان ہی ایسی خبروں کو عدالت میں چیلنج کرتے، ایسی شرانگیز خبریں پھیلانے والوں کو عدالت کے کٹہرے میں لاتے، اور اپنی حب الوطنی کا ثبوت فراہم کرتے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ قادیانی حضرات ایسی خبروں کو ''جماعت احمدیہ کے خلاف افترا پردازی'' کا عنوان دے کر اپنی معصومیت و مظلومیت کا پروپیگنڈا شروع کردیتے ہیں، اس طرح نہ صرف ''حقائق'' پر دبیز پردے پڑے رہتے ہیں، بلکہ قادیانی صاحبان کی مظلومیت کو بین الاقوامی پریس میں اچھالنے کا موقع فراہم ہوجاتا ہے، اور باہر کی دنیا میں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ پاکستان اس ''معصوم اقلیت'' کو بدنام کرنے کے جرم کا مرتکب ہے۔

دین و مذہب کے دائرے میں ہمیں قادیانیوں سے خواہ کیسا ہی اختلاف ہو لیکن کسی ناکردہ گناہ کا الزام ان پر عائد کرنا ہمارے نزدیک نہایت نازیبا حرکت ہے، اس لئے ہم ازخود اس خبر کی تصدیق یا تکذیب کے مجاز نہیں ہیں، بلکہ حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ پی پی آئی کی اس خبر کی باقاعدہ تحقیقات کرائی جائے اور اس کے نتائج سے عوام کو آگاہ کیا جائے، اگر یہ خبر صحیح ہے تو قادیانی لیڈروں کو فہمائش کی جائے، اور اگر یہ جھوٹ کا پلندہ ہے تو اس شر کے پھیلانے والوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

اس ضمن میں تحقیقات کا ایک نکتہ یہ بھی ہونا چاہئے کہ اسرائیل میں قادیانیوں کا مرکز کیا ''خدمات'' انجام دے رہا ہے؟ ۱۹۴۷ء سے آج تک ''ربوہ'' سے اسرائیلی مرکز کے روابط کی نوعیت کیا رہی ہے؟ پاکستان سے اسرائیل تک قادیانی صاحبان کی ر ئی کیسے ہوتی رہی ہے؟ اور پاکستان کی کسی جماعت کے مرکز کا اسرائیل میں قائم ہونا، پاکستان، عرب ممالک اور عالم اسلام کے مفادات کے ساتھ

کہاں تک ہم آہنگ ہے؟

آخر میں ہم قادیانی صاحبان سے بھی گزارش کریں گے کہ وہ ہمارے اس مطالبۂ تحقیقات کو خوش آمدید کہیں اور اس کی بھرپور حمایت کریں۔

غیر ضروری وضاحت

جداگانہ انتخابات کی فہرستوں کی تیاری کے لئے جو ووٹر فارم مسلمانوں کے لئے شائع کئے گئے تھے، وہ مسلمانوں کے مطالبہ پر واپس لے لئے گئے ہیں، اور ان کی جگہ نئے فارم چھپ رہے ہیں، حکومت کے اس فیصلہ پر تمام مسلمانوں کی جانب سے حکومت اور الیکشن کمیشن کا شکریہ ادا کیا گیا، لیکن حال ہی میں چیف الیکشن کمشنر صاحب کی طرف سے اخبارات میں ایک وضاحتی بیان شائع ہوا، جس میں بتایا گیا کہ پہلا فارم بھی قانونی طور پر صحیح تھا، اور یہ کہ نئے اور پرانے فارم میں کوئی خاص فرق نہیں تھا ــــــ چیف الیکشن کمشنر صاحب کے ارشادات کا جواب جناب مفتی محمود صاحب صدر قومی اتحاد پوری تفصیل کے ساتھ دے چکے ہیں، اس لئے اس پر مزید معروضات کی ضرورت نہیں، البتہ چیف الیکشن کمشنر صاحب (جو عدالت عالیہ کے قابل احترام چیف جسٹس بھی ہیں) کی خدمت میں یہ گزارش ضرور کریں گے کہ اس بحث سے قطع نظر کہ پہلا فارم صحیح تھا یا غلط؟ جب عوامی مطالبہ کے پیش نظر حکومت نے اسے واپس لے لیا ہے تو اس کے بعد جناب چیف الیکشن کمشنر صاحب کی یہ وضاحت نہ صرف بعد از وقت اور غیر ضروری تھی، بلکہ ان کے بلند و بالا منصب سے فروتر بھی. ــــــ کسی عوامی مطالبہ کو تسلیم کرلینا حکومت کی ہیٹی اور سبکی نہیں بلکہ لائق تحسین کارنامہ تصور کیا جاتا ہے، جب کہ چیف الیکشن کمشنر صاحب کا یہ وضاحتی بیان اس کے خلاف تاثر دیتا ہے، شاید کہ انہیں یہ احساس نہیں ہوا کہ ان کے اس بیان سے ان کے

بارے میں نئی قسم کی قیاس آرائیوں اور غلط فہمیوں کا دروازہ تو نہیں کھل سکتا۔

اسلام کے خلاف دریدہ دہنی

نمائندہ ''جنگ'' کی اطلاع کے مطابق میرپور خاص کے ایک استقبالیہ میں، جو جناب غوث بخش بزنجو کے اعزاز میں دیا گیا، این، ڈی، پی سندھ کی آرگنائزنگ کمیٹی کے ایک رکن جناب دیدار بلوچ ایڈوکیٹ نے مطالبہ کیا کہ ''سندھ یونیورسٹی فوری طور پر کھولی جائے، کیونکہ سندھ یونیورسٹی ہمارے لئے مکہ و مدینہ ہے، ہم مذہب کو چھوڑ سکتے ہیں، لیکن جی ایم سید، غفار خاں اور بزنجو کو نہیں چھوڑ سکتے۔''

جناب عبدالولی خان اور ان کے رفقاءؔ کبھی قومی اتحاد کے نامور قائد تھے، اور قومی اتحاد کی تحریک کا سب سے زیادہ فائدہ بھی انہی کو پہنچا ہے، لیکن جب سے انہوں نے قومی اتحاد سے الگ ہو کر اپنا سیاسی سفر شروع کیا ہے ان کے لب و لہجہ کا رنگ ہی کچھ اور ہے ان کے سیاسی نظریات کچھ بھی ہوں ان سے قطع نظر مسٹر دیدار بلوچ کا یہ فقرہ افسوسناک ہی نہیں بلکہ شرمناک بھی ہے، اگرچہ یہ اس جماعت کے درجۂ سوم کے ایک کارکن کا جذباتی فقرہ ہے، لیکن اس کے پلیٹ فارم سے اسلام اور اسلامی شعائر کی کھلے بندوں تضحیک اس کے مستقبل کی نشاندہی کرتی ہے، ہم جناب عبدالولی خان اور ان کے دوسرے رفقاءؔ سے گزارش کریں گے وہ نہ صرف دیدار بلوچ کے اس ناشائستہ فقرے پر قوم سے معذرت کریں، بلکہ اپنے منہ پھٹ کارکنوں کو ''ایاز! قدر خویش بشناس!!'' کی تلقین بھی کریں، اسلام سے گستاخیاں ان کی جماعت کے سیاسی مرتبہ میں اضافہ نہیں کریں گی، بلکہ اپنے ہاتھوں قبر کھودنے کے مترادف ہوں گے۔

(روزنامہ جنگ کراچی یکم دسمبر ۱۹۷۸ء)

حُبِّ دین، حُبِّ وطن کا تقاضا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جس طرح ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، اسی طرح اختلاف رائے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ہمارے درمیان بیسیوں اختلاف ہوسکتے ہیں لیکن اسلام کی پاسبانی اور پاکستان کی سالمیت کا تحفظ ہر اختلاف ونزاع سے بالاتر ہے، ہمیں ایک دوسرے سے خواہ کتنی شکایتیں ہوں لیکن بحمداللہ ہم مسلمان اور محب وطن ہیں۔ اس لئے اسلام اور اسلامی مملکت کے تحفظ کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوں گے، اور کسی کو اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا اختلاف ضرب المثل اور شہرہ آفاق ہے، لیکن جب عین معرکہ کارزار میں حضرت معاویہؓ کو نصرانی بادشاہ کا خط ملا، جس میں اس نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آپ کو اپنی حمایت کی پیشکش کی تھی، آپ نے سفارتی آداب کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے جواب تحریر فرمایا:

> ''او نصرانی کتے! تو ہمارے برادرانہ اختلاف سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، یاد رکھ! اگر تو نے علیؓ کے مقابلے میں لشکرکشی کی حماقت کی تو علیؓ کی فوج کا سب سے پہلا سپاہی جو تیری پیشانی پر ذلت کا سیاہ داغ لگانے کے لئے آگے بڑھے گا اس کا نام معاویہ بن ابوسفیان ہوگا۔''

یہ ہے باہمی اختلافات میں ایک سچے مسلمان کا کردار! اور جو لوگ باہمی رنجش کی بنیاد پر اسلامی مملکت کو اعدائے اسلام کا تر نوالہ بنا کر ملت فروشی کی قیمت

وصول کرتے ہیں تاریخ انہیں بغداد کے ابن علقمی، بنگال کے جعفر اور دکن کے صادق ایسے "ننگ قوم وننگ دیں وننگ وطن" غداروں کی صف میں جگہ دیتی ہے۔

پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے مسٹر بھٹو اور ان کے رفقاء کے مقدمہ کی طویل سماعت کے بعد اپنا فیصلہ محفوظ رکھا ہے۔ یہ امر بطور خاص لائق تحسین ہے کہ عدالت عظمیٰ نے اپنی اعلیٰ روایات کے مطابق اس طویل اور صبر آزما سماعت کے دوران عدل وانصاف کے تقاضوں کو ان کی آخری حدود تک ملحوظ رکھا ہے۔ اور کسی فریق کے لئے کسی ادنیٰ شکایت کی گنجائش نہیں چھوڑی، چنانچہ مسٹر بھٹو سمیت تمام متعلقہ افراد نے عدالت عظمیٰ پر اپنے بھرپور اطمینان واعتماد کا اظہار کیا ہے۔ احترام عدالت کے پیش نظر اس کے فیصلے پر کوئی رائے زنی کئے بغیر ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ عدالت عظمیٰ کا جو فیصلہ بھی سامنے آئے، اسے کشادہ دلی کے ساتھ تسلیم کرنا سب کا فرض ہے، اور اپنی توقعات وخواہشات کے خلاف ہونے کی صورت میں اس سے انحراف کرنا یا اس کے خلاف تحریک چلانا ملک وملت سے غداری کے مترادف ہوگا۔ اس گزارش کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض اطلاعات کے مطابق لادین عناصر، جن کے لئے اس اسلامی مملکت کی سالمیت ناقابل برداشت ہے، اور جو اس تاک میں بیٹھے ہیں کہ کسی طرح اس ملک کو انتشار اور لاقانونیت کی لہروں کے سپرد کردیا جائے۔ یہ لوگ کبھی صوبائی عصبیت کی آگ لگاتے ہیں، کبھی فرقہ وارانہ حمیت ابھارتے ہیں، کبھی طبقاتی منافرت کو ہوا دیتے ہیں، عدالت عظمیٰ کا منتظرہ فیصلہ ان کا آخری حربہ ہوگا جسے وہ استعمال کرنے کا فیصلے کئے بیٹھے ہیں۔ ہم تمام محب وطن پاکستانیوں سے، خواہ ان کا تعلق کسی جماعت سے ہو یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ غداران وطن کی اس سازش کو پنپنے کا موقع نہ دیں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۹؍جنوری ۱۹۷۹ء)

اصحابِ اقتدار کے لئے لائق عبرت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عدالتِ عظمیٰ میں سابق وزیر اعظم کی دائر کردہ نظر ثانی کی درخواست مسترد ہونے کے بعد زیر بحث مقدمہ سارے ثانوی مراحل طے کرنے کے بعد اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا ہے، سطح بیں نظریں بھٹو کے بہی خواہوں کی تاویلات اور پاکستان دشمن بیرونی ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈے کے نتیجے میں اسے خواہ کسی رنگ میں دیکھنے کی کوشش کریں لیکن جن لوگوں کی نظر واقعات کی صرف ظاہری سطح تک محدود نہیں بلکہ خالق کائنات کے قانون قضا و قدر پر ذرا بھی نظر رکھتے ہیں ان کے لئے یہ واقعہ اپنے پہلو میں عبرت و بصیرت کے سو سامان رکھتا ہے۔

حدیثِ نبویؐ میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ، ظالم کو مہلت دیئے جاتا ہے لیکن جب اسے پکڑتا ہے تو پھر کوئی ظالم اس کی قدرت کے شکنجے سے نکل نہیں سکتا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا، ملزم نے اقرار جرم کرتے ہوئے درخواست کی کہ حضرت! مجھ سے یہ غلطی پہلی بار ہوئی ہے خدا کے لئے مجھے معاف کر دیجئے، میں آئندہ اس جرم کا اعادہ نہیں کروں گا۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا: تم غلط کہتے ہو، اللہ تعالیٰ ایسا حلیم اور مہربان ہے کہ وہ کسی کو پہلے جرم پر نہیں پکڑتا، بلکہ بندے کی پردہ پوشی کرتا ہے، اور اسے اپنی

اصلاح کے لئے مہلت دیتا ہے، اگر تم نے یہ جرم پہلی بار کیا ہوتا تو ناممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون حلم و حیا کو نظر انداز کر کے تمہیں پہلی ہی بار پکڑا دیتا۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم و حیا، اور اپنی ستاری و پردہ پوشی کے قانون کا اطلاق بھٹو پر بھی کیا، بھٹو کے مظالم پر مشتمل قرطاس ابیض کی ضخیم جلدوں میں جو ریکارڈ سامنے لایا گیا اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ظلم و ستم اور جور و عدوان پر کسی قدر حلم و ستاری کا مظاہرہ فرمایا، (اور یہ تو وہ اعمال نامہ ہے جس کا ریکارڈ مہیا ہوسکا ہے، اس کے علاوہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا کچھ ہوا ہوگا؟) لیکن افسوس اور صد افسوس! کہ بھٹو نے خدا تعالیٰ کی اس ستاری کو اپنی ذہانت و ہوشیاری کا نتیجہ سمجھا، اور ظالم نے خدا کی بے آواز لاٹھی سے بے پروا ہوکر مخلوق کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ کو بھی صرف نمائش اور پروپیگنڈے کے زور سے فریب دینا چاہا، بھٹو نے دنیا میں اسلام کے عظیم تر نمائندے کی حیثیت میں اپنے آپ کو پیش کیا، اور اپنی ''اسلامی خدمات'' کا ڈھنڈورا پیٹا، لیکن بھٹو دور میں اسلام کی جس قدر بیخ کنی کی گئی اور اہل اسلام خصوصاً علمائے امت کے ساتھ جو حیاسوز سلوک روا رکھا گیا یہ ایک المناک داستان ہے جس کی ہلکی سی جھلک قرطاس ابیض میں نظر آتی ہے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے بھٹو کے ہاتھوں اسلام کا صرف ایک کام ہوا، یا صحیح لفظوں میں یہ کہا جائے کہ جب حالات اس کے بس سے باہر ہوگئے اور پانی سر سے اونچا گزرنے لگا تو اسے بادل نخواستہ مجبوری کے عالم میں یہ کام کرتے ہی بنی، اور وہ تھا قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت ہونے کی منظوری دینا۔

کاش! اس نے یہ ایک ہی کام اخلاص کے ساتھ محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کیا ہوتا تو ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے باقی جرائم کی پردہ پوشی کر دیتا اور اسی

ایک نیکی پر اس کی نجات ہو جاتی، مگر یہاں بھی اس کی عیار فطرت نے خدا تعالیٰ سے فریب کیا، لفظی حد تک قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد اس نے عملی طور پر آخر دم تک اس کی خلاف ورزی کی، اور قادیانیوں کے بارے میں اس آئینی ترمیم کے قانونی تقاضوں کو پورا کرنے سے گریز کیا، خدا تعالیٰ کا جوش غضب اس وقت بھڑکا، اور اس کی بے آواز لاٹھی بھٹو اور اس کی ذریت پر اس وقت برسنی شروع ہوئی جب مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات سے پہلے بھٹو نے قادیانیوں کے سربراہ مرزا ناصر احمد سے طویل تخلیہ کیا، اس ''خلوت'' میں اپنی گزشتہ غلطی کی معافی مانگی اور قادیانیوں سے از سر نو عہد و معاہدہ کی تجدید کی، جس کے مطابق قادیانیوں نے اپنا وزن پھر بھٹو کے پلڑے میں ڈالنے کا فیصلہ کیا، اور وہ آخر دم تک اس کے حلیف رہے، یہی ''بھٹو ناصر معاہدہ'' اس کے زوال کا نقطۂ آغاز بنا، اور قضا و قدر نے بھٹو کے خلاف وہ فیصلہ دیا، جس کا ظہور ۵ر جولائی ۱۹۷۷ء کی صبح سے شروع ہو کر ۲۴ر مارچ ۱۹۷۹ء کی صبح کو مکمل ہوا۔

دنیا عبرت و موعظت کی ایک کھلی کتاب ہے، لیکن افسوس کہ بہت کم لوگ اس کو دیدۂ عبرت سے پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، سابق وزیر اعظم پاکستان، سابق صدر پاکستان اور سابق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھٹو نے اپنے دور اقتدار میں جو کچھ کیا اور اس کے عمل کے ردعمل کے نتیجہ میں قضا و قدر کی جو نیرنگیاں ظاہر ہوئیں وہ صرف بھٹو کے لئے نہیں بلکہ تمام ارباب اقتدار کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں، خدا تعالیٰ ہر جرم کو معاف کر دیتا ہے مگر دو جرائم ایسے ہیں جن کو وہ اپنی حلیمی و ستاری کے باوجود معاف نہیں کرتا، ایک ظلم و ستم اور حقوق العباد کی حق تلفی اور دوسرے ظاہر و باطن کا اختلاف یعنی اسلام کے نام پر لوگوں کو دھوکا دینا اور ظاہری طور پر ''اسلام،

اسلام" پکارنے کے باوجود اسلام سے بے اعتنائی برتنا، کسی کی حق تلفی کرنے والا کبھی خدائی گرفت سے نہیں بچ سکتا، بلکہ خدا تعالیٰ دیر سویر اسے اس کے ظلم کا مزہ چکھا کر چھوڑتا ہے، اس طرح جو منافق صرف زبانی "خدمت اسلام" کا دعویٰ کرتا ہے، مگر دل سے اسلام کی بالادستی نہیں چاہتا، نہ اپنے اختیارات اسلام کی بالادستی و سربلندی کے لئے استعمال کرتا ہے وہ بھی اسی "اسفل السافلین" کا مستحق ہے جو قدرت نے منافقین کے لئے تجویز کیا ہے، پس جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کسی درجہ میں بھی اقتدار و اختیار کی نعمت بخشی ہے اگر وہ نشہ اقتدار میں بدمست ہو کر خلق خدا کے حقوق پامال کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے کمزور بندوں کو اپنے جور و ستم کا نشانہ بنائیں گے، انہیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ رہے، بلکہ خود اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود رہے ہیں، اور جو لوگ مسلمان کہلانے کے باوجود اسلام اور اس کی مقدس تعلیمات سے نہ صرف روگرداں ہیں، بلکہ اس کی مخالفت میں کوشاں ہیں، انہیں خدا کی غیرت و قہاری سے بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔

خدا تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ اس کے گنہ گار اور خطا کار بندوں کے لئے ہر وقت کھلا ہے، لیکن اس میں داخل ہونے کے لئے توبہ و انابت کی ضرورت ہے، مگر بعض بدقسمت، خدا کے عذاب کو سامنے دیکھ کر بھی توبہ اور رجوع الی اللہ کی توفیق سے محروم رہتے ہیں، ابوجہل جسے حدیث نبوی میں "اس امت کے فرعون" کا لقب دیا گیا ہے، اس کے تمرد و سرکشی کا یہ عالم تھا کہ جنگ بدر میں دو نوعمر بچوں کے ہاتھ سے جب نیم بسمل ہو کر زمین پر ڈھیر ہو رہا تھا اور فرشتہ موت کے انتظار میں زندگی کے آخری سانس گن رہا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس طرف سے گزر ہوا، آپ اس کے سینے پر بیٹھ گئے اور اس کی گردن اتارنے لگے تو بولا: "ذرا نیچے سے کاٹنا،

تاکہ پتہ چلے کہ یہ سردار کی گردن ہے۔"

افسوس ہے کہ بھٹو صاحب کو بھی توبہ و انابت کی توفیق نہیں ہوئی، بلکہ ان کے نمائندوں کی معرفت ان کی جو خبریں اب تک اخبارات کی زینت بنی ہیں، ان میں توبہ و انابت اور اپنی کوتاہی پر ندامت و پشیمانی کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ تمرد و سرکشی کی شان ہی جھلکتی ہے، ہم بھٹو صاحب اور ان کے بہی خواہوں سے کہیں گے کہ یہ ان کے لئے توبہ و رجوع کا وقت ہے، اگر خدانخواستہ اب بھی "جلی ہوئی رسی کا بل نہ نکلا" تو آخرت کی ذلت و رسوائی اس سے بدتر ہے۔

صدر مملکت سے بھٹو کی جان بخشی کی اپیلیں اندرون و بیرون ملک بڑی کثرت سے ہوئی ہیں، بھٹو کی جان بخشی کی صورت یہ تھی کہ اولیائے مقتول کو کسی طرح اس پر راضی کرلیا جاتا لیکن بھٹو کی "انا" اس کی اجازت نہیں دیتی، اور جب تک یہ نہ ہو باہر کی ساری اپیلیں ایک رسمی سی چیز بن کر رہ جاتی ہیں۔

بیرونی ممالک، بالخصوص مغربی ممالک کی اپیلوں میں یہ روح کارفرما ہے کہ بھٹو معصوم ہے اور اسے سیاسی انتقام کا نشانہ بنایا جارہا ہے، یا یہ نظریہ کارفرما ہے کہ بھٹو اس ملک کے بڑے عہدوں پر فائز رہ چکا ہے اور بڑے آدمی کا خون عام انسانوں سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے، یہ دونوں نظریے ہمارے نزدیک پاکستان اور انسانیت دونوں سے بے انصافی پر مبنی ہیں، پاکستان کی عدالت عظمیٰ جس نے مقدمہ کی طویل ترین سماعت کی، بھٹو اور اس کے وکلاء کو بعض قانون سے زائد مراعات دیں اور حقائق کی روشنی میں فیصلہ کیا، اس کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ اس میں کوئی سیاسی مصلحت کارفرما ہے نہ صرف پاکستان کی عدالت عظمیٰ کی توہین ہے بلکہ دن کی روشنی میں حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے، پاکستان اپنی اس تاریخ و روایت پر بجا طور پر فخر کرسکتا ہے

کہ سیاسی مخالفین کو کبھی گولی کا نشانہ نہیں بنایا گیا نہ کبھی تختہ دار پر لٹکایا۔ البتہ خود بھٹو کا کردار اس روایت سے مستثنیٰ ہے۔ باقی بڑے لوگوں کے خون زیادہ قیمتی ہونے کا نظریہ لادین مغرب میں کارفرما ہو تو اسلام اور پاکستان پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا ـــــــ آئین کی رو سے اگرچہ صدر مملکت کو کسی مجرم کی جان بخشی اور اس کی سزا میں تخفیف کا حق حاصل ہے، لیکن بھٹو اور اس کے کارندوں نے بیرون ملک جس طرح وطن عزیز اور اس کی باوقار عدلیہ کو بدنام کیا ہے اور جس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے یہ رویّہ کسی درجے میں رحم کا مستحق ہے؟ یا یہ بجائے خود عدالت کے فیصلے پر عملدرآمد کی ضرورت میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔

صدر، ملک کی عزت و وقار کی علامت ہوتا ہے جو لوگ ملک کی عزت سے کھیل رہے ہوں ان پر رحم کھانا کس چیز کی علامت کہلائے گا؟

یہ سوال صدر ضیاءؔ کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر محبّ وطن پاکستانی کے لئے قابل غور ہے، اللہ تعالیٰ اس ملک کی حفاظت فرمائے اور اسے ہر نظر بد سے محفوظ فرمائے۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۳۰ رمارچ ۱۹۷۹ء)

صوبائی خودمختاری کا نعرہ اور اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مارشل لاء حکومت کی طرف سے عام انتخابات کے لئے ۱۷رنومبر کی تاریخ کا اعلان کیا جاچکا ہے اور صدر مملکت کی طرف سے سیاسی جماعتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اسلام اور پاکستان کی سالمیت کے خلاف کسی بات کو ''انتخابی نعرہ'' کے طور پر استعمال نہ کیا جائے، ادھر این ڈی پی کے سربراہ شیر باز خاں مزاری اعلان کر چکے ہیں کہ وہ صوبائی خودمختاری کی بنیاد پر انتخاب لڑیں گے، ہماری گزشتہ تاریخ افسوسناک غلطیوں اور المناک حادثوں سے عبارت ہے، جن کی وجہ سے یہ ملک مسلسل کئی سال سے بحران کا شکار ہے، اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اس امر کے کہیں دور دور بھی آثار نظر نہیں آرہے کہ ہماری قیادت کو ان غلطیوں کا احساس ہوا ہو یا ان کی اصلاح کی کوئی صحیح تدبیر کی گئی ہو۔

سب سے پہلی غلطی یہ ہے کہ یہ ملک اسلام کے نعرے سے حاصل کیا گیا اور بعد میں بھی کبھی اس نعرے سے غفلت نہیں برتی گئی، مگر عملی طور پر اسلام کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی گئی، بلکہ اسلام کی کسی بات کو لیا بھی گیا تو ارباب اقتدار کے مطلق العنان ''اجتہاد'' اور نوکر شاہی کی منافقت نے اسے بھی ہوا میں اڑا دیا۔

اس ملک کے مختلف افراد و طبقات کو اسلام کا اعجاز اور اس کا انصاف پسندانہ

نظام عدل ہی متحد رکھ سکتا تھا، جب اس سے بے اعتنائی برتی گئی تو صوبوں کو صوبوں سے شکایتیں پیدا ہوئیں، جماعتوں کی جماعتوں سے ٹکر ہوئی، زبانیں آپس میں ٹکرانے لگیں، یوں صوبائی، لسانی، گروہی اور جماعتی عصبیتیں ابھرنے لگیں، اور پھر ان جاہلی عصبیتوں کا نتیجہ ایک تو یہ ہوا کہ قوم وملت کے مسائل پس منظر میں چلے گئے اور ان عصبیتوں کے پیدا کردہ مسائل نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی، اور دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے یہاں کسی قد آور قومی قیادت کے ابھرنے کے امکانات مسدود ہوگئے، قومی سطح پر سوچنے والی قیادت سے ملک محروم ہوگیا، اور ذاتی، گروہی اور زیادہ سے زیادہ صوبائی سطح کی سوچ ہماری قیادت کے قلب ونظر کا محور بن گئی، اور رفتہ رفتہ اس کے نقوش زیادہ سے زیادہ گہرے ہوتے چلے گئے۔

دوسرا المیہ یہ کہ اس ملک میں انتخابات کے ذریعہ قوم کی منتخب قیادت بھی برسر اقتدار نہ آسکی، اول تو اس ملک میں کبھی منصفانہ انتخابات کی فضا پیدا نہ ہوسکی، اور نہ ہمارے سیاسی قائدین اور عوام کو انصاف پسندی سے انتخاب لڑنے کی تربیت مل سکی، اور اگر کبھی انتخابات ہوئے تو ان کے نتائج ذاتی انا اور گروہی مفادات، صوبائی عصبیت کی نذر ہوکر رہ گئے، نتیجتاً انتخابات ملک کو استحکام وترقی عطا کرنے کے بجائے اس کی کمزوری اور زوال کا ذریعہ بن گئے۔

تیسرا المیہ یہ کہ منصفانہ انتخابات نہ ہوسکنے کی وجہ سے اقتدار کی آمد ورفت غیرفطری طریقوں سے ہوتی رہی، غیرفطری طریقے سے جو حکومتیں برسر اقتدار آتیں انہیں واپس بھی اسی غیرفطری طریقے سے جانا پڑتا اور ان کی آمد وشد کا خمیازہ ملک وقوم کو برداشت کرنا پڑتا، گویا غیرفطری طور پر زبردستی انتقال اقتدار کے نتائج بھی اس قوم کے مزاج میں تلخی اور زہر گھولنے کا سبب بنے۔

مسٹر بھٹو کے آخری دور اقتدار میں نو جماعتوں کا اتفاق و اتحاد اس ملک کے لئے نیک شگون تھا اور توقع ہوگئی تھی کہ یہ اتحاد نہ صرف قومی قیادت کے خلاء کو پورا کرے گا بلکہ قوم کو ان تمام غلطیوں کی اصلاح کا بھی موقع مل جائے گا، جن کی وجہ سے ملک و ملت کی کشتی منجدھار میں ہے اور وطن عزیز ''پاکستان'' کے بجائے ''مسائلستان'' بن کر رہ گیا ہے، وطن عزیز کے بہی خواہ ہماری حماقتوں پر خون کے آنسو رو رہے ہیں، اور دشمن ہم پر خندۂ زہر لگا رہے ہیں، لیکن افسوس کہ قومی اتحاد کو بہت جلد کسی کی نظر کھا گئی اور جن تین جماعتوں نے اس سے الگ ہوجانا ضروری سمجھا ان میں ایک سردار شیر باز خاں مزاری کی جماعت تھی، ہمارے نزدیک اب بھی پاکستان کی سلامتی اور ملک و ملت کی عزت و وقار کا ایک ہی راستہ ہے کہ سیاسی جماعتوں اور قومی راہنماؤں کو مل بیٹھ کر ملک گیر قیادت مہیا کرنی چاہئے، اور قومی قیادت کا خلاء پر کرنا چاہئے۔

جہاں تک سردار شیر باز مزاری کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ وہ آئندہ انتخابات صوبائی خود مختاری کے نعرہ سے لڑیں گے اس ضمن میں ہم ایک بات ان کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں اور ایک موجودہ عبوری حکومت سے۔

سردار صاحب کی خدمت میں تو یہ گزارش ہے کہ جس صوبائی خود مختاری کا وہ مطالبہ فرما رہے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ وہ صرف ان کے صوبہ بلوچستان ہی کو نہیں بلکہ چاروں صوبوں کو ملے گی، گویا یہ مسئلہ صرف ایک صوبے سے نہیں بلکہ ملک کے چاروں صوبوں سے متعلق ہے، اور اس کی حدود بھی تقریباً ساری سیاسی جماعتوں کے اتفاق سے طے ہوچکی ہیں اگر کسی وقت ان حدود کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تو اس میں قصور ان افراد کا ہے جنہوں نے ان حدود کو نظر انداز کیا اس کا علاج صرف ایک ہی ہے کہ دیانت

دارقومی قیادت کو آگے لایا جائے جو صوبوں کے حقوق، امانت و دیانت سے ادا کر سکے، اگر سردار صاحب ایسی قومی قیادت کی تشکیل میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ان کا اس ملک پر احسان ہوگا مگر صرف ایک صوبے میں صوبائی خودمختاری کی بنیاد پر انتخاب لڑنا ان کے مشن کی کامیابی کا صحیح طریقہ نہیں، بلکہ اس سے موجودہ بحران میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔

موجودہ عبوری حکومت سے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صوبوں کی جائز شکایتوں کا ازالہ اس کی شرعی اور اخلاقی ذمہ داری ہے، اسلام جس مساوات کا علمبردار ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کو کسی سے بے انصافی کا موقع نہ دیا جائے اور اگر واقعۃً کسی سے بے انصافی ہوئی ہو تو اس کا فوری تدارک کیا جائے، جب شکایتیں پیدا ہوں اور ان کا صحیح، فطری اور مؤثر تدارک نہ کیا جائے تو ذہنی خلفشار اور بداعتمادی کو جنم دیتی ہیں، اس سے تصادم کی صورتیں رونما ہوتی ہیں، اور اس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جس کا تجربہ ہم اکتیس سال سے کر رہے ہیں، اور جس کے نتیجے میں وطن عزیز کو دولخت کرنے کی حماقت بھی ہم سے سرزد ہو چکی ہے، آئندہ یہ سلسلہ بند ہونا چاہئے۔

پاکستان تو ایک چھوٹا سا ملک ہے، سیدنا عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت کی حدود افریقہ سے چین تک پھیلی ہوئی تھیں، مگر اسلامی مملکت کے سربراہ کی نظر اس وسیع ترین مملکت کے تمام خطوں کی طرف مبذول رہتی تھی، اور جب بھی کسی علاقے سے وہاں کے گورنر یا کسی افسر کی کوئی جائز شکایت ملتی اس کا فوری تدارک کیا جاتا اور بڑے سے بڑے افسر کی گوشمالی کی جاتی۔ حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ ایک علاقے کے حاکم تھے، ان کے بارے میں شکایت ہوئی کہ انہوں نے ایک بالا خانے میں اقامت اختیار کر لی ہے اور

دروازے پر دربان بٹھادیا ہے، ایسی صورت میں ہر مظلوم اور فریادی کی رسائی ان تک نہیں ہوسکتی، شکایت بجا تھی، انہیں فوراً دربار خلافت میں طلب کیا گیا، وہ حاضر ہوئے تو امیر المؤمنین نے انہیں کپڑے اتارنے اور ٹاٹ کا لباس (جو تیار رکھا تھا) پہننے کا حکم دیا، دھوپ میں کھڑا کر کے ہاتھ میں عصاء تھمادیا اور فرمایا تم حکومت کے اہل نہیں ہو، جاؤ جنگل میں صدقہ کی بکریاں چراؤ۔

انہوں نے عرض کیا، امیر المؤمنین! مجھے اس خدمت سے معاف رکھا جائے، فرمایا تیرے باپ کا بکریاں چراتے چراتے نام ہی ''غنم'' پڑ گیا تھا، تجھ سے کیوں نہیں چرائی جاتیں؟ جب دیکھا کہ اب ان میں افسر شاہی کی رمق نہیں رہی تو فرمایا کہ اپنے عہدے پر واپس جاؤ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔

اس قسم کی ایک دو نہیں سیکڑوں مثالیں موجود ہیں، اگر پاکستان کے چاروں صوبوں کے سارے باشندوں کو یقین ہوجائے کہ نوکر شاہی ان سے بے انصافی کی مرتکب نہیں ہوگی تو وہ کبھی حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کریں گے، اور نہ کسی ہوس اقتدار کے مریض کو ''وطن دشمنی'' کا موقع مل سکے گا، اس لئے ارباب اقتدار کا فرض ہے کہ وہ اپنی مشنری کے کل پرزوں کی صفائی کریں، قوم کی جائز شکایات کا ازالہ کریں اور جو لوگ قوم کو غلط راستے پر ڈالنا چاہتے ہیں ان کا صحیح علاج کریں، ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ نہ ارباب اقتدار کو انصاف کی توفیق حاصل ہے اور نہ عوام کو صبر و قناعت کی، بقول سعدیؒ:

''اے خداوند ان نعمت اگر شمارا انصاف بودے و مارا قناعت، رسم سوال از جہاں برخواستے۔''

ترجمہ:...... اے اصحاب ثروت اگر آپ میں انصاف اور ہمارے اندر قناعت ہوتی تو اس جہاں میں مانگنے کی بری ریت نہ ہوتی۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۲۰/اپریل ۱۹۷۹ء)

انجام گلستاں کیا ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتصادی امداد بند کر کے اپنی دشمنی کا اظہار کھل کر کر دیا ہے، افغانستان، روس کی سرپرستی میں پاکستان کو ہولناک نتائج بھگتنے کی تلقین کر رہا ہے، کمیونزم کا سیلاب پاکستان کی سرحدوں سے ٹکرا رہا ہے، اور اس کے آلہ کار بڑے خلوص، لگن اور منصوبہ بندی کے ساتھ اندرون ملک اس کے استقبال میں مصروف ہیں۔ ہمارا بدترین ہمسایہ بھارت ''پاکستان ایٹمی طاقت بن رہا ہے'' کا پروپیگنڈہ کر رہا ہے یہ بھی خالی از علت نہیں۔ وہ شاید ہم پر کوئی نئی افتاد ڈالنے کے لئے بہانے ڈھونڈ رہا ہے اور اس کے لیڈر کشمیر فتح کرنے کے نعرے لگا رہے ہیں۔ عوامی سطح پر لادین عناصر ملک میں باہمی منافرت کا الاؤ روشن کر رہے ہیں، صوبائی ولسانی عصبیتوں کو بطور خاص ہوا دی جا رہی ہے، اسلام کے خلاف تلخ وتند نعرے بلند کئے جا رہے ہیں۔ افسر شاہی کے کل پرزے اپنی بدعنوانیوں سے عام بے چینی پیدا کرنے کے لئے ایندھن مہیا کر رہے ہیں، جن لوگوں کے مفادات اسلام سے ٹکراتے ہیں وہ ملک دشمنوں کی ہمنوائی میں ملک کے بخیے ادھیڑنے میں مصروف ہیں، الغرض پاکستان، وطن دشمن اور اسلام دشمن طاقتوں کی نظر بد کا نشان بنا ہوا ہے۔ حالات روز بروز ایسی شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں کہ ہر عام و خاص کی زبان پر ایک ہی سوال ہے ''اب کیا ہوگا؟'' نا امیدی کی اس فضا میں امید کی بس ایک ہی کرن باقی تھی۔ اور وہ یہ کہ جو اسلام اور پاکستان کی محبت کے جذبہ

ملک عزیز اس وقت جن داخلی و خارجی خطرات کے گرداب میں گھرا ہوا ہے وہ کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں، ذرا باہر جھانک کر دیکھئے تو دنیا کی دونوں بڑی طاقتیں ہمیں گھور رہی ہیں، امریکہ اپنی برہمی کو چھپا نہیں سکا، اور اس نے پاکستان کی سے سرشار ہیں، جو پاکستان کو اسلام کا مقدس قلعہ تصور کرتے ہیں، جو ملک کی بقا و سالمیت کے مسئلہ کو سب سے اہم جانتے ہیں ۔ جو اسلام اور وطن سے غیر متزلزل عقیدت رکھتے ہیں وہ آگے بڑھ کر تمام داخلی و خارجی فتنوں کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے، وہ قوم کے منتشر شیرازے کو ایمان و اتحاد کی آنچ سے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیتے ۔ وہ ''کون کیا تھا؟'' کی رٹ لگانے کے بجائے ''کون کیا ہے؟'' کے اصول پر تعمیر وطن کی بنیادیں اٹھاتے اور من و تو کا امتیاز کئے بغیر پاکستان کی پوری ملت اسلامیہ کو ایک جگہ متحد کر کے ہر ملک دشمن سازش کا راستہ روک دیتے ــــ لیکن:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

امید کی یہ کرن بھی بدقسمتی سے گل ہوا چاہتی ہے، تمام محب وطن جماعتیں تسبیح کے دانوں کی طرح منتشر اور ان کے محترم قائدین اسلام کے حوالے سے باہم دست و گریباں ہیں ۔ یعنی:

اغیار کا جادو چل بھی گیا، ہم ایک تماشا بن بھی گئے

قیام پاکستان کے بعد زمانہ ۳۲ کروٹیں بدل چکا ہے ۔ لیکن ہمارے قائدین ابھی تک ملک کو لاحق سارے خطرات سے آنکھیں بند کئے ''پدرم سلطان بود'' کے نعرے الاپ رہے ہیں، ان حضرات کو وہم ہے کہ ظہور پاکستان کا معجزہ ان کی مساعی جمیلہ کا کرشمہ تھا، آج بھی وہ ۳۲ برس پہلے کی خلاؤں میں بھٹک رہے ہیں ۔ ایسا لگتا

ہے کہ ہم ابھی ابھی انگریز اور ہندو کے مقابلہ میں میدان جیت کر آرہے ہیں اور اب ان کے مال غنیمت پر قرعہ اندازی ہورہی ہے، اور ہر شخص اپنا حق وراثت جتانے پر پوری صلاحیت صرف کررہا ہے۔

زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہمارے ان راہنماؤں کو ۱۹۷۰ء کے الیکشن سے عبرت نہیں ہوئی، بلکہ ٹھیک انہی حرکتوں کا اعادہ کیا جارہا ہے جن کی بدولت پاکستان ٹوٹا اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بنکر رہ گیا۔

ہم جناب اصغر خان، پیر صاحب پگاڑا، خواجہ خیرالدین، خان قیوم خان مولانا نورانی، جناب ولی خاں، میاں طفیل محمد، نواب زادہ نصراللہ خاں اور دیگر محب اسلام راہنماؤں سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا انہیں سیاسی عقل اسی وقت آئے گی جب خاکم بدہن پاکستان مرحوم ہوچکا ہوگا؟ جب یہاں سمرقند و بخارا کی تاریخ دہرائی جائے گی؟ جب وطن پاک مسلمانوں کا مقتل بن کر رہ جائے گا؟ اگر وہ نوشتۂ دیوار پڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو ہم انہیں آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری غلطیاں اس منحوس وقت کو قریب سے قریب تر لارہی ہیں۔ ہم انہیں یہ بھی گزارش کریں گے کہ اگر وہ ۱۹۷۷ء کی طرح ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوجائیں تو ملک کو درپیش مسائل کا حل ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس نازک موقعہ پر بھی جاہلی عصبیتوں کو ابھارکر ''ہے جام اپنا اپنا'' کا طرز عمل اختیار کریں گے تو یہ خودکشی کا راستہ ہے، جس کے نتیجے میں خدانخواستہ خدا کا قہر نازل ہوا تو اس کی لپیٹ سے کوئی نہیں بچے گا، خدا کے لئے اس ملک کو فرقہ وارانہ اشتعال کی بھٹی میں جھونکنے کی غلطی نہ کیجئے اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھال کر اسلام کو رسوانہ کیجئے۔

ہم مؤثر اور سنجیدہ طبقوں سے بھی عرض کرنا چاہتے ہیں (خواہ ان کا تعلق کسی

مذہبی فرقہ سے ہو) کہ اپنے قائدین کی غلط روی پر نگاہ رکھے۔ان کے دلوں پر محنت کر کے انہیں دانش مندانہ طرز فکر اختیار کرنے پر مجبور کیجئے؟ ہمارے بعض لوگ ذاتی انا کی خاطر گھر گھر لڑائی اور گلی گلی سر پھٹول کی فضا پیدا کر رہے ہیں انہیں اس گندی سوچ سے باہر لانا ضروری ہے اور یہ فرض قوم کے محب وطن اور سنجیدہ افراد پر عائد ہوتا ہے۔

صدر مملکت اور ارباب حل وعقد سے بھی صاف صاف عرض کرنا چاہتے ہیں کہ صوبائی خود مختاری کی عصبیت کا ''جن'' اگر بوتل سے باہر نکل آیا تو قابو سے باہر ہوسکتا ہے۔

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۱رمئی ۱۹۷۹ء)

جنابِ صدر! یہ غیبت نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی کراچی تشریف آوری کے موقع پر ان کی کھلی کچہری میں جمعیۃ علمائے اسلام کے سیکریٹری اطلاعات جناب قاری شیر افضل نے ان کی خدمت میں محکمہ اوقاف سندھ کے ایک اعلیٰ افسر کے غلط رویے کی شکایت کی تو جناب صدر نے فرمایا کہ جس افسر کی شکایت کی جا رہی ہے وہ چونکہ یہاں موجود نہیں ہے اس لئے اس کی غیر حاضری میں اس کی شکایت کرنا غیبت ہے۔

جناب صدر کا یہ ارشاد ان کی نیک فطرتی اور دینداری و پرہیز گاری کی علامت ہے۔ مگر اس شکایت کو "غیبت" کہتے ہوئے صدر نے اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ ان کی خدمت میں یہ شکایت بحیثیت پاکستان کے ایک شہری کے نہیں کی جا رہی ہے، بلکہ ملک کے مقتدر اعلیٰ کے سامنے اس کے ماتحت کی بدعنوانی کی شکایت کی جا رہی ہے۔ اور یہ غیبت نہیں۔ بلکہ پاکستان کے ہر شہری کا جس کی آواز صدر تک پہنچ سکتی ہو، یہ شرعی فرض ہے کہ ملک کے ہر بد دماغ اور کجرو افسر کی شکایت صدر سے کرے اور جناب صدر کا فرض ہے کہ اس کی شکایت پر توجہ فرمائیں۔

جناب صدر نے اس بات پر بھی غور نہیں فرمایا کہ مملکت کے تمام چھوٹے بڑے افسران اور اہل کاروں کی بدعنوانیوں کی ذمہ داری خود جناب صدر پر عائد ہوتی ہے اور اسکا محاسبہ قیامت کے روز صدر مملکت سے ہوگا۔ اگر جناب صدر نے اس نکتہ پر غور فرمایا ہوتا تو ملامت کرنے کے بجائے شکر گزار ہوتے۔

جناب صدر نے اس امر کی طرف بھی توجہ نہیں فرمائی کہ اسلام میں صرف

غیبت ہی حرام نہیں کسی مسلمان کی تذلیل وتخفیف بھی حرام ہے۔ حالانکہ جس افسر کی شکایت کی تھی اول تو وہ اخباری اطلاع کے مطابق اس مجلس میں موجود تھا۔ دوسرے جناب صدر جب اسی مقصد کے لئے تشریف لائے تھے کہ عوام کی شکایتیں براہ راست سنیں تو یہ بات ان کے علم سے باہر نہیں تھی کہ ان شکایتوں میں اس علاقے کے اعلیٰ افسروں سے متعلق شکایتیں بھی ہوں گی۔ اب یہ فرض عوام پر عائد نہیں ہوتا تھا کہ وہ جس افسر کی شکایت کرنا چاہیں منت سماجت کرکے اسے ساتھ لائیں۔ یہ فرض تو حکومت کا تھا کہ وہ ہر محکمہ کے ذمہ دار افسروں کو بھی تشریف ارزانی کی زحمت دیتے، تیسرے جناب صدر کی خدمت میں جس اعلیٰ افسر کی شکایت کی گئی تھی اگر بالفرض وہ اس وقت موجود نہیں تھا تو جناب صدر اسے طلب فرما سکتے تھے اور سائل کے سامنے اس سے جواب طلبی کر سکتے تھے۔ یا کم از کم متعلقہ وزیر یا گورنر کو اس بارے میں ہدایات جاری فرما سکتے تھے۔ بہر حال ایک داد طلب کو یہ جواب دینا کہ وہ غیبت کا مرتکب ہو رہا ہے، کسی طرح قرین انصاف نہیں تھا۔

بظاہر یہ واقعہ ایک معمولی سی بات تھی جسے اخبار نویسوں کی "جھلکیوں" میں جگہ ملی۔ مگر بعض چھوٹے چھوٹے واقعات بھی بڑی باتوں کی علامت بن جاتے ہیں یہ چھوٹا سا واقعہ بھی آج کے مزاج حکمرانی کی علامت ہے۔ حضرات خلفائے راشدین سے ہر سطح کے آدمی ہر وقت مل سکتے تھے اس کے باوجود ان کی طرف سے اعلان عام جاری کیا جاتا ہے کہ وہ حج پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ تمام علاقوں کے گورنر اور اعلیٰ حکام بھی طلب کئے جا رہے ہیں پبلک کے کسی آدمی کو سرکاری افسر سے کوئی چھوٹی بڑی شکایت ہو تو وہ حج کے موقعہ پر شکایت پیش کرے اور ایسی شکایتیں پیش بھی کی جاتی تھیں اور ان پر فوری کاروائی بھی ہوتی تھی۔ یہ تو تھا اسلام کا مزاج حکمرانی! اس کے

برعکس آج کا مزاج حکمرانی یہ ہے کہ عام آدمی کا خدا سے ملنا آسان، مگر سربراہ مملکت تک اس کی رسائی ناممکن۔ اور اگر یہ ''ناممکن'' کسی کرشمۂ قدرت سے ''ممکن'' بن بھی جائے تو آج کا مزاج حکمرانی پبلک کو تحفظ کی ضمانت دینے کے بجائے ناز پروردہ افسروں کو تحفظ دیتا ہے۔ یہ ہے وہ اصل علت جس سے ساری بدعنوانیاں جنم لیتی ہیں۔ جس سے سرکاری اہل کاروں کو محاسبہ سے بے نیاز ہوکر من مانیاں کرنے کا زریں موقع ملتا ہے۔ اور جس سے عوام کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔

آج جمہوریت کا دور ہے اور سلطنت و بادشاہی کو ایک لعنت تصور کیا جاتا ہے۔ مگر آج کے جمہور کو یہ نہیں معلوم کہ عدل پرور بادشاہ راتوں کو بھیس بدل کر پہرے دیا کرتے تھے۔ لوگوں کی شکایات گھوم پھر کر خود سنا کرتے تھے۔ اور انہوں نے اس مقصد کے لئے باقاعدہ خفیہ محکمے بھی قائم کر رکھے تھے۔ کہ سرکاری افسروں اور اہل کاروں سے متعلق شکایات ان تک پہنچائی جائیں۔ کیا آج جمہور کے نمائندے اس عدل پروری کی مثال پیش کر سکتے ہیں، جن ممالک میں ''عوام کی حکمرانی'' یا ''مزدور کی حکمرانی'' کے نام پر چند لوگ عوام اور مزدوروں کے خدا یا ناخدا بن بیٹھے ہیں کیا عوام یا مزدوروں کا کوئی فرد ان تک اپنی فریاد پہنچا سکتا ہے؟ اور اگر پہنچا بھی دے تو کیا اعلیٰ افسران کے غیظ وغضب سے بچ سکتا ہے؟

آج جو چاروں طرف جبریت کا دور ہے اور خدا کی زمین ظلم وستم سے بھری ہوئی ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ نہیں جو ظلم کی آماجگاہ نہ ہو۔ خلفائے راشدین کے دور میں سرکاری افسر کانپتے تھے اور عوام سکھ کی نیند سوتے تھے۔ لیکن آج سرکاری افسران سکھ کی نیند سوتے ہیں اور عوام ان سے کانپتے ہیں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۸ رمئی ۱۹۷۹ء)

جنرل ضیاءالحق کی خدمت میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۵/جولائی ۱۹۷۷ء کی صبحِ سعادت قوم کو نہیں بھولے گی جب اس نے بھٹو فاشیت کے خاتمہ اور مارشل لاء کے نفاذ کی خبر سنی۔ قوم، بھٹو کے مظالم سے اس قدر تنگ آچکی تھی کہ اس نے مارشل لاء حکومت کا پرجوش استقبال کیا اور اسے ملک و ملت کے حق میں رحمت سمجھا، مارشل لاء کا نفاذ کسی قوم کے لئے لائق فخر نہیں ہوسکتا، لیکن جنرل محمد ضیاءالحق کا نافذ کردہ مارشل لاء بھٹو ازم کے مقابلہ میں ایک ناگزیر ضرورت تصور کیا گیا۔ اس مارشل لاء کا سب سے روشن پہلو یہ تھا کہ اس سے جبر قہرمانی کا کوئی مظاہرہ دیکھنے میں نہیں آیا، بلکہ انسانیت و شرافت کی قدروں کی بحالی کا اعلان کیا گیا۔ زمام حکومت ہاتھ میں لینے سے پہلے مارشل لاء انتظامیہ کو صحیح اندازہ نہیں تھا کہ حالات کا بگاڑ کس سطح تک پہنچ چکا ہے اور اس کی اصلاح کے لئے کیا تدابیر ہونی چاہئیں؟ اس لئے جنرل محمد ضیاءالحق کو اپنے پروگرام میں بار بار تبدیلیاں کرنا پڑیں، اور وہ حالات کی اصلاح کے لئے کوئی ٹھوس اور مؤثر حکمت عملی نہیں اپنا سکے —— یہی وجہ ہے کہ آج مارشل لاء کے نفاذ کو دو برس گزر رہے ہیں۔ مگر ملک میں سیاسی، معاشی، فکری اور تہذیبی تبدیلیوں کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے، بلکہ شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سابقہ حکومت نے ملک کو بگاڑ کی جس پٹڑی پر ڈال دیا تھا ملک ابھی تک بگاڑ کی اسی لائن پر تیزی سے چل رہا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مارشل لاء کی قوت حالات کے بگاڑ پر قابو

پانے سے قاصر اور اس کی بڑھتی ہوئی رفتار کے سامنے بے بس ہو چکی ہے۔

سب سے پہلے ملک کے معاشی حالات کو لیجئے، بھٹو دور میں نچلے اور متوسط طبقہ کو کچلنے کے لئے مہنگائی کا جو بے رحم آرا چلایا گیا موجودہ حکومت نہ صرف یہ کہ اس کی کوئی اصلاح نہیں کر پائی بلکہ عام آدمی کی پریشانی و بے چینی میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اور ہمارے نئے "شاہانہ بجٹ" نے تو گویا فیصلہ کر دیا ہے کہ عام آدمی کو اس ملک میں جینے کا کوئی حق نہیں۔ اسے یا تو یہاں سے ہجرت کر جانا چاہئے، یا پھر اس پر صبر و رضا کے ساتھ موت کا استقبال لازم ہے۔ عام آدمی کی قوت خرید میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ مگر روزمرہ کی اشیائے صرف کی قیمتوں میں اوسطاً چار پانچ گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ نئے بجٹ میں قریباً ۵ ارب کے جو نئے ٹیکس لگائے گئے ہیں ابھی قوم کو اس کا خمیازہ مزید بھگتنا ہوگا۔

جنرل محمد ضیاءالحق قوم کو بار بار کفایت شعاری کی تلقین کر چکے ہیں مگر ہمیں افسوس ہے کہ قومی بجٹ میں اس تلقین کا کوئی شائبہ نظر نہیں آتا۔ اور نہ افسران بالا کی زندگی میں کفایت شعاری کی کوئی الائش نظر آتی ہے، ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ مارشل لاء حکومت قومی معیشت کی بحالی، قیمتوں کے استحکام اور عام آدمی کی پریشانی کے ازالہ کے لئے کوئی مؤثر اقدام نہیں کر سکی، اور غالباً حالات اس کے قابو سے باہر ہیں۔ معاشی میدان سے ہٹ کر اب ذرا فکری محاذ کی طرف آیئے۔ جن لادینی قوتوں نے بھوکے عوام کو روٹی کپڑا اور مکان کا لالچ دے کر بہکایا تھا ان کے لئے زمین آج پہلے سے زیادہ ہموار ہے، الحاد و لادینیت کی قوتیں مختلف نعروں سے آج بھی مہنگائی کے ستائے ہوئے عوام کو اپیل کر رہی ہیں، لیکن مارشل لاء انتظامیہ قوم کو صحیح راستے پر ڈالنے کے لئے کوئی مؤثر اور مثبت اقدام نہیں کر سکی، اور شاید اس کے دور میں ابھرنے

والا گرانی کا سیلاب اسے اس کی مہلت بھی نہیں دے گا۔

موجودہ حکومت کا سب سے اہم اور عظیم الشان کارنامہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا آغاز تھا، جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ آج تک اسلامی نظام کا کوئی اثر ونشان کسی شعبۂ زندگی میں نظر نہیں آیا، اور ہم غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شاید اسلامی نظام کا نفاذ بھی مارشل لاءٔ حکومت کے بس کی بات نہیں۔ اس ناکامی کے وجوہ واسباب کچھ بھی ہوں، مگر لفظی طور پر ''اسلامی نظام'' کے بار بار اعلان وتکرار اور عملی طور پر کچھ نہ ہونے کی وجہ سے اب صورت حال یہ ہے کہ اس لفظ میں قوم کے لئے کوئی کشش باقی نہیں رہ گئی، بلکہ لادین عناصر نے اس تضاد اور دوعملی کو اسلام اور اسلامی نظام کو بدنام کرنے کا مؤثر ذریعہ بنالیا ہے۔ اور وہ قدم قدم پر ''اسلامی نظام'' کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا حادثہ ہے جس کے برے نتائج کا فی الوقت اندازہ کرنا بھی ممکن نہیں۔

پاکستان کا ایک اہم ترین مسئلہ انتظامیہ کی اصلاح وتطہیر تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مارشل لاءٔ حکومت خود ہی افسر شاہی کے رحم وکرم پر ہے۔ اس لئے انتظامیہ کی اصلاح کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا، اور نہ ہوسکتا ہے۔ انتظامیہ کے بہت سے اعلیٰ افسران ایسے ہیں جن کی اسلام سے وفاداری معدوم اور پاکستان سے ان کا اخلاص مشکوک ہے۔ انہیں نہ ملک وملت سے ربط ہے، نہ وہ اس کے خیرخواہ ہیں، لیکن تعلیم، صحت، قانون، معیشت اور دیگر اہم شعبوں میں وہ داد حکمرانی دے رہے ہیں۔

جہاں تک اسلامی وتہذیبی قدروں کا تعلق ہے ان کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، ''عیاں راچہ بیان۔'' بھٹو دور میں قوم کا رخ جس عریانیت وفحاشی اور

بے خدا تہذیب کی طرف موڑ دیا گیا تھا، قوم اب تک اسی سمت چل رہی ہے۔ ریڈیو کے گانوں، ٹیلیویژن کی فلموں اخبارات و رسائل کے فلمی ایڈیشنوں نے قوم کو جنسیت اور فحاشی کی ایسی تربیت دی ہے کہ اب یہ ساری چیزیں ''لازمہ شرافت'' بن کر رہ گئی ہیں۔

یہ ہے ان حالات کا مختصر سا جائزہ جو مارشل لاء دور میں رونما ہوئے ہیں اور جن کی اصلاح کی بظاہر کوئی امید نظر نہیں آتی۔ ہمارے ملک کی ایک خاص روایت یہ ہے کہ یہ قوم ہر آنے والی حکومت کے وعدوں پر اعتماد کر کے اسے خوش آمدید کہتی ہے۔ لیکن جب یہ وعدے شرمندۂ وفا نہیں ہوتے تو قوم پوری شدت کے ساتھ حکومت کے خلاف اظہار نفرت کرتی ہے اور اسے مسند اقتدار کسی دوسرے کے حوالے کر کے رخت سفر باندھنا ہوتا ہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق نہایت شریف النفس نیک دل حکمران ہیں، ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ بھی اسی سانحہ سے دوچار نہ ہو جائیں، اس لئے ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اگر حالات کی اصلاح ان کے بس سے باہر ہے تو قوم و ملک کا خدا حافظ ہے۔ وہ عام انتخابات کرا کر زمام حکومت منتخب نمائندوں کے حوالے کر دیں۔ آنے والی حکومت اس بگاڑ کی اصلاح کر سکے گی یا نہیں؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ مگر جنرل ضیاء اور ان کے حوالے سے اسلام اور اسلامی نظام کی مزید بدنامی نہیں ہونی چاہئے۔

ایک اور گزارش:

اخباری اطلاعات کے مطابق جولائی کے پہلے عشرہ میں کوئٹہ میں خواتین کی ہاکی چیمپین شپ شروع ہو رہی ہے۔ ہم اس موضوع پر کئی بار اظہار خیال کر چکے ہیں،

ہمارے نزدیک صنف نازک کو اس میدان میں لانا اسلامی غیرت اور انسانی تہذیب و شرافت کے منہ پر طمانچہ ہے۔ اگر ارباب اقتدار کے نزدیک یہ ایک ایسا فرض عین ہے جس کے ترک کرنے پر گنہگاری کا اندیشہ ہے تو برائے خدا کم از کم اسے مردوں کی نظر بد سے محفوظ رکھا جائے۔

(صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۶/جولائی ۱۹۷۹ء)

صدر صاحب کا سفر حرمین شریفین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخباری اطلاعات کے مطابق جنرل محمد ضیاء الحق صدر و چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پاکستان ۲۱ راگست کو حرمین شریفین تشریف لے جائیں گے۔ واضح رہے کہ ۲۱ راگست کو ستائیسویں رمضان المبارک ہوگی اور صدر محترم لیلۃ القدر کی اس مقدس و متبرک شب کے روح پرور لمحات دیار حرم میں، عبادت میں گزاریں گے اور پاکستان کی سلامتی اور خوش حالی اور ترقی کے لئے دعا کریں گے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ تیسرا سال ہے جس میں صدر محترم اس ماہ مبارک کی اس عظیم رات میں حرم کے افضل و اعلیٰ مقام پر سر بسجود ہوکر اللہ تعالیٰ کے دربار میں بندگی اور عجز کا اظہار کرتے ہوئے ملک و ملت کی خوش حالی اور عالم اسلام کی ترقی کے لئے حق تعالیٰ سے امداد طلب کریں گے، اسلام میں دراصل شخصی حکومت کا کوئی تصور نہیں اس میں تو اصل اقتدار اور حاکمیت اعلیٰ خدا تعالیٰ کی ہے اور بندہ اور انسان صرف اس دنیا میں اس کے احکام کے نفاذ کے لئے اس کا خلیفہ اور نائب ہے، اگر انسان اور بندہ اپنے افعال و اعمال میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی ہدایات کو مدنظر رکھتا ہے اور مصیبت اور تکلیف کے وقت خدا تعالیٰ سے امداد طلب کرتا ہے، تو ایسا حاکم اور انسان صحیح اور راہ راست پر ہے، اور اگر اسلامی حکومت کا کوئی فرد یا حاکم اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال کر اپنی من

مانی خواہشات کا احترام کرتا ہے تو ایسا شخص ہرگز ہرگز اسلامی حکومت کا نہ تو فرد یا حاکم ہوسکتا ہے اور نہ ایسی حکومت کو اسلامی حکومت کہا جاسکتا ہے، صدر محترم غالباً اسی مقصد کے پیش نظر ہر سال ماہ مبارک کی اس مبارک رات میں حرم شریف کے مبارک مقام پر خدا تعالیٰ سے امداد و اعانت طلب کرتے ہیں تاکہ وہ پورے سال ان دعاؤں کے اور خدا کی امداد کے سہارے ملک و ملت کی ترقی کے لئے کوشش اور کام کرسکیں، بے شک یہ ایک بہت مستحسن اور بے حد اچھا اقدام ہے، مگر یہ اسی وقت فائدہ مند اور لائق تحسین ہے جب اس کے فوائد اجتماعی ہوں اور ہم اپنے ہر عمل اور ہر فعل کے لئے خدا تعالیٰ سے رجوع کرتے ہوں، اور ایک ایک لمحہ خدائی احکام اور رسول اللہ ﷺ کی طرز پر چلتے ہوں، اگر یہ بات نہیں تو صرف لیلۃ القدر کو حرم شریف میں گزار لینا اور وہاں تمام رات انفرادی عبادت کرلینا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص یا فرد کو کسی قوم پر حاکم بناتا ہے تو اس کے فرائض میں یہ بات شامل نہیں کہ لیلۃ القدر یا مکمل رمضان المبارک کو حرم شریف میں گزارے، قرآن مجید کے احکامات تو اس سلسلہ میں بالکل واضح ہیں اور اس میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو حکومت عطا کرتے ہیں تو اس کا فرض یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے نماز قائم کرائے، زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرے، اچھے کام کا حکم دے اور برے کاموں سے لوگوں کو روکے، اگر کوئی حاکم ان امور کی انجام دہی میں کوتاہی نہیں کرتا اور ان فرائض کی انجام آوری میں پورا اترتا ہے اور پھر اس کے پاس فاضل وقت ہے اور وہ اس فاضل وقت میں عبادات میں مصروف رہتا ہے، تو ایسے حاکم کو کامیاب اور اچھا حاکم کہا جاسکتا ہے، اور اگر حاکم وقت اپنے تمام اوقات کو عبادات میں گزارتا ہے مگر ان فرائض کی انجام آوری میں پورا نہیں اترتا جو قرآن پاک اور حق تعالیٰ کی طرف

سے اس کو بسبب حاکم سپرد کئے گئے ہوں تو ایسے حاکم کو کامیاب اور اچھا حاکم نہیں کہا جاسکتا، خود نبی کریم ﷺ کی زندگی پر نظر ڈالئے، ہجرت کے بعد آپ نے صرف ایک حج کیا اور ایک یا دو عمرے، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی زندگی پر نظر ڈالئے تو وہاں پر ''اقام الصلوۃ، ایتاء الزکوٰۃ'' اور ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' کا پہلو غالب نظر آئے گا، اس کی وجہ کیا تھی؟ یہی کہ اصل حاکیت خدا تعالیٰ کی ہے اور انسان کا کام اللہ کے احکام کو بحیثیت خلیفۃ اللہ دنیا میں نافذ کرنا ہے، اب اگر وہ اپنی زندگی کو خدا کے احکام کے مطابق گزارتا ہے، فرائض اور واجبات پورے کرتا ہے تو اگرچہ نوافل اور مستحبات میں اس سے کمی ہوتی ہے اور حقوق العباد میں کوتاہی نہیں کرتا تو ایسا شخص کامیاب ہوتا ہے، اور اگر کوئی شخص یا حاکم فرائض اور واجبات میں تو کوتاہی کرتا ہے مگر نوافل اور مستحبات میں اپنے آپ کو مشغول کردیتا ہے تو ایسے شخص کو کامیاب نہیں کہا جاسکتا۔ ہم صدر محترم کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کریں گے کہ لیلۃ القدر کی عبادت بے شک حرم شریف میں واقعی ایک نہایت اچھا اور قابل تقلید عمل ہے، مگر حاکم کی اصل ذمہ داری خدا پاک کے الفاظ میں یوں ہے:

''اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَآتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔'' (الحج:۴۱)

ترجمہ:...... ''جب ہم کسی کو زمین پر سلطنت اور حکومت دیتے ہیں تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ نماز قائم کرے، اور زکوٰۃ

کی ادائیگی کا اہتمام کرے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کی توفیق عطا کرے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۷راگست ۱۹۷۹ء)

زکوٰۃ کمیٹیوں کے لئے انتخاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملک میں یکم جولائی سے نظام زکوٰۃ وعشر نافذ ہونے والا تھا مگر چند نامعلوم وجوہات کی بنا پر اِس میں تاخیر ہوگئی اور یہ مسئلہ غالباً متفقہ طور پر طے کرنے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیج دیا گیا اور آج کل غالباً اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں اس پر غور ہو رہا ہے، جس میں اس کو طے کیا جائے گا، خدا کرے کہ کونسل اس مسئلہ کا کوئی متفقہ حل تلاش کر لے، بہرحال زکوٰۃ کی وصولیابی کے سلسلے کی ابتدائی کاروائیاں شروع ہو چکی ہیں اور مرکزی، صوبائی اور ضلعی سطح پر زکوٰۃ وصول کرنے والی کمیٹیوں کا چناؤ ہو چکا ہے، اور آج کل علاقائی کمیٹیوں کا چناؤ ہو رہا ہے، ہم پہلے بھی اس سلسلے میں کافی لکھ چکے ہیں اور اب پھر اس طرف توجہ دلانے کے لئے عرض کرتے ہیں کہ کسی بھی نظام کی کامیابی کا مدار متعلقہ افسران اور عمال پر ہوتا ہے اگر یہ لوگ اچھے، دیانت دار، امین اور مخلص ہوں گے تو نظام بھی کامیاب ہوگا اور اگر یہ خودغرض اور بے ایمان ہوں گے، تو نظام اگرچہ اپنے اندر کتنی ہی خوبیاں ـــــ کیوں نہ رکھتا ہو ان افراد کی نااہلی کی بناء پر نظام بے کار اور معطل ہو کر رہ جائے گا، اسی طرح زکوٰۃ وعشر کا نظام ملکی معیشت کی بحالی اور غریبوں کی مشکلات کے ازالہ کا واقعی ایک ایسا حل ہے جو کہ کسی دوسرے نظام میں ممکن نہیں، مگر یہ نظام اسی وقت کامیابی کا زینہ بن سکتا ہے اور معاشی

خوشحالی کا سبب، جب اس کا نفاذ کرنے والے افراد دیانت دار اور مخلص ہوں، اگر یہ افراد مخلص نہ ہوئے تو محکمہ اوقاف کی طرح یہ محکمہ بھی رشوت ستانی اور بے ایمانی کا اڈہ بن کر ملک اور ملت کی مزید بدنامی کا سبب بن جائے گا، اس لئے حکومت اور عوام دونوں کو اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ زکوٰۃ کمیٹیوں میں ایسے افراد منتخب کئے جائیں جو امین ہوں، بے غرض ہوں اور مخلص ہوں، ورنہ یہ نظام زکوٰۃ بھی اسلامی تعزیرات کی طرح ناکام ہوجائے گا اور لوگ اسلامی نظام سے مزید متنفر ہوجائیں گے۔

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۷ اگست ۱۹۷۹ء)

پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنایئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۱؍ستمبر بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح کا یوم وفات ہے، اس تاریخ کو حسب معمول قائد اعظم کی برسی منائی گئی۔ سرکاری طور پر تعطیل کی گئی، قرآن خوانی ہوئی، جلسوں میں قائد اعظم کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اور اخباری بیانات میں ہمارے رہنماؤں کی طرف سے قائد اعظم کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے پرعزم اعلانات ہوئے۔

اپنے قائدین کی برسی منانا دور جدید میں قریباً ساری قوموں کا معمول ہے۔ مگر اسلامی نقطۂ نظر سے یہ محض ایک رسمی چیز ہے جس کا تعلق محض ظاہری نمود و نمائش سے ہے، جہاں تک فکر و نظر اور دل و دماغ کا تعلق ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان رسمی تقریبات سے ان میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

قائد اعظم کا کارنامہ دنیا کے نقشہ پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ـــــ پاکستان ـــــ قائم کرنا تھا۔ جس میں وہ سرخ رو ہوئے۔ لیکن پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست میں تبدیل کرنے کی ذمہ داری قائد کے جانشینوں پر عائد ہوتی تھی۔ اگر ان کے جانشین اپنے قائد کے مشن کو فراموش نہ کرتے اگر ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ'' محض تکیہ کلام کے بجائے ان کے دل کی دھڑکن بن جاتا، اگر ان کی ذہنی پرواز کرسی و اقتدار کے حصول اور جاہ و جلال کے مظاہروں سے بالاتر

ہوتی۔ اگر پاکستان کا استحکام اور اس میں خدا تعالیٰ کے احکام و فرامین کا نفاذ ان کا مقصد زندگی بن جاتا، تو آج پاکستان واقعی وہ پاکستان ہوتا جس کا خواب قائد اعظم نے دیکھا تھا۔ اور جس کے لئے ملت اسلامیہ نے ناقابل فراموش قربانیاں دی تھیں۔

آج بھی ''اسلامی نظام، اسلامی نظام'' کے نعرے ہر چہار سو بلند ہو رہے ہیں لیکن افسوس کہ اسلامی نظام نام کی کوئی چیز پاکستان کی عملی زندگی میں کہیں نظر نہیں آتی۔

یہاں عدالتیں ہیں مگر ان میں فیصلے ابھی تک غیر اسلامی قانون کے مطابق ہو رہے ہیں، یہاں دفاتر ہیں، مگر ان کی سج دھج اور ٹھاٹ باٹ دنیا کی دوسری قوموں سے کسی طرح مختلف نہیں، یہاں بازار اور منڈیاں ہیں مگر ان میں کاروبار خدا و رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہو رہا ہے، یہاں کارخانے ہیں، ملیں ہیں، فیکٹریاں ہیں اور بینک ہیں مگر ان کا سارا نظام سود پر چل رہا ہے، یہاں مسلمان ہیں لیکن اسلامی معاشرہ، اسلامی شکل و وضع اور اسلامی طرز تمدن مفقود ہے۔ الغرض پاکستان میں سب کچھ ہے مگر اسلام کی بالادستی نہیں ہے، وہی اسلام جس کے نام پر پاکستان وجود میں آیا تھا، کیا اس غفلت و کوتاہی پر ہم یہ عذر کر سکتے ہیں کہ ہمیں اسلام کو اپنانے کی فرصت نہیں ملی؟ نہیں! بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم قائد کے نقش قدم کو بھول بیٹھے ہیں۔ اور قیام پاکستان کے وقت ہم نے خدا اور رسول ﷺ سے جو عہد کیا تھا وہ طاق نسیان کی زینت بن چکا ہے۔ جب تک نئے سرے سے اس عزم کی تجدید نہیں کی جاتی اور جتنی غفلت و کوتاہی اب تک ہو چکی ہے جب تک خدا کے حضور میں اس سے توبہ کر کے اس کی اصلاح و تلافی کے لئے انقلابی قدم نہیں اٹھایا جاتا تب تک پاکستان اپنے مقصد وجود سے ہمکنار نہیں ہوگا۔ محض چند خوشنما نعرے، اعلانات اور بیانات پاکستان کی تقدیر نہیں بدل سکتے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۴ر ستمبر ۱۹۷۹ء)

اسلامی اصولوں کے مطابق نظم مملکت چلانا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۳ستمبر کو لاہور میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے صدر مملکت جنرل محمد ضیاءالحق نے فرمایا کہ:

''وہ انتخابات کرانے کے پابند ہیں لیکن یہ انتخابات برائے انتخابات نہیں ہوں گے بلکہ اس امر کو یقینی بنانے کے لئے ہوں گے کہ اقتدار ان لوگوں کو منتقل ہو جو ملک کے معاملات اسلامی اصولوں کے مطابق چلاسکیں، اسلامی نظریہ کو سربلند رکھیں، اور ملک کی سلامتی و یکجہتی برقرار رکھنے کے ضامن ہوں۔''

جناب صدر کا یہ ارشاد بظاہر بڑا خوش آئند و خوشنما ہے جو ان کی حب الوطنی اور اسلام دوستی کا آئینہ دار ہے۔ لیکن ہم بصد ادب یہ عرض کریں گے کہ جن ظروف و احوال میں یہ بات کہی گئی ہے وہ کئی وجوہ سے ایک معمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اول: اس لئے کہ عام انتخابات کی تاریخ کا اعلان کیا جاچکا ہے جس میں دو ماہ سے بھی کم مدت باقی رہ گئی ہے۔ الیکشن کمیشن بڑی سرگرمی و مستعدی کے ساتھ انتخابات کے ضروری انتظامات میں مصروف ہے۔ حکومت کی جانب سے بار بار یقین دہانی کرائی جارہی ہے کہ خواہ کچھ بھی ہوجائے انتخابات مقررہ تاریخ پر ہوکر رہیں گے، اب اگر انتخابات، اعلان کے مطابق مقررہ تاریخ کو ہوئے تو سوال یہ ہے کہ کیا

موجودہ سیاسی مدو جزر میں اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ صرف ایسے لوگ منتخب ہوکر آئیں جو اسلامی اصولوں کے مطابق نظم مملکت چلانے کی صلاحیت رکھتے ہوں؟ بظاہر اس کی پیشگوئی مشکل ہی سے کی جائے گی، لیکن اگر ایسے افراد منتخب نہ ہوئے تو کیا صدر کے لئے انتخابی نتائج کو تسلیم نہ کرنا ممکن ہوگا؟

دوم: دو سال کے طویل عرصہ میں حکومت کی طرف سے معاشرہ کی اصلاح و تطہیر کے سلسلے میں کوئی ٹھوس اور بنیادی کام نہیں ہوسکا۔ معاشرہ کی ذہنی و اخلاقی سطح آج بھی وہی ہے جو مسٹر بھٹو کے دور اقتدار کے آخری دن تھی۔ بلکہ شاید اس میں مزید انحطاط ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو افراد منتخب ہوکر آئیں گے وہ اسی معاشرے کی نمائندگی کریں گے، جب دو سال میں معاشرہ کی اصلاح و تطہیر نہیں ہوسکی، اور جن لوگوں کو نظم مملکت سنبھالنا ہے ان کی بھی اصلاح و تربیت کا کام نہیں ہوسکا تو دو مہینے سے کم مدت میں یکایک ایسے لوگ کہاں سے ابھر آئیں گے جو اسلام اور وطن سے وفاداری کے نشہ سے سرشار ہوں اور وہ اسلامی اصولوں کے مطابق ملک چلانے کی صلاحیت رکھتے ہوں؟

سوم: الیکشن کمیشن نے انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں کے لئے اسلام اور وطن سے وفاداری کی شرط ضروری رکھی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ محض وفاداری کا فارم پر کردینا تو کافی نہیں، اس وفاداری کو جانچنے پرکھنے کا کوئی معیار بھی تو ہونا چاہئے۔ مثلاً جن لوگوں کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق اسلام کے شعائر اور اس کے بنیادی ارکان (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) تک سے خالی ہو، جن کے ذرائع معاش اسلام کے مقرر کردہ حلال و حرام کے نظام سے ناآشنا ہوں، جو عدل و انصاف کے بنیادی اصولوں سے بے خبر ہوں، جو اسلامی اخلاق و معاشرت اور تہذیب و تربیت سے یکسر

بے بہرہ ہوں، کیا ان سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ برسر اقتدار آتے ہی یکا یک اسلامی اصولوں کے مطابق ملک چلانے لگیں گے؟ ایک ایسی فضا میں جس میں نہ تو انتخابات میں حصہ لینے والوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی نظم ہو، نہ اچھے اور برے لوگ الگ الگ کرنے کے لئے کوئی انتخابی چھلنی تجویز کی گئی ہو۔ صدر مملکت کا یہ کہنا کہ: ''اسلامی اصولوں کے مطابق ملک چلانے والوں کو اقتدار منتقل کیا جائے گا'' ایک ایسا معمہ ہے جو کم از کم ہمارے لئے لاینحل ہے۔

چہارم: اس میں شک نہیں کہ عوامی رائے سے منتخب ہوکر آنے والے لوگ اگر برسر اقتدار آئیں تو عوام کی خواہشات کے مطابق ملک کی بنیادی پالیسیاں وضع کرتے ہیں، اور اگر وہ نیک شعار، نیک دل اور خداترس ہوں تو ملک میں اچھی اصلاحات بھی لاسکتے ہیں، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نظم مملکت کے دروبست کا اصل انحصار سرکاری افسروں اور ملازموں پر ہے، جب تک ان کی اصلاح نہ ہو جنرل محمد ضیاءالحق ایسا نیک دل حکمران بھی اسلام اور اسلامی اصولوں کو عملی طور پر نافذ کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ ہمارے ملک میں یہ جو خاص روایت چلی آتی ہے کہ جو حکمران بھی آتا ہے وہ بالآخر ناکام بلکہ بدنام ہوکر واپس جاتا ہے، اس تہہ میں بھی یہی فلسفہ کارفرما ہے کہ ہماری انتظامیہ کے کل پرزے اسلام کے نقطۂ نظر سے زنگ خوردہ ہیں، اور اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے ان کی اصلاح و تطہیر اور تعلیم و تربیت کا کسی دور میں بھی اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ صدر محمد ضیاءالحق نے بھی اسلامی نظام کے نفاذ کا بیڑا اٹھایا مگر اس بنیادی چیز پر توجہ نہیں فرمائی کہ تمام محکموں میں سیکریٹری کی سطح سے لے کر چپراسی تک بے شمار غیر مسلم اور لادین بھرتی ہیں۔ ان بے دینوں کے راستہ سے گزر کر اسلامی نظام نافذ ہوگا تو کیسے ہوگا؟ اب اگر بفرض محال

انتخابات میں ایسے لوگ برسراقتدار آجاتے ہیں جو اسلام کے علم بردار ہوں تب بھی اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ انتظامیہ کے مغرور لادین اور غیر مسلم عناصر کے ہاتھوں پٹ کر ناکام واپس لوٹنے پر مجبور نہیں ہوں گے؟ ہمارے ملک میں انتظامیہ کی چھانٹی بھی ایک معمول سا بن گیا ہے۔ ہر آنے والا حکمران اپنے ڈھب کے افسروں کو آگے لاتا ہے، اور جو لوگ اس نقطۂ نظر سے مفید مطلب نہ ہوں انھیں گھر بٹھا دیتا ہے لیکن خالص اسلامی نقطۂ نظر سے افسروں کی چھانٹی، ان کی تبدیلی کی کبھی بھی کوشش نہیں کی گئی۔ مملکت کے ہر شعبے میں اختلال و فساد اور انارکی کی جو فضا دن بدن بڑھ رہی ہے اگر باریک بینی سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو نظر آئے گا کہ ہمارے ہاں سرکاری ملازمت کے لئے صلاحیت و عدم صلاحیت کے وہی پیمانے اب تک رائج ہیں جو کبھی برٹش انڈیا میں رائج تھے۔ کسی عہدہ و منصب کے لئے بھاری بھرکم ڈگریوں کو تو سامنے رکھا جاتا ہے مگر یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کی جاتی کہ امیدوار اسلام کا وفادار ہے یا اسلام کا دشمن؟ اور اسلام کی روایات کا امین ہوگا یا اپنے عہدہ کے اثر و رسوخ کو اسلام کی جڑیں کاٹنے میں استعمال کرے گا؟ اس کا وجود ملت کی فلاح و بہبود اور ملک کی ترقی و استحکام کے لئے کام آئے گا؟ یا اس کی خدمات ملک وملت میں انتشار و خلفشار پیدا کرنے کے لئے وقف ہوں گی، یہ اپنے گرد وپیش اچھے لوگوں کو جمع کرے گا یا دوسری قسم کے لوگوں کو؟ جب نظم مملکت چلانے کے لئے اچھے برے، دیندار اور بے دین اور مسلم و کافر کی تمیز ہی نہ کی جائے بلکہ صرف ڈگریوں کو معیار فضیلت و ترجیح قرار دے لیا جائے تو ملک کی جو حالت ہونی چاہئے وہ سب کے سامنے ہے، اور اس فضا میں اسلام کے ہزار نعرے لگائے جائیں، صورت حال میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۸ر ستمبر ۱۹۷۹ء)

خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر کیجئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر مملکت جنرل محمد ضیاءُ الحق نے عازمین حج کے آخری جہاز کو الوداع کہتے ہوئے حجاج سے کہا ہے کہ وہ خانۂ کعبہ، روضۂ رسول ﷺ اور دیگر مقامات مقدسہ میں ملک کی خوشحالی، سلامتی، استحکام اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ بنانے کی خلوص کے ساتھ دعائیں مانگیں، کیونکہ ان مقاماتِ پر دعائیں قبول ہوتی ہیں اس لئے اس موقع کا بہتر انداز میں فائدہ اٹھایا جائے۔

جناب صدر نے عازمین حج کو جس چیز کی طرف توجہ دلائی ہے وہ بہت ہی اہمیت کی حامل ہے، آج کے مادی دور میں خدا تعالیٰ سے مانگنے کی ضرورت کو یکسر فراموش کردیا گیا ہے، اور اچھے اچھے متدین لوگ بھی حق تعالیٰ سے مدد مانگنے پر اتنا اعتماد نہیں کرتے جتنا کہ اپنی ظاہری اور ناقص تدابیر پر کرتے ہیں، جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں حق تعالیٰ شانہ کے ارادہ کی کارفرمائی ہے، کسی قوم کی کامیابی و کامرانی یا اس کی ذلت و ناکامی ارادۂ خداوندی و مشیت الٰہی کے تابع ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ
فَمَنْ ذَالَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِنْ بَعْدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ

الْمُؤْمِنُوْنَ." (آل عمران:۱۶۰)

ترجمہ:......"اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرسکے؟ اور اہل ایمان کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔"

پاکستان جن داخلی و خارجی حالات سے دوچار ہے ان کا تقاضہ ہے کہ (صحیح تدابیر کے ساتھ ساتھ) حجاج کرام، اہل قلوب اور عام مسلمان بھی نہایت خلوص اور تضرع کے ساتھ دعاؤں کی طرف پوری طرح متوجہ ہوں، ہم لوگ مجلسوں میں، ہوٹلوں میں دفتروں میں حالات حاضرہ پر لایعنی اور بے مقصد تبصرے کرنے کے خوگر ہوگئے ہیں، حالانکہ ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے یہ تبصرے حالات کی اصلاح کے لئے ایک ذرہ برابر بھی کارآمد نہیں اور ہمیں اس کا قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ ہمارا وقت ـــــ جس کا ایک ایک لمحہ دنیا کی سب سے قیمتی متاع ہے ـــــ بے مصرف ضائع ہورہا ہے، ان تبصروں کے بجائے اگر ہمارے وقت کا کچھ حصہ بھی دعا اور انابت الی اللہ میں خرچ ہونے لگے تو حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوسکتی ہے، اور حق تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے خیر کے اسباب اور صحیح تدابیر کی طرف ہماری راہنمائی ہوسکتی ہے، کتنی عجیب بات ہے کہ جو بات اپنے اختیار سے باہر ہے اس پر تو سارا وقت ضائع ہورہا ہے اور جس کے اختیار میں سب کچھ ہے اس سے التجا کرنے کی توجہ تو کیا ہوتی؟ شاید اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی، اپنے اوقات کا خود جائزہ لیجئے کہ ہم کتنا وقت بے فائدہ گپ شپ میں ضائع کرتے ہیں؟ اور کتنا صحیح تدابیر اختیار کرنے یا حق تعالیٰ شانہ سے دعائیں اور التجائیں کرنے میں لگاتے ہیں۔

جیسا کہ جناب صدر نے فرمایا، بلاشبہ مقامات مقدسہ میں دعائیں قبول ہوتی ہیں خصوصاً ملتزم پر اور روضۂ اطہر پر جو دعا کی جائے وہ کبھی رد نہیں ہوتی، جس کا لاکھوں کروڑوں انسانوں نے تجربہ کیا ہے، تاہم اخلاص اور توجہ سے دعا کی جائے تو ہر جگہ قبول ہوتی ہے، شرط یہ ہے کہ ہم نے خود کوئی ایسی رکاوٹ کھڑی نہ کرلی ہو جو دعا کو بے اثر کردے، ورنہ عام حجاج کیا، مقبولان بارگاہ الٰہی کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی، امام عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب ''الزہد والرقائق'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''عن انس بن مالک رضی الله عنه اراه مرفوعا. قال یأتی علی الناس زمان یدعو المؤمن للجماعة فلا یستجاب له. یقول الله: ادعنی لنفسک ولما یحزبک من خاصة امرک فأجیبک واما الجماعة فلا. انهم اغضبونی و فی روایة فانی علیهم غضبان.'' (کتاب الرقائق ص:۱۵۵،۳۸۴)

ترجمہ:...... ''ایک وقت آئے گا کہ مومن عام لوگوں کی فلاح و بہبود کی دعا کرے گا، مگر قبول نہ ہوگی، حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ اپنی ذات کے لئے جو چاہے مانگ! میں دوں گا، مگر عام لوگوں کے لئے نہیں، کیونکہ انہوں نے مجھے ناراض کرلیا ہے۔''

اس ارشاد سے واضح ہے کہ جب عوام کی بدعملیوں کی وجہ سے ان پر خدا تعالیٰ کی ناراضی کا کوڑا برسنے لگے، تو مقبولان بارگاہ کی دعاؑ وسفارش بھی کام نہیں دیتی جب تک بحیثیت مجموعی، خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر نہ کی جائے، ہماری بدقسمتی ہے

کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک ہمارا طرزِ عمل خدا تعالیٰ کی ناراضی کا موجب رہا ہے اور کسی حکمران کو توفیق نہ ہوئی کہ قوم کو خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے راستے پر ڈال دیتا، وہ یا تو خود بددین تھے یا اگر بظاہر دیندار تھے تو اس دقیق نکتہ سے غافل تھے کہ اجتماعی سزا کا حل انفرادی دعاؤں سے نہیں ہوتا۔

پاکستان کی تاریخ میں یہ امر بھی نہایت دلچسپ ہے کہ یہاں اکثر انقلابات موسم حج میں آتے ہیں، جنرل ایوب گئے اور یحییٰ خان آئے تو اس کی خبر حجاج نے مکہ مکرمہ میں سنی، یحییٰ خان کے ''منصفانہ انتخابات'' میں حجاج کرام بھٹو صاحب کو پیشگی ووٹ ڈال کر گئے تھے، اور آج بھی موسم حج قریب آرہا ہے اور جناب صدر حجاج سے دعاؤں کی درخواست کر رہے ہیں، خدا خیر کرے ہم سے ہماری بدعملیوں کے مطابق معاملہ نہ کیا جائے، بلکہ حجاج کرام کی دعاؤں کے طفیل ملک کے حالات روبہ اصلاح ہوجائیں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۹/اکتوبر ۱۹۷۹ء)

صدر محمد ضیاءالحق کے

نفاذ اسلام کی ترجیحات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر جنرل محمد ضیاءالحق نے ۱۶/اکتوبر کے نشریہ میں اور اگلے دن صحافیوں سے گفتگو کے دوران جن ترجیحی نکات کو اپنا اور اپنے رفقاء کا اولین ہدف قرار دیا ہے وہ یہ ہیں:

۱:...... اسلامی نظام کے نفاذ کو تیز کرنا۔

۲:...... قومی معیشت کی بحالی و استحکام۔

۳:...... اشیائے صرف کی قیمتوں کو مناسب سطح پر رکھنا۔

۴:...... معاشرتی جرائم کا انسداد۔

ان ترجیحات کی اہمیت و ضرورت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا، واقعہ یہ ہے کہ اگر ان امور میں جناب صدر اور ان کے لائق احترام رفقاء کو کماحقہ کامیابی ہوجائے، تو جیسا کہ صدر نے کہا، معاشرہ سکھ اور چین کا سانس لے گا، ملک میں امن و امان اور ترقی و استحکام کی راہیں کشادہ ہوں گی، اور قوم ان کی ممنون احسان ہوگی، اور یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ تمام تر قوت و اقتدار کے باوجود انہیں اس میں (خدانخواستہ) خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو مستقبل میں اس کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا۔

اب جب کہ فضا سیاسی شور و شغب اور ہاؤ ہو سے پاک ہے ان کی پوری توجہ ان مسائل و مشکلات کے حل کی طرف ہونی چاہئے، جنہوں نے معاشرہ کی زندگی

اجیرن کر رکھی ہے اور ملت کے وہ تمام بہی خواہ جو ملک میں امن وسکون اور ملک کی ترقی واستحکام کے خواہاں ہیں، ان پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ صدر اور ان کے رفقاً کے اچھے کاموں میں ان سے ہر ممکن تعاون کریں اور انہیں خیر خواہی و دردمندی کے ساتھ مخلصانہ مشورے دیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”دین اخلاص و خیر خواہی کا نام ہے۔“ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کس سے اخلاص؟ اور کس کی خیر خواہی؟ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سے، اس کی کتاب سے، اس کے رسول (ﷺ) سے، مسلمانوں کے مقتداؤں (ارباب اختیار وغیرہم) سے، اور عام مسلمانوں سے۔“

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی اخلاص و خیر خواہی کے جذبہ سے جناب صدر اور ان کے رفقاً کی خدمت میں چند گذارشات پیش کی جائیں:

نفاذ اسلام:

جناب صدر نے اپنا اولین مشن نفاذ اسلام تجویز کیا ہے، ہمیں معلوم ہے کہ یہی مشن پہلے دن سے ان کے دل کی دھڑکن بنا ہوا ہے، اگرچہ کچھ نامساعد حالات کی بنأ پر ابھی کسی خاص کامیابی کے آثار نظر نہیں آئے، جس کا انہوں نے صاف گوئیؒ سے کام لیتے ہوئے خود بھی اعتراف فرمایا ہے، اس سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ اب تک جو اقدامات کئے جاچکے ہیں، ان کا جائزہ لیا جائے، اس راہ میں جو مشکلات اور رکاوٹیں حائل ہیں، تدبر و فراست اور تندہی کے ساتھ ان پر قابو پانے کی کوشش کی جائے اور جو سقم رہ گئے ہیں ان کی اصلاح کی جائے، اور جس قدر پیش رفت ہوچکی ہے اس میں استحکام پیدا کیا جائے۔

نفاذ اسلام کے سلسلہ میں اب تک جو اقدامات کئے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱:......اعلانِ جنوری کے مطابق عدالتوں کو اسلامی قانون کے مطابق فیصلے کرنے کا اختیار۔

۲:......اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام۔

۳:......شریعت بنچوں کی تشکیل۔

۴:......اسلامی حدود وتعزیرات کا نفاذ۔

۵:......نظام عشر وزکوٰۃ کا اجرأ۔

۶:......اسلامی قانون کی اعلیٰ تعلیم کے لئے شریعت فیکلٹی کا افتتاح۔

اب ہم نکتہ وار اپنی گزارشات پیش کرتے ہیں:

۱:...... اسلامی قانون کے مطابق عدالتوں کو فیصلے کرنے کا اختیار دینے کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت (مارشل لاء ضوابط کے علاوہ) ملک میں دو قانون ہیں، ایک رائج الوقت قانون، جو فیصلہ کرنے والی عدالت کے سامنے مشخص طور پر موجود ہے، اور جس کے مطابق ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے کا، ارکان عدلیہ نے حلف اٹھا رکھا ہے، جس کو انہوں نے عمر بھر کی محنت سے پڑھا ہے، اس میں مہارت پیدا کی ہے، اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا وسیع تجربہ انہیں حاصل ہے، اور دوسرا شرعی قانون جس کی کوئی مشخص شکل وصورت تجویز نہیں کی گئی، نہ اس کے کسی متعین مأخذ ہی کی نشاندہی کی گئی ہے، اور نہ اس کے لئے کوئی بنیادی قواعد وضوابط اور راہنما اصول ہی وضع کئے گئے ہیں، ان حالات میں جناب صدر غور فرماسکتے ہیں کہ کتنے فی ہزار جج اسلامی قانون کے مطابق فیصلے دینے کے لئے بے تاب ہوں گے؟ اور اسلامی قانون کے نفاذ کے

امکانات کس حد تک حوصلہ افزا ہوں گے؟ اور یہ صورت حال اس وقت اور بھی پیچیدہ ہوکر رہ جاتی ہے جب اسلامی قانون کا رائج الوقت قانون سے ادغام کردیا جائے، اور ''آدھا تیتر، آدھا بٹیر'' کی شکل سامنے آئے اور اس سے نہ صرف یہ کہ اسلامی قانون کے نفاذ کے امکانات ہی دھندلا جائیں گے، بلکہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ اسلامی قانون کی اصل شکل وصورت بھی مسخ ہوکر رہ جائے گی، اگر جناب صدر یہاں کی اسلامی مملکت کی اسلامی عدالتوں میں اسلامی قانون کو نافذ دیکھنے کے خواہشمند ہیں تو اس کی ایک ہی صورت ہوسکتی ہے (اور جب کبھی اسلامی قانون کے نفاذ کی نوبت آئی یہی صورت عملاً اختیار بھی کرنا پڑے گی) کہ رائج الوقت قوانین کی جگہ ملک کی غالب اکثریت کا فقہی قانون نافذ کردیا جائے، اور چند اصول وضوابط کے ذریعہ دیگر مکاتب فقہ کی جہاں تک رعایت ممکن ہو ان کے ذاتی معاملات میں ان کے مکتب فکر کے مطابق فیصلہ کیا جائے ــــ بلاشبہ اس راستے میں کچھ دشواریاں پیش آئیں گی، جن پر بڑے حلم وتدبر اور فراست ومتانت سے قابو پانا ہوگا، لیکن ان دشواریوں کے اندیشہ سے اسلامی قانون کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کئے جانا، کسی طرح بھی قرین مصلحت نہیں، ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس طرح یہ ملک (اسلام کا سب سے بڑا قلعہ کہلانے کے باوجود) تہائی صدی گزرنے پر بھی اسلامی قانون سے محروم ہے، ہمیشہ کے لئے محروم رہے گا، صدر محترم کی یہ خواہش قیامت تک بر نہیں آئے گی کہ ملک میں اسلامی قانون نافذ ہوگا۔

پاکستان میں اسلامی قانون کی نشوونما کے لئے عدالت کی زبان کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا، جیسا کہ سب کو معلوم ہے جب برٹش انڈیا میں اسلامی قانون کی جگہ انگریزی قانون نے لی تو اسی کے ساتھ عدالت کی زبان بھی انگریزی قرار

پائی، ہندوستانیوں میں ایک ہزار فی صد افراد بھی ایسے نہیں تھے جو اس اجنبی اور جناتی زبان کو سمجھتے، مقدمہ کے فریقین کو اول سے آخر تک کچھ پتہ نہیں ہوتا تھا کہ ان کے مقدمہ پر کیا بحث ہورہی ہے، مگر انگریز صاحب بہادر کی شان کا تقاضا یہ تھا کہ انگریزی قانون اس کی نانی اماں (انگریزی زبان) ہی میں پرورش پائے، یہ ہندوستانیوں کے ساتھ ایک ایسی دھاندلی تھی جس کا نمونہ مہذب یورپ کے سوا کوئی دوسرا پیش نہیں کرسکتا تھا، آزادی کے بعد لازم تھا کہ اس ''جناتی زبان'' سے قوم کو نجات دلائی جاتی، اور اس کی جگہ ہماری مذہبی یا قومی زبان لائی جاتی، لیکن افسوس! کہ بدقسمتی سے وہ آج بھی قوم کے گلے کا ہار ہے، اب اگرچہ اتنی رعایت کردی گئی ہے کہ عدالت میں اردو میں بھی لب کشائی کی ''اجازت'' مرحمت فرما دی گئی ہے، لیکن کون نہیں جانتا کہ مظلوم قومی زبان کے زخموں کو ''اجازت'' کا مرہم مندمل نہیں کرسکتا ــــــ آج جب کہ ملک کو آزاد ہوئے تہائی صدی بیت چکی ہے، کوئی وجہ نہیں کہ پاکستانی عوام کو (جن کی کم از کم اسی فیصد آبادی عدالت کی زبان سمجھنے سے قاصر ہے) انگریزوں کی اسی دھاندلی کا بدستور نشانہ بنائے رکھا جائے۔

مزید یہ کہ اسلامی قانون کے ساتھ اس جناتی زبان کا، جسے عرف عام میں انگلش کہتے ہیں، کوئی جوڑ نہیں، اور نہ کسی اسلامی مملکت کی عدالت کے یہ شایان شان ہے کہ وہ دور غلامی کی اس مکروہ یادگار کو سینے سے چمٹائے رکھے، ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ اگر جناب صدر اسلامی قانون کو یہاں پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں تو خدارا عدالتوں کی زبان تبدیل کریں اور پاکستانی معاشرے کو اس غیر موزوں، تکلیف دہ اور رسوا کن عذاب سے نجات دلائیں، ہمیں احساس ہے کہ اس راہ میں بھی کچھ دشواریاں حائل ہوں گی، لیکن ہم بصد خلوص یہ کہیں گے:

یا مکن با پیلبانان دوستی
یا بناکن خانہ در خود پیل
یا مرد بایار ارزق پیرہن
یا بکش بر خان ماں انگشت نیل

یا تو اسلامی قانون کے نفاذ کا ارادہ ترک کر دیجئے، یا اس کے لئے صحیح اور فطری راستہ اختیار کیجئے، ورنہ اس دو عملی کا نتیجہ وہی ہوگا جس کا تماشہ اب تک دیکھ رہے ہیں، آخر انگریز جب ایک غیر ملکی زبان کو عدالتوں پر مسلط کر کے ٹھاٹ سے اسے چلا سکتا ہے تو ایک اسلامی ملک میں، اسلامی عدالت میں، مسلمان معاشرہ میں یہاں کی قومی زبان کیوں نہیں پنپ سکتی؟ اور اگر اس کا ارادہ اور جرأت ہی نہ کی جائے، تو آپ سے آپ تو لقمہ بھی منہ میں نہیں جاتا۔

اسلامی قانون میں ایک بڑی رکاوٹ ہماری عدالتوں کا پیچیدہ طریق کار ہے جس کی وجہ سے انصاف نہ صرف قیمتاً حاصل کرنا پڑتا ہے، بلکہ اس کے حصول کے لئے بھی عمر نوح اور صبر ایوب درکار ہے، اس کے برعکس اسلام کا طریق عدالت یکسر سادہ اور فوری حصول انصاف کا علمبردار ہے۔

عدالت کے موجودہ طریق کار کو جس کی پیچیدگی کا جناب صدر نے بھی اعتراف فرمایا ہے، بدلنا ہماری اولین ضرورت ہے ــــ اس کا خاکہ آسانی سے تیار کیا جا سکتا ہے، اور عدالتوں پر مقدمات کے بڑھتے ہوئے بار کو ہلکا کرنے کی تدبیریں بھی اختیار کی جا سکتی ہیں، بشرطیکہ اس سمت حوصلہ مندانہ قدم اٹھایا جائے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۹ء)

نفاذِ اسلام کی طرف

خوش آئند پیش رفت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نفاذ اسلام کے سلسلہ میں جناب صدر کا دوسرا اقدام ''اسلامی مشاورتی کونسل'' کی تشکیل ہے، چونکہ یہ ملک خالصتاً اسلام کے نام پر بنا تھا اور مسلمانوں سے عہد کیا گیا تھا کہ اس ملک کو ایک ایسی مثالی ''اسلامی ریاست'' بنایا جائے گا جو اقوام عالم کے لئے ایک نمونہ ثابت ہو، اس لئے مسلمانوں کی اشک شوئی کے لئے قیام پاکستان کے بعد ہی سے اسلام کے نام کی ''نمائش'' ناگزیر سمجھی گئی، چنانچہ سب سے پہلے ''اسلامی تعلیماتی بورڈ'' بنا، پھر ''اسلامی قانون کی کمیٹی'' بنائی گئی پھر ''زکوٰۃ کمیٹی'' وجود میں آئی، پھر ایوب خان صاحب کے زمانے میں ''ادارہ تحقیقات اسلامی'' وجود میں آیا، پھر بھٹو صاحب کے زمانے میں ''اسلامی نظریاتی کونسل'' سامنے آئی، ان تمام کونسلوں، کمیٹیوں، اداروں اور مجلسوں پر قوم کا کروڑوں روپیہ صرف ہوا، مگر چونکہ مقصود صرف نمائش تھی، اس لئے کوئی مثبت نتیجہ سامنے نہ آیا۔ قوم اسلام کے معاملے میں وہیں کھڑی رہی جہاں ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو کھڑی تھی بلکہ کہنا چاہئے کہ اس سے بھی پیچھے۔ تہائی صدی میں ایک پوری نسل تبدیل ہوجاتی ہے مگر افسوس کہ پاکستان کی قسمت تبدیل نہیں ہوسکی۔

۵/جولائی ۱۹۷۷ء کو جناب صدر نے اپنے مؤمنانہ خیالات کا اظہار فرمایا تو

قوم میں فرحت و مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی، اور یقین کیا جانے لگا کہ آئندہ اس سمت ٹھوس قدم اٹھائے جائیں گے چنانچہ ''اسلامی مشاورتی کونسل'' کے قیام کا اعلان ہوا اور اس کے لئے ملک کے بعض صاحب نظر اہل علم کی خدمات حاصل کی گئیں تو اس یقین میں اور اضافہ ہوا لیکن دو سال کے عرصہ میں اس کی کارکردگی بھی حوصلہ افزا ثابت نہیں ہوئی۔

''اسلامی مشاورتی کونسل'' کے بارے میں تین چیزیں ملحوظ رکھنے کی ہیں ایک یہ کہ اس کے لئے نامزد کئے گئے افراد کی صلاحیت کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ ان کا دائرۂ عمل کیا ہے؟ اور تیسرے یہ کہ ان کے مشوروں یا سفارشات کی قانونی حیثیت کیا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ اس کونسل کی حیثیت ایک سرکاری ''دار الافتاء'' کی ہے، اگر اس کونسل میں ایسے حضرات کام کر رہے ہوں جو اپنے علم و فضل، فہم و ذکاوت، دیانت و تقویٰ میں ممتاز ہوں تو قوم کے لئے ان کے ''فتوے'' بھی لائق اعتماد ہوں گے، ورنہ قوم ان کی رائے پر اعتماد نہیں کرے گی بلکہ جس طرح انگریزوں کے زمانے میں غیر محقق علماء سے مسائل دریافت کر کے ان کے مطابق عمل کیا جاتا تھا، یا جس طرح ایوب خاں مرحوم کے زمانے سے لے کر اب تک ان کے عائلی قوانین پر مسلمانوں کا اعتماد بحال نہیں ہوسکا، کچھ یہی حال اسلامی مشاورتی کونسل کے فیصلے اور فتووں کا بھی ہوگا، اس لئے خدا ترس، متقی، معاملہ فہم، محقق اور جرأتمند افراد کا انتخاب لازم ہے۔

ا:......یورپ کے یہودیوں نے ''مرد و زن کی مساوات'' کا تصور اتنی شدت سے پھونکا ہے کہ مشرقی معاشرہ پسپا ہونے پر مجبور ہوگیا ہے، جس کمیٹی، جس کونسل اور جس مجلس میں ایک ''خاتون نمائندہ'' نہ ہو، سمجھا جاتا ہے کہ وہ کونسل نامکمل ہے، حالانکہ خواتین کے باپ، ان کے بھائی، ان کے بیٹے اور ان کے محترم شوہر ان کی نمائندگی

جس طرح کر سکتے ہیں، شاید خواتین خود بھی نہ کرسکیں، اور پھر اسلام تو خود عورتوں کی کفالت و نمائندگی کرتا ہے، جب اسلام نافذ ہو رہا ہو تو عورتوں کے حقوق اس میں آپ سے آپ آئیں گے، اس لئے یقین تھا کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں خواتین کی نمائندگی کے فیشن کا تکلف نہیں برتا جائے گا مگر معلوم ہوا ہے کہ اس کونسل میں بھی ایک عدد خاتون کا تقرر کیا گیا ہے، ایک نامحرم عورت کا اجنبی مردوں میں اس طرح بیٹھنا خود اسلامی تعلیم کے خلاف ہے اور اگر اسلامی کونسل کی تشکیل ہی اسلام کے خلاف کی جائے تو وہ اسلام کی جو خدمت کرے گی اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں، اسی طرح ایسے لکھے پڑھے لوگ جو اسلامی قانون کا مذاق اڑاتے ہوں اور جن کی نجی محفلوں میں جناب صدر کی اسلام پسندی کو، دقیانوسیت کہہ کر خندۂ استہزاً بلند کیا جاتا ہو اور جن کی زندگی کے صفحات پر اسلام اور اسلامیت کی کوئی علامت نظر نہ آئے، ان کا کونسل میں نامزد کیا جانا بھی کونسل کی افادیت کی نفی کرنے کے مترادف ہے، ہم جناب صدر کی خدمت میں مخلصانہ درخواست کریں گے کہ اگر وہ کونسل کو ملت کے لئے قابل اعتماد اور اسلام کے لئے مفید بنانا چاہتے ہیں تو خواہ اس کے ارکان کی تعداد زیادہ نہ ہو، مگر ایسے ثقہ اور امین لوگوں کا انتخاب کریں، جو اسلامی قانون کی نازک ترین ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں، یہاں صرف قانون کی موشگافیاں مطلوب نہیں، بلکہ اخلاص و دیانت سے اسلام کے نفاذ کا سوال درپیش ہے۔

۲:......کونسل کی کارکردگی کو مزید مفید سے مفید تر بنانے کے لئے یہ التزام بھی کیا جانا چاہئے کہ کونسل اہم ترین مسائل میں مشاہیر اہل فتویٰ سے مشورہ کرے، اور ان کے قیمتی مشوروں سے استفادہ کیا جائے، یہاں آنحضرت ﷺ کے ایک ارشاد گرامی کا حوالہ دینا بے جا نہ ہوگا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس میں (شارع کی طرف سے) کسی امر و نہی کا بیان نہ ہو، تو اس کے بارے میں آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: ''فقہاً و عابدین سے اس کے بارے میں مشورہ کیا کرو، شخصی رائے کو اس میں نافذ نہ کریں۔'' (طبرانی)

اس کے علاوہ موجودہ طریق کار محل نظر اور لائق اصلاح ہے کہ ''اسلامی مشاورتی کونسل'' کے تیار کردہ مسودے میں پہلے وزارت قانون اصلاح دیتی ہے، اور پھر اس کی اصلاح در اصلاح کے لئے کابینہ اس پر غور کرتی ہے۔

۳:...... ایک اہم ترین اقدام شریعت بنچوں کا قیام ہے، لیکن اس میں چند چیزیں اصلاح طلب ہیں اور جب تک یہ سقم دور نہ کردیئے جائیں، شریعت بنچوں کا تقرر نفاذ اسلام کے سلسلہ میں کچھ زیادہ مفید اور بار آور نہیں ہوگا، ایک سقم تو یہ ہے کہ شریعت بنچوں کے فاضل ارکان کے لئے کوئی معیار نہیں رکھا گیا جس سے یہ معلوم کیا جاسکے کہ کون اس نازک ذمہ داری کا اہل ہے، کون نہیں؟ دنیا کے معمولی سے معمولی کاموں کے لئے اہلیت وصلاحیت کی شرائط نہ صرف تجویز کی جاتی ہیں بلکہ ان کو شدت سے ملحوظ رکھنا بھی ضروری سمجھا جاتا ہے، حتیٰ کہ ایک دفتر کے چپراسی کے لئے بھی اہلیت کا ایک معیار ہوتا ہے، اس لئے شریعت بنچوں کے لئے جن فاضل ججوں کا کوئی معیار (جو اس منصب سے مناسبت رکھتا ہو) تجویز کرنا لازم ہے، کسی قانون کے بارے میں یہ طے کرنا کہ یہ شرعی ہے یا غیر شرعی؟ ان ماہرین کا کام ہے جنہوں نے شریعت کو پڑھا ہے، سیکھا ہے اور اس پر اپنی صلاحیتیں صرف کی ہیں، اگر ہر بنچ میں دو

علماءؒ وفقہاءؒ بھی بٹھا دیئے جاتے تو اطمینان و اعتماد کی صورت ہوسکتی تھی، ورنہ یہ وہی بات ہوگی جس کی اطلاع آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد میں دی تھی: ''جب کام نااہلوں کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔''

دوسرا ستم یہ ہے کہ شریعت بنچوں کا دائرہ اختیار اتنا محدود کردیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کے روزمرہ کے معاملات اس سے خارج ہوکر رہ گئے ہیں، نکاح و طلاق، وصیت و وقف وغیرہ وغیرہ وہ امور ہیں جن پر دورِ غلامی میں بھی مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہے اور ان قوانین کی جو دفعات اسلام کے خلاف تھیں ان میں مسلمانوں نے کبھی عدالتوں پر انحصار نہیں کیا، پھر جب ایوب خاں مرحوم کے زمانے میں ''مسلمانوں کا عائلی قانون'' نافذ ہوا، تب بھی مسلمانوں کا عملدرآمد اہلِ علم کے فتویٰ پر رہا نہ کہ عدالتی کاروائی پر، اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ سب سے پہلے ان قوانین کو اسلام سے ہم آہنگ کیا جاتا جن پر مسلمانوں کا معاشرتی وتمدنی ڈھانچہ قائم ہے، ہم جناب صدر کی خدمت میں عرض کریں گے کہ وہ رائج الوقت قوانین جن کا حلال وحرام اور جائز و ناجائز سے تعلق ہے انہیں اسلامی قانون کے مطابق ڈھالنے کا کام سب سے پہلے کیا جائے، ورنہ نفاذ اسلام کا خواب ایک ایسے معاشرہ میں کیسے شرمندۂ تعبیر ہوگا جہاں مسلمانوں کے نکاح بھی قانوناً خلافِ شریعت ہورہے ہوں؟

۴:...... ایک اہم اقدام، قائد اعظم یونیورسٹی میں ''شعبۂ قانون شریعت'' کا افتتاح ہے، یہاں کے طلبہ و اساتذہ کے لئے کیا شرائط رکھی گئی ہیں؟ ان کی پوری تفصیل تو سامنے نہیں آسکی، البتہ آج کل جو مغربی یونیورسٹیوں کا ہوّا ہے، ہماری مشرقی دانش گاہیں بھی اسی کی تقلید کرتی ہیں اور اس کے مطابق یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے لئے پی ایچ ڈی شرط ہے، ایک زمانے میں مصر وغیرہ میں بھی یہ وبا عام

ہوگئی تھی کہ حدیث، تفسیر، فقہ اور تاریخ وغیرہ کے شعبوں میں صرف انہیں ماہرین کو لیاجاتا تھا جنہوں نے مغربی یونیورسٹیوں میں یہودی مستشرقین کے زیر نگرانی پی ایچ ڈی کیا ہو ـــــ ان دانشوروں کی اصطلاح میں مولانا سید سلیمان ندویؒ، مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور شیخ الہندؒ بھی اسلامی قانون کی تعلیم دینے کے ''اہل'' نہیں بلکہ یہ شاید امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ جیسے اکابر کو بھی اس منصب کے لئے اَن فٹ سمجھتے ہوں، کیونکہ خوش قسمتی سے ان حضرات نے یہودی مستشرقین کا پس خوردہ کھانے کی ''سعادت'' حاصل نہیں کی، اگر قائداعظم یونیورسٹی میں قائم کئے گئے ''کلیۃ الشریعۃ'' کے لئے بھی یہی معیار رکھا گیا ہے تو اس کی افادیت کے بارے میں کسی پیش گوئی کی ضرورت نہیں اور اس شعبہ کا خالص انگریزی نام ''شریعت فیکلٹی'' جو اخبارات میں گونج رہا ہے وہ بھی اسی ذہنیت کی غمازی کررہا ہے، جناب صدر اگر اس ملک میں ماہرین شریعت و قانونِ اسلامی کی جماعت تیار کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ جدید فیشن نے جو اصول وضوابط قائم کررکھے ہیں ان سب سے بالاتر ہوکر خود اس کام کے اہل لوگوں کو ڈھونڈیں اور انہیں اس خدمت میں لگائیں۔

۵:...... ایک اہم اور عملی قدم اسلامی حدود و تعزیرات کے نفاذ کا اٹھایا گیا ہے یہ ایک ایسا انقلابی قدم تھا جس سے یورپ کے بتکدوں میں سناٹا چھا جانا لازم تھا، لیکن بوجوہ اس پر کماحقہ، عملدرآمد کی نوبت نہیں آئی، اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے ابھی تک عملاً کسی حد کا نفاذ نہیں ہوا، اس سلسلے میں دو دشواریاں حائل ہیں، ایک اس کے لئے موجودہ عدالتی طریق کار کی اصلاح ہونی چاہئے ورنہ اپیل در اپیل کے چکر میں یہ بھی ممکن ہے کہ جن لوگوں کا جرم ثابت ہوچکا ہو وہ نفاذ حد سے پہلے ہی اپنی عمر طبعی پوری

کرلیں، دوسرے پولیس کے نظام کی اصلاح بھی لازم ہے، ورنہ ہماری پولیس جس کا نیک نامی میں شہرہ ہے وہ حدود وتعزیرات میں بھی ظاہر ہوگی اور اس نظام کے نفاذ کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوگا، ایک یہ امر بھی نہایت ہی توجہ کے لائق ہے کہ جب اسلامی قانون کی حیثیت سے ایک قانون نافذ کردیا گیا تو وہ مروجہ قوانین سے (خواہ ان کی نوعیت معمولی قوانین کی ہو یا غیر معمولی قوانین کی) بالاتر ہونا چاہئے، کم از کم اس دائرے میں اسلامی قانون کے علاوہ دوسرے قوانین کالعدم اور غیر مؤثر قرار دیئے جانے چاہئیں، اس لئے کہ ہم اسلامی قانون کو خدا کا قانون تصور کرتے ہیں اور خدائی قانون کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے قانون کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

۶:...... عشر وزکوٰۃ کا نظام نافذ کردیا گیا ہے مگر ابھی تک اس سلسلے میں کوئی سرگرمی نظر نہیں آئی، اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک یہ کہ اس قانون کو بلا امتیاز تمام مسلمانوں پر ٹھیک اسلامی تعلیم کے مطابق نافذ ہونا چاہئے، دوسرے یہ کہ تحصیل وتقسیم کا کام دیانتدار ہاتھوں میں ہونا چاہئے، بلدیاتی ارکان سب کے سب اس کے اہل نہیں ہوں گے اور کسی نظام کو نااہلوں کے سپرد کرنے کے بجائے اس کا نافذ نہ کرنا بہتر ہے ورنہ یہ نظام اپنی افادیت کھودے گا اور یہ چیز اس کی بدنامی کا باعث بھی ہوگی، اور قوم میں بے چینی کی موجب بھی۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۹رنومبر ۱۹۷۹ء)

دعوتِ ولیمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکومت نے شادی، ولیمہ سے متعلق آرڈی نینس کی وضاحت کے لئے ایک پریس نوٹ جاری کیا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ شادی اور ولیمہ میں صرف کھانے کی پابندی ہے، مشروبات، آئس کریم، پھل فروٹ اور مچھلی وغیرہ کے ذریعہ مہمانوں کی تواضع کی جاسکتی ہے، اسی وضاحت کی روشنی میں جو دعوت ولیمہ کی جاتی ہے اس پر اخراجات کھانے کی دعوت سے بھی زیادہ اٹھ جاتے ہیں، مگر شریعت نے مسلمانوں کے لئے جو ولیمہ کی سنت مقرر کی ہے وہ فوت ہوجاتی ہے، ہماری تجویز یہ ہے کہ ان تکلفات کے بجائے کھانے کی دعوت صرف ولیمہ میں ہونی چاہئے، اور اس میں شریعت کی مقرر کردہ حدود کے اندر نہایت سادگی کا اہتمام ہونا چاہئے، اس کے علاوہ شادی بیاہ کی تقریبات پر نمود و نمائش، بے ضرورت روشنی وغیرہ کا انتظام ممنوع قرار دیا جانا چاہئے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۶ نومبر ۱۹۷۹ء)

اسلام کا نظام خلافت
اور
خلیفہ کی شرائط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۸/دسمبر کو اسلام آباد میں صدر مملکت جنرل محمد ضیاالحق نے اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے فرمایا کہ ملک کے لئے نیا سیاسی نظام وضع کیا جارہا ہے، پریس کانفرنس میں اس کا اعلان کردیا جائے گا، جناب صدر نے کچھ لوگوں کے اس خیال کو لاعلمی کا نتیجہ قرار دیا ہے کہ حکومت حدود نافذ نہیں کرنا چاہتی۔

جہاں تک ملک کے لئے نئے سیاسی نظام کی تیاری کا تعلق ہے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کی تشکیل کن خطوط پر ہورہی ہے؟ جو حضرات اس خدمت پر مامور ہیں ان کا اپنا انداز فکر کیا ہے اور وہ اس نئے نظام کی تیاری میں کن کن چیزوں سے استفادہ کر رہے ہیں؟ کیونکہ مارشل لأ حکومت کا اہم ترین ہدف اسلام کی طرف پیش رفت ہے اور ملک کا سیاسی ڈھانچہ ہی اس ہدف کو آگے بڑھانے کی صلاحیت رکھتا ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ یہاں اسلام کے سیاسی نظام کی طرف مختصر اشارہ کردیا جائے۔

اسلام کا سیاسی نظام جیسا کہ اہل فہم جانتے ہیں نظام خلافت ہے، یہاں سب سے پہلا سوال یہ ہوگا کہ خلافت کیا چیز ہے؟ اس کا جواب شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی کے الفاظ میں یہ ہے:

"ھی الریاسة العامة فی التصدی لاقامة الدین باحیاء العلوم الدینیة واقامة ارکان الاسلام، والقیام بالجهاد وما یتعلق به من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلة واعطائهم من الفئ والقیام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهی عن المنکر نیابة عن النبی صلی الله علیه وسلم."

(ازالۃ الخفاء مقصد اول ص:۲)

یعنی:...... "اقامت دین کی غرض سے آنحضرت ﷺ کے نائب کی حیثیت سے کسی شخص کا مسلمانوں کا سربراہ عام بننا، اور اقامت دین کے شعبے یہ ہیں:۱:......علوم دینیہ کا احیاءً اور ان کی ترویج۔۲:...... ارکان اسلام کا قائم کرنا۔۳:...... جہاد اور اس کے متعلقات یعنی افواج کی ترتیب، مجاہدین کے لئے روزینہ کے تقرر اور انہیں مال فیئ سے عطیات دینے کا انتظام کرنا۔ ۴:......قانون شرعی کے نفاذ کے لئے عدلیہ کا قیام، حدود شرعیہ کا نفاذ اور مظالم کو رفع کرنا۔ ۵:......امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم کرنا۔"

خلافت کی اس تعریف سے واضح ہو جاتا ہے کہ خلافت دراصل آنحضرت ﷺ کی نیابت اور قائم مقامی کا نام ہے، اور اس کا اصل مقصد اقامت دین ہے جس کے اہم ترین شعبے وہ ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے، جو نظام سیاست نیابت نبویؐ کے تصور

سے عاری ہو، یا اس کا مقصد محض ملکی نظم ونسق چلانا ہو، اقامت دین کی روح اس میں کارفرما نہ ہو ایسے نظام کو اسلام کے نظام سیاست سے کوئی واسطہ نہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ کون ہوسکتا ہے؟ اور اس کے شرائط و لوازم کیا ہیں، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ معلوم ہوچکا کہ خلافت علوم دینیہ کے احیاء، اقامت ارکان اسلام، امر معروف اور نہی منکر، انتظام جہاد اور قانون شرعی اور حدود الٰہیہ کے نفاذ کا نام ہے تو جو شرطیں ان اہم مناصب کے لئے ہوسکتی ہیں وہی خلافت کے لئے ہوں گی، چنانچہ:

۱:...... خلافت کی ایک اہم ترین شرط یہ ہے کہ خلیفہ مسلمان ہو، اس لئے کوئی غیر مسلم اسلامی حکومت کا سربراہ نہیں ہوسکتا، نہ اسلامی عساکر کا سپہ سالار ہوسکتا ہے، اور نہ محکمہ عدلیہ کا رکن بن سکتا ہے، خدانخواستہ اگر خلیفہ مرتد ہوجائے تو وہ واجب العزل ہوگا۔

۲:...... ایک شرط یہ ہے کہ عاقل و بالغ ہو اس لئے کوئی مجنون اور نابالغ اس منصب کا اہل نہیں ہوگا۔

۳:...... ایک شرط یہ ہے کہ خلیفہ مرد ہو، لہٰذا اسلامی قانون سیاست کے مطابق کوئی عورت اسلامی حکومت کی سربراہ نہیں ہوسکتی۔

۴:...... ایک شرط یہ ہے کہ اس کی سماعت، بصارت، اور گویائی میں اختلال نہ ہو۔

۵:...... ایک شرط یہ ہے کہ وہ بہادر اور صاحب بصیرت ہو، تاکہ صلح، جنگ معاہدات، وظائف، حکام کے نصب و عزل میں بے تدبیری کا شکار نہ ہو۔

۶:...... ایک شرط یہ ہے کہ وہ ناز پروردہ، تعیش پرست اور اناڑی نہ ہو، ورنہ

کارِ خلافت کی انجام دہی سے قاصر رہے گا۔

۷:...... ایک شرط یہ ہے کہ وہ عادل اور صاحب مروت ہو، فاسق و فاجر نہ ہو، شریعت کے امر و نہی کا پابند ہو، اور کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو، ورنہ جو شخص خود اپنے وجود پر اسلام کو نافذ نہ کر سکے، وہ خدا کی زمین میں خدا کے احکام کیسے نافذ کر سکے گا؟ اور آنحضرت ﷺ کی نیابت کی ذمہ داری سے کیسے عہدہ برآ ہوگا؟

۸:...... ایک شرط یہ ہے کہ وہ دین کے مسائل واحکام، ان کے مآخذ اور ان کے طریقۂ استنباط سے واقف ہو، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی قرأت وتفسیر سے واقف ہو، سنت نبویہ، ان کی اسانید اور صحیح وضعیف کی معرفت رکھتا ہو، سلف صالحینؒ کے اقوال سے واقف ہو تاکہ اجماع امت سے خروج نہ کرے، اور اگر کسی مسئلہ میں دو قول ہوں تو اپنی خود رائی سے تیسرا قول اختراع نہ کر ڈالے، علوم عربیت سے باخبر ہو، احکام کے استخراج اور مختلف دلائل میں تطبیق کی صلاحیت رکھتا ہو، یہ شرط اس لئے ضروری ہے کہ خلافت کا اہم ترین مقصد علم قرآن اور علوم دینیہ کا احیاء ہے، اور جب تک خلیفہ میں یہ صلاحیت نہ ہو، وہ اس ذمہ داری کو ادا نہیں کر سکتا، رہا یہ سوال کہ خلیفہ کے انتخاب کا طریقہ کیا ہونا چاہئے، اس سلسلے میں اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ خلیفہ کے انتخاب کا حق اہل حل وعقد، علماء وصلحاء، قضاۃ و امراء اور ملک کے ان چیدہ افراد کا ہے جو ملک وملت کے مصالح کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور پوری ذمہ داری و دیانت داری سے اس فریضہ کی انجام دہی کی صلاحیت رکھتے ہیں، اگر یہ حضرات متفقہ طور پر کسی ایسے شخص کو خلیفہ نامزد کر دیں، جو خلافت کی صلاحیت رکھتا ہے تو عام مسلمانوں پر اس کی اطاعت و انقیاد فرض ہوگی اور اگر ان میں اختلاف رائے ہو اور کوئی وجہ ترجیح قائم نہ ہو سکے تو کثرت رائے کا بھی اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

یہ کہنا تو ممکن نہیں کہ ملک کے نئے سیاسی نظام کا ڈھانچہ بھی کچھ انہیں لائنوں پر مرتب کیا جارہا ہے یا نہیں، اور یہ کہ مارشل لاءٔ حکومت، خلافت اسلامیہ کے احیاءٔ میں کوئی مثبت قدم اٹھائے گی یا نہیں؟ بہرحال یہ ضرور عرض کیا جاسکتا ہے کہ ہمارا اصل نظام سیاست خلافت ہے، نہ شہنشاہیت، نہ مغربی جمہوریت اور نہ کمیونسٹ بلاک کی جبریت ــــ کاش اسلامی ممالک مشرق و مغرب کی ذہنی غلامی کے طوق گلے سے اتار کر ایک بار پھر اسلامی خلافت کے رشتہ میں منسلک ہو جائیں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۴ر دسمبر ۱۹۷۹ء)

پاکستان کی سالمیت و بقا کا راز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۴ ردسمبر کو روزنامہ جنگ میں نمائندہ کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی ہے:

''باوثوق ذرائع کے مطابق نظریاتی کونسل نے قتل اور قصاص سے متعلق مسودۂ قانون کو آخری شکل دے دی ہے اور اسے ایک دو روز میں صدر پاکستان کو حتمی توثیق کے لئے بھیج دیا جائے گا، اس مسودے پر کونسل کے اجلاس میں چھ روز تک تفصیلی بحث و تمحیص ہوئی، وزارت قانون کے حکام بھی کونسل کے اجلاس میں شریک ہوئے جو کونسل کے چیئرمین ریٹائرڈ جسٹس محمد افضل چیمہ کی صدارت میں چھ روز تک جاری رہا، معلوم ہوا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل وزارت مذہبی امور کے ذریعہ اس اہم اسلامی قانون کا حتمی مسودہ صدارتی سکریٹریٹ بھیج رہی ہے۔''

جہاں یہ بات لائق اطمینان ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل اسلامی قوانین پر غور وخوض میں فی الجملہ دلچسپی لے رہی ہے، وہاں یہ امر تشویشناک بھی ہے کہ ''کوہ

کندن کاہ بر آوردن'' کا کوئی ٹھوس نتیجہ سامنے نہیں آرہا، مثلاً ملک میں چند اسلامی حدود وتعزیرات کا اجراً کافی دنوں سے ہو چکا ہے، مگر وہ محض کاغذات کی زینت ہے، عملی طور پر اس کے نفاذ کی کوئی ادنیٰ جھلک بھی ملک بھر میں کہیں نظر نہیں آتی، اس صورت حال سے متاثر ہوکر ہمارے ایک نہایت قابل احترام معمر شخصیت نے ہمارے نام ایک مراسلے میں لکھا ہے:

''آپ سے گزارش کرتا ہوں:

جناب صدر محمد ضیاءُالحق صاحب کو اس امر کی طرف توجہ دلائیں کہ باوجود اسلامی حدود کے نفاذ کا اعلان کرنے کے عملاً کچھ نہیں ہوا، بلکہ شرعی عدالتوں کے فیصلے انگریزی عدالتوں میں اپیل کے ذریعہ مسترد ہو رہے ہیں۔ شرعی عدالت کے فیصلہ کی اپیل کا انگریزی قانون کی عدالت میں لے جانا اسلامی قانون کی توہین ہے۔ آئے دن اغواءُ ہورہے ہیں، قتل ہورہے ہیں، قاتل کو قید کی سزا دی جاتی ہے، اس لئے لوگ جری ہوجاتے ہیں، جو دعوے آبروریزی کے دائر ہوتے ہیں ان میں اگر چار گواہ نہ ہونے کی وجہ سے سنگساری کی سزا نہ دی جاسکتی ہو تو بدکاری کی وجہ سے حاکم تعزیر لگا سکتا ہے، وہ ایسی عبرتناک ہونی چاہئے کہ آئندہ کسی کو ایسی حرکت کی جرأت نہ ہو، دعویٰ تو مکمل اسلامی قانون کے نفاذ کا ہے، مگر عدالتوں کے جج صاحبان اسلامی قانون سے خود واقف نہیں، کم ازکم اتنا تو ہو جتنا سعودی عرب میں ہے یعنی چور کے ہاتھ کاٹنا، زانی کا سنگسار کرنا، قاتل

سے قصاص لینا، شرابی کے درّے لگانا، حالیہ حادثہ میں شاہ خالد
نے عملی کاروائی سے پہلے علماً کی طرف رجوع کیا اور فتویٰ لے کر
اس کے مطابق عمل کیا، صدر کی خدمت مین عرض کریں کہ اگر عملی
نفاذ نہ ہوا تو قیامت کے دن آپ پر بوجھ ہوگا۔
اگر عملی نفاذ کردیں تو سارا ملک آپ کے ساتھ ہوگا،
خدارا انگریزی طریقہ کو چھوڑ دیجئے اور خلوص کے ساتھ اسلامی
قانون نافذ کیجئے۔''

ہم جناب صدر، ارکان مملکت، ارباب بست و کشاد اور ذمہ دار انتظامیہ کی خدمت میں اس سلسلہ میں مسلسل عرض کر چکے ہیں، ہمارے نزدیک پاکستان کی سالمیت و بقا صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول اور اسلامی قانون کے نفاذ پر منحصر ہے، اگر تہائی صدی گزرنے کے بعد بھی یہاں انگریزی زبان، انگریزی تعلیم، انگریزی معاشرت، انگریزی قانون، انگریزی نظام سیاست، انگریزی نظام تجارت ہی کو جاری رہنا ہے، تو اس ملک کا وجود اسلام کے لئے بے کار ہے، پھر خواہ ہم ٹیکنالوجی میں ترقی کر جائیں، ایٹمی قوت بننے میں کامیاب ہوجائیں، زراعت میں خود کفیل ہوجائیں اور تیل کے چشمے بھی ہمارے یہاں بہنے لگیں، خدا کی نظر میں ہماری قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگی، یہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی خاص علامت ہے کہ آج اس ملک کا کوئی طبقہ، دوسرے طبقے سے خوش نہیں، نہ راعی رعایا سے، نہ رعایا راعی سے، نہ حاکم محکوم سے، نہ محکوم حاکم سے ـــــ ہم ایک بار پھر بشمول جناب صدر کے ملک کے تمام ذمہ دار وزیروں، افسروں اور مسلح افواج اور عدلیہ و انتظامیہ کے اکابر کی خدمت میں التماس کریں گے کہ خدارا! ان تمام قباحتوں، برائیوں اور معصیتوں کا

سدباب کیجئے جو خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتی ہے، اور پورے اخلاص و توجہ کے ساتھ ملک میں خدا تعالیٰ کے احکام کی بالادستی قائم کیجئے، تاکہ آپ کے لئے اور پورے ملک کے لئے خیر و سعادت کے دروازے کھل سکیں، اور اگر آپ یہ کام نہیں کرسکتے تو دنیا کی پریشانی اور آخرت کے عذاب سے حفاظت کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ یہ کام ایسے لوگوں کے سپرد کردیں جو اس کام کو کرسکتے ہوں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۱ر دسمبر ۱۹۷۹ء)

ایٹمی ٹیکنالوجی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر جنرل محمد ضیاءالحق نے صدر سوہارتو کے ساتھ کراچی کے ایٹمی بجلی گھر کا معائنہ کرتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان فنی اور اقتصادی ترقی کی دوڑ میں دیگر ترقی پذیر ممالک سے پیچھے نہیں رہ سکتا، انہوں نے کہا یہ ہمارا حق ہے، ہم بھی اسی دنیا میں رہتے ہیں، خدا نے ہمیں اتنی خوبصورت زمین اور ایک بہترین عقیدے سے نوازا ہے۔''

آنحضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی امت کو حق تعالیٰ شانہ نے دنیا کی قیادت و امامت کے منصب پر فائز فرمایا ہے اور ''خیر امت'' کا تاج ان کے سر پر رکھا ہے بشرطیکہ وہ معروف کا حکم کرے، برائیوں سے منع کرے، اور ایمان باللہ کی راہ پر گامزن ہو، تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان، خیر امت ہونے کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے، دنیا کی امامت و زعامت ان کے قدم چومتی رہی، لیکن جب سے انہوں نے اپنے اس منصب سے روگردانی کی دنیا میں نیکی کی قوتیں سرنگوں ہونے اور شر و فساد کی قوتیں بڑھنے لگیں، بالآخر مسلمانوں پر ایمان باللہ کے بجائے ''ایمان بالمغرب'' کا سودا سوار ہوا، اس کی سزا بھی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے بڑی عبرتناک ملی، یہی خیر

امت، جو دنیا کی امام و قائد تھی، غیروں کی تابع مہمل ہوکر رہ گئی، کبھی ان کا قبلہ اول ان کے ہاتھ سے گیا، کبھی یہود و نصاریٰ کی سازشوں کا شکار ہوکر باہم دست و گریباں ہوئے، اور کبھی کاسۂ گدائی لے کر اعدائے اسلام کے دروازوں پر دستک دینے لگے۔ یہ اس خدا فراموشی کی سزا ہے جو مسلمانوں نے اجتماعی طور پر اختیار کی، اور جب تک یہ خدا فراموشی کی فضا ختم نہیں ہوتی اور مسلمان اپنی اس مقدس نسبت کا، جو انہیں نبی رحمت ﷺ سے حاصل ہے، لحاظ رکھتے ہوئے اپنی زندگی میں ایمان و انقلاب لانے کا عزم نہیں کرتے، انہیں دنیا کی امامت و قیادت تو کجا غیر قوموں کی برابری و مساوات بھی نصیب نہیں ہوسکتی، ایٹمی طاقت کے حصول میں بھی ایک مسلمان کا مشن قرآن کریم کے الفاظ میں یہ ہونا چاہئے:

"قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ." (الانعام:۱۶۲)

ترجمہ:......"تو کہہ کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت محض اللہ رب العالمین کے لئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔"

اس لئے مسلمانوں کی ٹیکنالوجی ترقی بھی محض خدا تعالیٰ کے حکم سے اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے، حضرت مفتی محمود صاحبؒ جب لیبیا تشریف لے گئے تھے تو آپ نے وہاں فرمایا تھا کہ مسلمانوں کے لئے ایٹم بم بنانا فرض ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں اپنی ہمت و بساط کے مطابق ہر ممکن

تیاری کریں، اور جو جدید سے جدید اسلحہ وہ حاصل کر سکتے ہوں کریں، یہ ان کا اسلامی وایمانی فرض ہے، اگر لادین قوتیں محض اپنی قوت کی نمائش کے لئے ایٹمی طاقت بڑھا رہی ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان جذبہ جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کی نیت سے یہ کام نہ کریں، اسی کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ اپنی تمام تر قوت لگادینے کے بعد بھی ان کو اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہئے:

"اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَاغَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَاالَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ." (آل عمران:۱۶۰)

ترجمہ:...... "اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کے بعد کوئی ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ اور اہل ایمان کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔"

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۵/دسمبر ۱۹۸۰ء)

مسلمانوں کے لئے

نشانِ منزل کی نشاندہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک اطلاع کے مطابق پیرس میں منعقدہ تین روزہ بین الاقوامی سیمینار کے اختتام پر مغرب میں اسلام کو عمدگی سے اجاگر کرنے پر دو انعامات دینے کا اعلان کیا گیا۔ پہلا انعام اسلام سے متعلق بہترین تحریر اور رپوٹنگ پر مغربی ممالک کے باشندوں کو دیا جائے گا، جبکہ دوسرا انعام مغرب کو مسلم ممالک کے حقائق سے آگاہ کرنے والے مغربی باشندہ کو دیا جائے گا، دونوں انعام اسلامی کانفرنس کی تنظیم دے گی، جس نے اس سیمینار کا اہتمام بھی کیا تھا، سیمینار میں اس خیال کا بھی اظہار کیا گیا کہ مغربی ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کا امیج درست کرنا ضروری ہے۔ اسلامی کانفرنس نے یونیسکو، رابطۂ عالم اسلامی اور کونسل آف یورپ کے اشتراک سے ایک پروگرام چلانے کے لئے کہا ہے تاکہ یورپ میں اسلام کو اس کے صحیح خدوخال کے ساتھ پیش کیا جاسکے، سیمینار نے مطالبہ کیا کہ مغرب میں تارک وطن بچوں کو اس بات کی اجازت ملنی چاہئے کہ وہ اپنی ثقافتی اور روحانی جڑوں کو محفوظ رکھ کر نئے ممالک میں بود و باش اختیار کرسکیں، سیمینار نے دنیا کے بعض ممالک میں اقلیتوں کے حالات پر

تشویش کا اظہار کیا۔

اسلامی کانفرنس کے بین الاقوامی سیمینار میں جن خیالات کا اظہار اور جن عزائم کا اعلان کیا گیا ہے وہ جہاں اس بات کی علامت ہے کہ عالم اسلام طویل خواب غفلت کے بعد انگڑائی لے کر بیدار ہونے کی کوشش میں مصروف ہے، وہاں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلامی کانفرنس اور عالم اسلام کے راہنما و ناخدا ابھی تک راہ منزل اور نشان منزل سے دور ہیں، وہ بڑے خلوص سے اسلام کو سربلند اور اسلامی دنیا کو باوقار دیکھنا چاہتے ہیں لیکن اس کا صحیح طریقہ کار ان کے سامنے نہیں، مغرب سے مرعوبیت اور احساس کمتری کی بنا پر وہ اسلام کی سربلندی کے لئے بھی انہیں مصنوعی تدابیر پر قانع ہیں، جو بے خدا قوموں اور گمراہ تہذیبوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسلام کا مزاج اور اس کے ارتقاء و انحطاط کے صحیح عوامل ان مصنوعی، بے جان اور پروپیگنڈائی تدابیر سے بہت بلند و بالا ہیں، اسلام ان ذرائع سے نہ کبھی چمکا ہے اور نہ ان سے اسلام کے چمکنے کی امید کی جاسکتی ہے، اسلام کے چمکانے کی صحیح تدبیر دعوت الی اللہ ہے، جو عقائد، جو اعمال، جو اخلاق، جو معاشرت، جو معیشت، جو سیاست و تمدن اور جو اصول جہانبانی، آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے وحی الٰہی کے ذریعہ امت مسلمہ کو تلقین فرمائے جب تک امت اپنی جان، اپنا مال، اپنا وقت، اپنی عزت و وجاہت اور اپنی زندگی ان تعلیمات نبوت کو سیکھنے سکھانے، ان پر خود عمل کرنے اور دوسروں کو عمل پر ڈالنے میں نہیں کھپاتی اس وقت تک سربلندیٔ اسلام کی تمنا پوری نہیں ہوسکتی۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اپنے ظاہر و باطن کو اسلام کے سانچے میں ڈھال کر اس کی دعوت کو پھیلانا شروع کیا تھا تو ایک مختصر سی مدت میں اسلام کا علم اسپین سے چین تک لہرانے لگا تھا، انہوں نے نہ اس کے لئے سیمینار منعقد کئے تھے، نہ لکھنے یا بولنے والوں

کے لئے تقسیم انعامات کا اعلان کیا تھا، نہ جلسوں، کانفرنسوں اور جشنوں پر وقت ضائع کیا تھا، وہ ایمان باللہ کی دعوت لے کر اٹھے، اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کی عظیم ترین قوموں اور قوتوں کے مقابلہ میں انہیں فتح ونصرت سے ہمکنار کیا، ان کے دل میں خدا تعالیٰ کی عظمت اور اسلام کی وقعت اس قدر راسخ تھی کہ قیصر و کسریٰ کے عالیشان دربار بھی انہیں مرعوب نہ کر سکے، اور آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کی مبارک سنتوں کا ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ کسی ادنیٰ سنت کا فوت ہوجانا ان کے نزدیک سب سے بڑا خسارہ تھا۔

یہ ہے اسلام کا مخصوص مزاج اور اس کی سر بلندی کا صحیح طریقہ۔ امام مالکؒ کا قول ہے "لن یصلح آخر هذه الامة الا ما صلح به اولها" یعنی "امت کے آخری حصہ کی اصلاح بھی اسی طرح ہوسکتی ہے جس طرح اس کے حصہ اول کی اصلاح ہوئی تھی۔"

کسی مقصد کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کے لئے صحیح طریقہ کار بھی اختیار کیا جائے، اگر ہم اسلام کو سر بلند اور غالب دیکھنا چاہتے ہیں، اگر اسلامی دنیا کا وقار بحال کرنا چاہتے ہیں، اور اسلامی ممالک کو ذلت و پستی کے گڑھے سے نکالنا چاہتے ہیں، تو اس کا بس ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ خود اپنے وجود پر، اپنے گھر اور قبیلے پر، اپنے ملک اور معاشرہ میں تعلیمات نبوت کو نافذ کریں، خود اعتقادی اور عملی طور پر اسلام کے علمبردار بنیں اور پھر اس کی دعوت لے کر اٹھیں، اور آج کی بے دین اور گم کردہ راہ قوموں کو اسلام کے نور سے فیضیاب کریں تا آنکہ اللہ تعالیٰ ان قوموں کو ہدایت وسعادت سے نواز دے یا خدا کی زمین کو ان کے وجود سے پاک کر کے اسلام کا راستہ صاف کردے۔

بلاشبہ مسلمانوں میں کچھ مخلص حضرات اسلام کی خالص اور صحیح دعوت پیش کررہے ہیں (اور شاید انہی کے انفاس کی برکت سے ہم لوگ عذاب الٰہی سے محفوظ ہیں) لیکن ضرورت ہے کہ تمام مسلمان اپنے اس فریضہ کو محسوس کریں، اپنی قوتیں لایعنی اور دور از کار مشغلوں میں ضائع کرنے کے بجائے خدا تعالیٰ کے دین کی دعوت کو اپنی زندگی کا موضوع اور مقصد بنائیں۔ اگر ہم نے دین کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط کرلیا تو اللہ تعالیٰ بھی ہمارے پاؤں جمادے گا، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوْا اللہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ۔'' (محمد:۷)

ترجمہ:...... ''اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدموں کو جمادے گا۔''

آج کل ملک بھر میں قومی زبان اردو کا بہت زیادہ چرچا ہے، اردو کے رواج کے لئے باقاعدہ ایک ادارہ ''مقتدرہ قومی زبان'' کے نام سے بھی قائم کیا گیا، جس کا سربراہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو مقرر کیا گیا ہے اور اس ادارے نے اس سلسلہ میں کافی اقدامات بھی کئے ہیں، یہاں تک کہ اردو ٹائپ رائٹر کی تختی بنالی گئی ہے اور کچھ عرصہ بعد اردو ٹائپ رائٹر پاکستان میں عام ہوجائے گا، اس کے علاوہ دفاتر میں بھی اردو کو نافذ کرنے کے سلسلہ میں کام ہو رہا ہے اور سپریم کورٹ

وغیرہ میں تو اب اس بات کی اجازت دے دی گئی ہے کہ اردو میں مقدمے پیش کیئے جاسکیں اور مائی لارڈ کے بجائے جناب عالی وغیرہ کے الفاظ بولے جائیں، یہ چند ایسے اقدامات ہیں جن سے امید ہے کہ پاکستان کی قومی زبان اردو کو اس کا صحیح اور جائز مقام مل جائے گا، اور ہر ذی عقل ان اقدامات کی تعریف کرے گا، مگر اس راہ میں چند ایسے اقدامات بھی بہت ضروری ہیں جن کی طرف نہ تو حکومت کی نظر گئی ہے اور نہ ہی مقتدرہ قومی زبان کے احباب اس طرف متوجہ ہوئے ہیں، وہ ہیں بچوں کے نرسری اسکول یا وہ چھوٹے چھوٹے اسکول جو لوگوں نے اپنے گھروں میں کھول رکھے ہیں اور جن میں بچوں کے والدین سے بھاری فیس لے کر ان کے ذہنوں میں انگلش کو راسخ کیا جاتا ہے، بچے قوم کا سرمایہ اور ذہن ہوتے ہیں اگر بچپن ہی سے ان کی صحیح ذہنی تربیت کی جائے اور ان کو صحیح ماحول مہیا کیا جائے تو ایسے بچے نہ صرف قومی ترقی کا باعث بنتے ہیں بلکہ قوموں کے عروج و زوال کا باعث بھی بنتے ہیں، حدیث مبارک میں آتا ہے کہ: ”اولاد کے لئے والدین کی طرف سے بہترین تحفہ ان کی صحیح تربیت ہے۔“ ماں کو باپ پر اسلامی تعلیمات میں اسی لئے فضیلت عطا کی گئی ہے کہ وہ بچپن میں بچے کی نگہداشت اور تربیت کرتی ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ ماں کی گود بچے کا پہلا اسکول ہے، پھر ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ: ”انسان صحیح اور اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، مگر اس کے والدین اس کو یا تو نصرانی بنادیتے ہیں یا یہودی۔“ اور اسی طرح ایک اور حدیث میں والدین کو اس بات سے روکا گیا ہے کہ وہ چھوٹے بچوں کے سامنے فحش باتیں یا بے حیائی کی حرکات نہ کریں، کیونکہ بچے کے ذہن میں جو باتیں اس وقت نقش ہوجائیں گی وہ ساری زندگی نقش رہیں گی، مگر ہم لوگوں کی اس طرف بالکل ہی توجہ نہیں، جہاں بچہ تین سال کا ہوا، وہاں اس سے جان چھڑانے کے

لئے اس کو نرسری، چلڈرن گارڈن یا چھوٹے چھوٹے اسکولوں میں بھیج دیا، جہاں بچے کو (انگلش نظمیں) "بابا بلیک شیپ"، "ٹونکل ٹونکل لٹل اسٹار" رٹائی جاتی ہیں اور میوزک کے ساتھ اسے ان کی تعلیم دی جاتی ہے، جس کی بنا پر بچہ اس کو جلد یاد کر لیتا ہے، اب بچہ جب پانچ سال کا ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں انگریزی راسخ ہوجاتی ہے، یا تو اب وہ انگلش میڈیم اسکول میں جاتا ہے اور اگر وہاں نہیں جاتا تو پھر اردو اور انگریزی کی کش مکش میں مبتلا ہوکر ذہنی پریشانی کا شکار ہوجاتا ہے اور اس طرح ایک اچھا ذہن ضائع ہوجاتا ہے، اس لئے مقتدرہ قومی زبان اور ارباب حکومت کو اس طرف خصوصی طور پر توجہ دینا چاہئے اور ایک فلاحی حکومت کا ویسے بھی یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے عوام کو صحیح ماحول اور معاشرہ مہیا کریں تاکہ قومی ذہن نہ تو ضائع ہو اور نہ ہی وہ آئندہ چل کر جرائم یا غلط کاری کا شکار ہو، ہمیں امید ہے کہ اس مسئلہ کی طرف فوراً توجہ دی جائے گی۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقراً روزنامہ جنگ کراچی ۱۲/دسمبر ۱۹۸۰ء)

فضائی قزاقی، چند عبرت ناک پہلو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مدد و عنایات سے آخر کار اغواء شدہ پاکستانی ہوائی جہاز کے یرغمالیوں کا مسئلہ طے پا گیا اور امید ہے کہ جب آپ یہ سطور پڑھ رہے ہوں گے اس وقت تک یہ تمام حضرات اپنے اپنے گھروں کو واپس پہنچ چکے ہوں گے، اس سانحہ نے پوری قوم کو ہیجان میں مبتلا کر رکھا تھا اور بقول صدر پاکستان، اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاکستانی عوام کے لئے آزمائش تھی جس سے پوری قوم بحکم خداوندی بحسن و خوبی گزر گئی، ہم کئی ہفتوں سے مسلسل پاکستان کے اصحاب اقتدار کو یہ بات گوش گزار کر رہے تھے کہ اس قسم کے حالات ملک کے لئے بہتر نہیں، اور اگر دہشت گردی کے اس سیلاب کو ابتدا ہی سے نہیں روکا گیا اور اس کے سدباب کے لئے موثر اقدامات نہ کئے گئے تو یہ سلسلہ آگے قابو سے باہر ہو جائے گا، آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا، اور یہ سلسلہ عام نوعیت کی فائرنگ اور تخریبی کاروائی سے گزر کر ہوائی جہاز کے اغوا پر منتج ہوا، بہرحال "گزشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط" کے پیش نظر اب بھی پانی سر سے نہیں گزرا، ہم اس واقعہ کا سنجیدگی کے ساتھ نوٹس لیں اور اس کو پچھلے واقعات کی طرح سرسری انداز میں نہ ٹالیں، کیونکہ یہ واقعہ ایک ایسا واقعہ نہیں جس سے صرف نگاہ کی جا سکے، اور بقول صدر پاکستان، یہ ایک بھیانک سازش کے تحت وقوع پذیر ہوا،

اس لئے اس معاملہ میں حکومت کی ذمہ داری زیادہ ہوجاتی ہے، پھر خود صدر پاکستان نے اپنی نشری تقریر میں یہ فرمایا کہ اس واقعہ میں سرکاری سطح پر جو لوگ بھی شریک پائے جائیں گے ان کو بھی عبرتناک سزائیں دی جائیں گی، لیکن اس سلسلہ میں ہماری ایک گزارش ہے کہ اس واقعہ کی تحقیقات، محکماتی تحقیقات کے طرز پر نہ کی جائے بلکہ اس کے لئے ایک جنرل کمیٹی تشکیل دی جائے جس میں ملک کے دیانت دار افراد کو رکھا جائے، جو واقعہ کی تحقیق بغیر کسی رکاوٹ اور جانبداری کے کرسکیں اور پھر اس تحقیق کے نتیجہ میں جو لوگ مجرم ثابت ہوجائیں، ان کو عبرتناک سزا دی جائے تاکہ آئندہ ایسے جرم کا اعادہ نہ ہوسکے، کیونکہ یہ واقعہ صرف ان تین افراد تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ ایک ایسا پلان تھا جس میں پی آئی اے، کسٹم اور سیکورٹی کے افراد کی شرکت وشمولیت ناگزیر تھی کیونکہ ان تمام محکموں کے تعاون کے بغیر طیارہ تک بغیر اسلحہ کے پہنچنا بھی مشکل ہے چہ جائیکہ مسلح افراد کا طیارہ کے اندر پہنچ جانا، دوسری بات اس ضمن میں قابل غور یہ بھی ہے کہ مہذب ملکوں کا ایک طریقہ اور دستور یہ بھی رہا ہے کہ جس محکمے میں ایسے واقعات پیش آجائیں، اس محکمے کے سربراہ یا ذمہ دار افراد اپنے عہدوں سے از خود مستعفی ہوجاتے ہیں اور اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں مثال کے طور پر بھارت میں ریلوے کا ایک حادثہ ہوا تو ریلوے کے وزیر نے اپنی نااہلی کا اقرار کرتے ہوئے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دیدیا، مگر افسوس کہ ہمارے ملک میں ابھی تک اس قسم کا کوئی رواج موجود نہیں، ہمارے ہاں تو پورے کا پورا محکمہ فیل ہوجاتا ہے مگر اس محکمے کے کرتا دھرتا، اپنی جگہ پر نہ صرف برقرار رہتے ہیں بلکہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اس محکمے کی ترقی کے سلسلہ میں رپورٹیں بھی پیش کرتے رہتے ہیں، پی آئی اے کے محکمے میں اس سے قبل جہاز کے جلنے کا ایک سنگین واقعہ رونما ہوا اور اس کے بعد جہاز کے اغوا کا یہ

دوسرا عبرتناک واقعہ پیش آیا مگر اس کے کرتا دھرتا اسی طرح اپنی جگہ پر براجمان ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس کا کوئی احساس بھی نہیں اور نہ ہی وہ ان واقعات کو اپنے محکمے کی اچھائی یا برائی میں شمار کرتے ہیں، کیا یہ حضرات اس واقعہ کے بعد بھی اپنے آپ کو اس منصب کے اہل تصور کئے بیٹھے ہیں، پی آئی اے کے معاملات میں تو (خصوصاً نئی تبدیلیوں کے بعد) کراچی کے علماء کرام کی طرف سے بھی ایک دفعہ مشترکہ بیان میں گہری تشویش کا اظہار کیا گیا تھا اور صدر پاکستان سے اپیل بھی کی گئی تھی کہ وہ ان معاملات پر براہ راست توجہ فرمائیں ورنہ یہ ادارہ مخصوص حضرات کا تختۂ مشق بنتا رہے گا اور علماء کرام کی اس تشویش کے بعد یہ دو بھیانک واقعات بھی پیش آچکے ہیں۔

امید ہے کہ اب صدر پاکستان علماء کرام کی اس تشویش کا بھی جائزہ لیں گے اور اس تحقیقاتی رپورٹ میں علماء کرام کی آراء کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے بھی جو فرد کسی منصب کا اہل نہ ہو اسے چاہئے کہ وہ بذات خود اس منصب کے لئے یا تو انکار کردے یا ازخود اس سے سبکدوشی اختیار کرلے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا واقعہ کس سے پوشیدہ ہے کہ ان کو قاضی القضاۃ کا منصب جب پیش کیا گیا تو آپ نے صاف انکار کردیا، پھر قرب قیامت کی علامات میں سے اس علامت کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ نااہل لوگ بڑے بڑے مناصب پر فائز ہوں گے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار، ہر حکومت کے لئے مشعل راہ ہے کہ جس حاکم، گورنر کی شکایات ان تک پہنچتی تھیں، آپ تحقیقات کرا کر اسے فوراً معزول فرمادیتے تھے، آخر ہم لوگوں نے اسلامی تعلیمات کو کبھی نہ کبھی تو اپنانا ہی ہے یا پھر صرف اسلام کی باتیں تو کریں گے لیکن اس پر ہم زندگی بھر عمل نہ کرنے کا سلسلہ بھی جاری رکھیں گے، ہماری فلاح و

کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب ہم اسلامی تعلیمات کو عملی زندگی میں زیادہ سے زیادہ رائج کریں، اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنے کے جہاں دوسرے بہت سے پہلو ہیں وہاں عبرت کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ تیرہ چودہ دن یہ یرغمالی ایک کمرے میں بغیر ہلے جلے بیٹھے رہے تو ان کا کیا حال ہوا ہوگا، گویا یہ لوگ زندہ درگور ہوگئے تھے، ان زندہ درگور حضرات کے لئے پوری قوم نے کیا کیا نہ کیا؟ مگر کبھی ہم نے یہ بھی سوچا کہ عنقریب ہم کو بھی قبر میں اترنا ہے اس میں ہم زندہ درگور تو نہیں ہوں گے مگر مردہ درگور تو ضرور ہوں گے اور اس قبر میں ہمارے ساتھ سوائے ہمارے اعمال کے، اور کچھ نہ ہوگا، ہم نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے کیا کیا؟ کیا ہمارے اعمال واقعی اس قابل ہیں کہ ہم ان کی وجہ سے قبر میں آسانی کے ساتھ وقت گزار سکیں گے؟ یا پھر اس قبر میں بھی ہم پر ہائی جیکروں کی طرح اللہ تعالیٰ کے فرشتے مسلط ہوجائیں گے جو ان فضائی قزاقوں کی طرح ہمیں عذاب الٰہی کا مزہ چکھاتے رہیں گے، اگر اب تک ہم اس جانب سے غافل رہے تو یہ موقع خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنی اس غفلت سے بیدار کرنے کے لئے ہی رونما ہوا ہے، ہم اس سے سبق حاصل کرکے خدا کے طرف رجوع کرلیں تو اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے، حکمران طبقہ ہو یا عام آدمی ہر ایک کو اپنی زندگی خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق ڈھالنے میں اب دیر نہیں کرنا چاہئے تاکہ ہمیں دنیا میں بھی فلاح و کامیابی نصیب ہو اور آخرت میں بھی ہم پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے سامنے سرخرو ہوسکیں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۰ / مارچ ۱۹۸۱ء)

خواتین کے ستر و حجاب پر صدر نہیں
اسلام اٹھارٹی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد'

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ایک ٹیلی ویژن انٹرویو میں اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ شرعی پردہ کے ساتھ عورتوں کے لئے دفاتر میں مردوں کے ہمدوش کام کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے تعلیم اور طب کے علاوہ دیگر شعبوں میں عورتوں کی ملازمت صحیح نہیں۔ انہوں نے مشورہ دیا تھا کہ باقی شعبوں میں جو خواتین برسرکار ہیں ان کو پینشن پر اپنے گھروں میں واپس بھیج دینا چاہئے------ ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان نصف انسانیت کی توہین و تذلیل کے لئے نہیں' بلکہ ان کے تقدس و احترام کی حفاظت کے پیش نظر تھا۔ لیکن اس زمانے میں دوسری چیزوں کی خواہ کتنی ہی افراط ہو مگر عقل و فہم کا بالکل ہی قحط ہے' یوں بھی عورتیں بے چاری فہم سے زیادہ' جذبات سے کام لیا کرتی ہیں۔ چنانچہ اپوا کی بیگمات --------جن کا تعلق ہمارے اونچے گھرانوں سے ہے' اور جو ایک خاص طبقہ کی نقیب ہیں ----اس پر برا مان گئیں' انہوں نے یہ سمجھا کہ کمانے کی ذمہ داری مردوں پر ڈال کر اور خواتین کو اس ناروا بوجھ سے سبکدوش کرنے کا مشورہ دے کر ان کی اہانت و تذلیل کی گئی ہے۔ چنانچہ اسّی پچاسی عورتیں مظاہرہ کرتی ہوئی ٹی وی اسٹیشن پر پہنچ گئیں' انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خلاف احتجاج کیا' اور ان کا ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" بند کرنے کا مطالبہ کیا' کراچی ٹی وی کے جنرل مینجر جناب برہان الدین صاحب نے ان کے مطالبہ کو شرف

پذیرائی بخشا' اور ٹی وی اسٹیشن پر ڈاکٹر صاحب کا داخلہ بند کرنے کا اعلان فرمایا۔ بالآخر صدر مملکت نے ایک پریس کانفرنس میں یہ کہہ کر اس ناخوشگوار بحث کو ختم کیا کہ :
"ڈاکٹر اسرار احمد کوئی اتھارٹی نہیں۔ میں اتھارٹی ہوں۔ عورتوں کو برابر ملازمتیں دی جائیں گی"۔

یہ چھوٹا سا واقعہ اپنے اندر عبرت و بصیرت کے بہت سے پہلو رکھتا ہے۔ ان سب کی تفصیل کا موقع نہیں۔ البتہ اہل فہم کے لئے چند امور کی طرف اشارہ کر دینا مناسب ہوگا۔

ا...... خواتین کے ستر و حجاب کے مسئلہ کا تعلق حیا سے ہے' اور اہل عقل جانتے ہیں کہ حیا ہی انسانیت کا جوہر اور نسوانیت کی زینت ہے۔ اسی سے انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز قائم ہے' یہ نہ ہو تو انسان' انسان نہ کہلائیں بلکہ انہیں انسان نما جانور کہنا مناسب ہو' اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کو ایمان کا عظیم ترین شعبہ قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے :

"الا یمان بضع وسبعون شعبة اعلا ها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذی عن الطریق' والحیاء شعبة من الا یمان" (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۱۲)

ترجمہ: "ایمان کے کچھ اوپر ستر شعبے ہیں ان میں سب سے اعلیٰ لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ' راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے اور حیا ایمان کا عظیم الشان شعبہ ہے۔"

حیا ہی کی صفت ہے جو انسان کو ناشائستہ چیزوں سے روکتی ہے' صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد مروی ہے :

"ان مما ادرک الناس من کلام النبوة الاولی اذالم تستحیی فاصنع ماشئت"۔ (مشکوٰۃ ص ۴۳۱)

ترجمہ :" لوگوں نے پہلی نبوت کے کلام سے جو جملے محفوظ کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ "جب تم میں حیا نہ رہے تو جو چاہو کرو"۔

اسلام نے مسلم خواتین کی عفت و عصمت اور غیرت و حیا کی حفاظت کے لئے نہ صرف اجنبی مردوں کے ساتھ ان کے اختلاط کو ممنوع قرار دیا ہے' بلکہ بغیر ضرورت ان کے نکلنے کو بھی ناپسند فرمایا ہے۔ اور جب انہیں گھر سے باہر قدم رکھنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کے لئے مستقل احکام صادر فرمائے ہیں۔ الغرض حجاب اور ستر کا مسئلہ عورتوں کی توہین و تذلیل نہیں' بلکہ ان کے اعلیٰ ترین اوصاف کی حفاظت و بقا کا ایک فطری نظام ہے' ہمارے جدید طبقہ میں اس مسئلہ کو صحیح نقطۂ نظر سے سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی اور تہذیب مغرب کے افسوں نے اسے عورتوں کے لئے ایک قید اور ناروا پابندی کے عنوان دے کر خاتون مشرق کو اس کی نسوانیت کے تقاضوں سے ہٹا دینا چاہا۔ تہذیب مغرب کی اسی افسوں گری کا کرشمہ ہے کہ عورت کو پردہ سکرین پر لا کر اس کی توہین و تذلیل کی جا رہی ہے۔ عورت کی تصویر کو تجارتی مال کی نکاسی کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے اور کوئی چیز عورت کی تصویر کے بغیر فروخت نہیں ہوتی' کلبوں اور ہوٹلوں وغیرہ میں عورت کے دامن تقدس کو بوالہوسوں کا کھلونا بنایا جا رہا ہے۔

تعلیم گاہوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک ساتھ بٹھایا جا رہا ہے۔ یہ اور اس نوعیت کی بیسیوں چیزیں عورت کی توہین و تذلیل کے زمرہ میں آتی ہیں' مگر چونکہ تہذیب مغرب کا مفتی ان تمام امور کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیتا ہے اس لئے اپوا کی

بیگمات کو کبھی ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ بس ایک حجاب و ستر کا مسئلہ ہے جسے یہ معزز خواتین' عورتوں کے خلاف ایک سازش سمجھتی ہیں۔

ان بیگمات کا سب سے قوی استدلال یہ ہے کہ عورتوں پر رزق کے دروازے کیوں بند کئے جا رہے ہیں؟ لیکن ان کا یہ خیال غلط فہمی و غلط اندیشی پر مبنی ہے' سوائے ان شاذونادر صورتوں کے جن میں عورت کی کفالت کا بار اٹھانے والا کوئی نہ ہو' اسلام عورت کے نان و نفقہ اور اس کی روزمرہ کی ضروریات کی ذمہ داری خود اس کے کندھوں پر نہیں' بلکہ مرد کے کندھوں پر ڈالتا ہے۔ جب تک وہ باپ کے گھر ہے اس کی کفالت باپ کے ذمہ ہے۔ اور شوہر کے گھر میں ہو تو اس کے مصارف شوہر کے ذمہ ہیں۔ صاحب اولاد ہو تو اس کی ذمہ داری اولاد پر عائد کی گئی ہے۔ بہت ہی شاذونادر صورتیں ایسی پیش آسکتی ہیں جن میں عورت کو کسب معاش کے لئے خود در در کی ٹھوکریں کھانی پڑیں۔ لیکن اسلام نے ان استثنائی صورتوں کا بھی اطمینان بخش حل پیش کیا ہے تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ کسب معاش کے بجائے عورت کے ذمہ "انسانیت سازی" کی خدمت رکھی گئی ہے۔ یعنی اولاد کی اصلاح و تربیت ---
کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ سے بطور طنز کہا کہ عورت کبھی نبی نہیں ہوئی۔ انہوں نے برجستہ فرمایا "صحیح ہے ہم نبی بنا نہیں کرتیں' بلکہ جنا کرتی ہیں"۔ مردم گری اور انسانیت سازی عورت کا ایک عظیم الشان منصب تھا۔ جس نے "جنت ماؤں کے قدموں تلے" رکھ دی--- عورت اپنے اس منصب پر جس قدر ناز کرتی کم تھا' لیکن تہذیب مغرب کے افسوں نے یہاں بھی گل کھلائے' اس نے میراثی کے ہاتھی کی طرح کھانے کمانے کا ڈھول بھی عورت ہی کے گلے میں باندھ دیا' اور یہ کہہ کر کہ خود کماؤ اور خود کھاؤ' اس کی کفالت کے بوجھ سے مرد کو

چھٹی ولادی۔ یہ عورت پر بدترین ظلم ہے، جس کا دروازہ اسلام نے پہلے دن بند کردیا تھا، عورت کمانے کے لئے باہر نکلی تو اس کے گھر کا سارا نظام تلپٹ ہو کر رہ گیا۔ اولاد ملاؤں کے سپرد ہوئی، اور خانہ داری نوکروں کے ہاتھ آئی۔ اس طرح "تدبیر منزل" کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ نہ میاں بیوی کے درمیان الفت و اخلاص کا رشتہ رہا نہ اولاد کی تعلیم و تربیت کا کوئی معیار رہا۔

الغرض یہ سمجھنا غلط ہے کہ اسلام عورت کو عضو معطل بنا کر اسے گھر میں بٹھا دیتا ہے، ہاں! یہ کہنا بجا ہے کہ عورت کا دفتر، اس کا کارخانہ اور اس کی فیکٹری، اس کا گھر قرار پائی، اور "اشیاء سازی" کے بجائے "انسانیت سازی" کی عظیم الشان خدمت اس کے سپرد کی گئی۔ جو سب سے بلند و بالا خدمت ہے اور جس پر عورت دنیا میں بھی تحسین کی مستحق ہے اور آخرت میں بھی۔ جب تک عورت اپنے اس "خاص کارخانے" میں ملازم اور اپنے اس "دفتر خاص" میں مصروف عمل رہی، تاریخ شاہد ہے کہ اس نے بڑے بڑے انسان تیار کئے۔ جن پر انسانیت کو بجا طور پر ناز اور فخر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام غزالیؒ، شاہ عبدالقادر جیلانیؒ، سلطان الاولیاء شاہ نظام الدینؒ، مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، ایسے لاکھوں سپوت کن ماؤں کی گود میں پروان چڑھے؟ یہ وہ مقدس اور پاکباز مائیں تھیں جنہوں نے کبھی اپنے گھر کے صحن سے باہر قدم نہیں رکھا بلکہ اپنے گھر میں بیٹھ کر "انسانیت گری" کارنامہ انجام دیا۔ کیا ان کے اس عظیم کارنامہ کو کوئی شخص نظر حقارت سے دیکھنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ نہیں بلکہ ان کا یہ کارنامہ انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہے۔ رہتی دنیا تک تاریخ ان کے اس کارنامے کو یاد رکھے گی:

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

یہ وہ پاکباز مائیں ہیں جن کی عظمت کے آگے جنید بغدادیؒ کے زہد و عبادت،

افلاطون کی حکمت و دانائی اور رستم کی شجاعت و بہادری کا سرخم ہے۔ لیکن افسوس کہ جب سے تہذیب مغرب نے "انسانیت کی ماں" کو انسان سازی کے کارخانے سے استعفٰی دلا کر چند ٹکوں کے لالچ میں اسے دفتروں میں کلرک بنا دیا' تب سے انسان گری کا کارخانہ ویران ہو گیا۔ اور بڑے انسانوں کی پیداوار بند ہو گئی' نسل جدید کا بغور مطالعہ کرو' جو چشم بددور مہذب اور تعلیم یافتہ خواتین کی گود میں پروان چڑھی ہے۔ کیا ان میں کوئی قدآور شخصیت نظر آتی ہے؟ یہ تھا وہ بدترین ظلم "جو آزادئ نسواں" کے خوشنما عنوان سے جدید عورت پر ڈھایا گیا کہ انسانیت کی اتالیقی کا کام چھین کر اسے دفتروں میں جوت دیا گیا اور بھولی بھالی عورت کو باور کرایا گیا کہ اسے اس کے حقوق دلائے جا رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مرد اور عورت انسانی گاڑی کے دو پہیے ہیں' اگر گاڑی کے دونوں پہیے ایک ہی سمت میں جوڑ دیے جائیں تو گاڑی کیسے چلے گی مرد اور عورت کے دائرہ کار میں قدرت نے فطری تقسیم رکھی ہے۔ دونوں کے لئے الگ الگ میدان عمل تجویز کیا ہے' دونوں کی جسمانی ساخت سے لے کر احساسات و جذبات تک میں تفاوت رکھا ہے۔ اور ہر ایک کی صلاحیت اور فطری استعداد کے مطابق اس کے ذمہ فرائض عائد کئے گئے ہیں۔ اگر اس فطری اصول سے انحراف کیا جائے گا تو نہ صرف تدبیر منزل کی گاڑی جام ہو جائے گی 'بلکہ ہر شعبہ زندگی میں ابتری و بدنظمی پھیل جائے گی جس کا مشاہدہ آج کھلی آنکھوں کیا جا سکتا ہے' یہاں اس سے بحث نہیں کہ عورتوں کو گھر سے باہر کام کاج کی کہاں تک اجازت ہے۔ اور یہ کہ اس کے کیا حدود ہیں۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ کام کاج کے لئے عورت کا گھر سے باہر نکلنا ایک ناگزیر ضرورت اور ایک مجبوری تو ہو سکتی ہے' لیکن اسے کسی طرح بھی لائق فخر روایت قرار نہیں دیا جا سکتا' اللہ تعالیٰ نے اسے فطرتاً "کسب معاش کے لئے نہیں'

بلکہ "انسانیت سازی" کے لئے تخلیق فرمایا ہے۔

یہ دیکھ کر بہت ہی صدمہ ہوا کہ اس واقعہ میں اہل علم حضرات کی جانب سے مختلف اور متضاد قسم کے بیانات سامنے آئے ہیں۔ بعض بیانات میں تو مصلحت اندیشی اور اصول فراموشی کا رنگ صاف جھلکتا دکھائی دیا۔ اہل علم کا منصب خدا اور رسول کے احکام کی ترجمانی ہے۔ ان کا فرض ہے کہ ہر قسم کے اغراض و مصالح، خوف و طمع، اور مخلوق کی داد و بے داد کے اندیشہ سے بالاتر ہو کر احکام الٰہیہ کی وضاحت و تشریح کریں۔ یہ تو بجا ہے کہ بات طریقہ و سلیقہ سے کہی جانی چاہئے، اور کسی کی دل آزاری کا اسلوب اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن ابنائے زمانہ کے ساتھ مماشات اور ان کے احساسات و خیالات میں ڈھل کر بات کرنا اہل علم کی شان سے فروتر ہے وہ خدا اور رسول کے ترجمان ہیں ان کا فرض ہے کہ کسی دینی مسئلہ کی تشریح خدا و رسول کے منشا کے مطابق کریں۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہم نے صحیح فرمایا ہے :

> "مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے باضمیر باعقیدہ، ایسے باحوصلہ ایسے باہمت فضلا پیدا کرے، جو اس ضمیرفروشی، اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کے مینار کی طرح قائم رہیں کہ وہ کہیں نہیں جاتا اپنی جگہ کھڑا رہتا ہے۔ راستہ بتاتا ہے جیسے قبلہ نما، کہ آپ کہیں ہوں وہ آپ کو قبلہ بتادے گا۔ ہندوستان میں بتائے گا، پل پر رکھیں تو بتائے گا، یہ عالم کا کام ہے کہ وہ ہر زمانہ میں قبلہ نما ہے"۔ (تعمیر حیات لکھنؤ)

اگر خدانخواستہ ہمارے اسلاف نے دینی مسائل میں مصلحت کوشی اور اصول فروشی کو اپنا شعار بنالیا ہوتا تو اب تک اس دین کا حلیہ مسخ ہو چکا ہوتا اور اسلام، خداو

رسول کے احکام کا نام نہ ہوتا، بلکہ مختلف عناصر کے جذبات و خواہشات کا مجموعہ بن کر رہ جاتا۔

اسلام میں عورت کے حقوق متعین ہیں اس کا حق ہے کہ وہ شوہر سے اپنے نان و نفقہ کا مطالبہ کرے، لیکن اسلام کی کون سی دفعہ ایسی ہے کہ شوہر کو اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا جائے۔ بعض حضرات نے عورتوں کی موجودہ بے حجابی و بے راہ روی کو سند جواز عطا کرنے کے لئے یہ استدلال فرمایا ہے کہ خواتین غزوات میں شرکت کرتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور انہیں پانی پلاتی تھیں، مگر کیا ان حضرات نے اس پر بھی غور فرمایا ہے کہ جس وقت کی وہ بات کر رہے ہیں اس وقت کیا حجاب اور ستر کے احکام نازل ہوئے تھے؟ انہوں نے اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ اگر کسی ایک آدھ غزوہ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور جاں بلب مجاہدین کو پانی پلانے کی رضاکارانہ خدمت انجام دی تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ عورتوں کو کسب معاش کے لئے دفتروں اور بازاروں میں بھی مارے مارے پھرنا چاہئے۔ انہوں نے اس پر بھی غور نہیں فرمایا کہ ان پاکباز عفت مآب اور مقدس صحابیات کے نادر واقعات کو موجودہ دور کی عریانی و بے حجابی کے جواز میں پیش کرنا ذہن و فکر کی سلامتی کی علامت ہے؟ ان حضرات کو ایسے استدلال کرنے سے پہلے سو بار سوچنا چاہئے تھا کہ فقہائے امت نے بالاجماع یہ فتویٰ کیوں دیا ہے کہ جمعہ جماعت میں عورتوں کی شرکت مکروہ ہے؟ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیوں فرماتی تھیں:

"لوادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل"۔ (صحیح بخاری ص ۱۲۰ ج ا موطا امام مالک ص ۶۹)

ترجمہ :"اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کو دیکھ لیتے جو عورتوں نے آپ کے بعد ایجاد کی ہے تو انہیں مسجد میں آنے سے منع کر دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو ممانعت کر دی گئی تھی۔"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہیں کہ :

"عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا مسجد (نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا) میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور گھر کے کمرہ میں اس کا نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے' اور پچھلے کمرہ میں نماز پڑھنا اگلے کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔
(مشکوٰۃ ص ۹۶)

اور حق تعالیٰ شانہٗ امہات المومنین رضی اللہ عنھن کو یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولی"۔ (الاحزاب آیت ۳۳)

ترجمہ :"اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور نہ دکھلاتی پھرو جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت۔"

بہرحال یہ باور کرانا کہ خواتین اسلام کو بھی اسی طرح کسب معاش کے لئے سرگرداں پھرنا چاہئے جس طرح مرد پھرتے ہیں اس حکمت الٰہیہ کو باطل کرنا ہے جو عورتوں کے مخصوص احکام سے متعلق ہے' اور دور جدید کی بے باکی و عریانی کے جواز کی سند میں حضرات صحابیاتؓ کے ایک دو واقعات پیش کرنا ان تمام احکام کی تنسیخ ہے جن کا تعلق حجاب و ستر سے ہے۔

(بینات' جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ)

اسلام اور فنونِ لطیفہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد اللہ وسلام علیٰ عباد الذین اصطفیٰ :

ادارہ ثقافت پاکستان کے زیر اہتمام چوتھی قومی نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے فیڈرل کونسل ہال (اسلام آباد) میں فرمایا :

"میری حکومت سمجھتی ہے کہ اسلام اور فنون لطیفہ میں کوئی تضاد نہیں۔ انہوں نے کہا کہ بعض حلقے اس غلط فہمی میں ہیں کہ اسلام اور فنون لطیفہ کا آپس میں کوئی میل نہیں۔ لیکن یہ نقطۂ نظر ان چند متعصب لوگوں کا ہے جو زندگی کے بارے میں بڑے تنگ نظر ہیں، اور یہ عناصر اسلام کو سچ مچ بڑا نقصان پہنچا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا اسلام ایک آفاقی مذہب ہے جو معاشرے میں صحتمندانہ ثقافتی روایات کے ذریعہ حسن عالم کو فروغ دینے کی تبلیغ کرتا ہے"۔

(نوائے وقت کراچی ۱۳ ستمبر ۱۹۸۳ء)

"فنون لطیفہ" کا مفہوم اگرچہ بڑی وسعت رکھتا ہے۔ لیکن آج کل عام طور سے یہ اصطلاح شاعری، موسیقی، مصوری اور سنگ تراشی کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ اور شاعروں، گویوں اور مصوروں کو ادیب، فنکار اور آرٹسٹ تصور کیا جاتا ہے۔ جناب صدر خواہ ان پیشوں کی کتنی ہی حمایت کریں۔ اور ان کی مخالفت کو تنگ نظری سے تعبیر فرمائیں، لیکن ہر سچا اور راست فکر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام میں ان تمام

نہاد فنون لطیفہ کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ جن کی نمائندگی ملک کے نامور گائیک اور اس نمائش میں موجود بیشتر فنکار کرتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ایسے ہی فنکار اور ان کے نام نہاد "فنون لطیفہ" ہمارے معاشرتی زوال کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے بیشتر ادیبوں، شاعروں اور قلمکاروں کی حالت وہ ہے جس کا نقشہ مولانا حالیؔ نے کھینچا ہے:

"وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر
زمیں جس سے ہے زلزلہ میں برابر ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر!
ہوا علم دیں جس سے تاراج سارا
وہ علموں میں علم ادب ہے ہمارا

برا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے
تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے مقرر جہاں نیک و بد کی سزا ہے
گنہ گار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

زمانہ میں جتنے قلی اور نفر ہیں کمائی سے اپنی وہ سب بہرہ ور ہیں
گویے امیروں کے نور نظر ہیں ڈفالی بھی لے آتے کچھ مانگ کر ہیں
مگر اس تپ دق میں جو مبتلا ہیں
خدا جانے وہ کس مرض کی دوا ہیں"

آج اخباروں، رسالوں، ڈائجسٹوں، ناولوں، افسانوں وغیرہ کے ذریعے جو اباحیت پھیلائی جا رہی ہے اور نئی نسل کو جو "ادبی زہر" کھلایا جا رہا ہے، اس کی ذمہ داری ان نام نہاد ادیبوں کے سوا اور کس پر عائد ہوتی ہے؟ کیا یہی ادب و فن ہے جس کی اسلام حمایت کرتا ہے؟ اور پھر "ترقی پسند ادب" کے ذریعے قوم کو جس طرح دین و مذہب اور خدا و رسول سے برگشتہ کیا جا رہا ہے۔ کیا وہ جناب صدر کی نظروں سے اوجھل

ہے۔ یہاں یہ بحث غیر متعلق ہے کہ اسلام کی نظر میں شعروادب مستحسن ہے یا نہیں؟ اور ہے تو اس کے حدود کیا ہیں؟ یہاں قابل لحاظ یہ چیز ہے کہ جن ادیبوں اور شاعروں کے مجمع میں بیٹھ کر جناب صدر انہیں "خدمت اسلام" کی سند عطا فرما رہے ہیں ان میں بیشتر حضرات کو "اسلامی شعروادب" سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں؟ اور ان کی سیرت و صورت میں اسلام کی کوئی سی جھلک بھی نظر آتی ہے؟

اسی طرح موسیقی اور تصویر سازی کو منشائے اسلام قرار دینا اور اس کی مخالفت کو تنگ نظری سے تعبیر کرنا بھی ہماری عقل و فہم سے بالاتر ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ساز و آواز اور راگ رنگ کو شریعت اسلامیہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اور جاندار چیز کی تصویر بنانے والوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ لیکن یہ دونوں لعنتیں آج "فنون لطیفہ" میں شمار کی جاتی ہیں۔

اسلام آباد میں دینی مدارس کے علماء اور ماہرین تعلیم کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے فرمایا کہ :

> "اسلامی نظام کا مکمل نفاذ اور خاص طور پر اسلامی عدل کے نظام کا نفاذ ان کی زندگی کا مطمح نظر ہے۔ صدر نے علماء سے دردمندانہ اپیل کی کہ وہ حکومت کی مدد اور اس کی رہنمائی کریں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے حال ہی میں معاشرے کی اصلاح کا عمل شروع کیا ہے، علماء مساجد کے ذریعے معاشرہ کو تمام برائیوں سے پاک کرنے اور اسے اسلام کی رو پر گامزن کرنے کے لئے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں"۔

جناب صدر اسلامی نظام کے نفاذ کی جو مخلصانہ کوشش فرما رہے ہیں۔ اس کے

لئے وہ عنداللہ اجر کے اور عندالناس شکر کے مستحق ہیں۔ تاہم اس سلسلہ میں چند چیزیں قابل گزارش ہیں :

اول : یہ کہ اسلامی نظام کے نفاذ کی طرف جس رفتار سے پیش رفت ہو رہی ہے اس کو دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے عمر نوح بھی کافی نہیں ہوگی۔ اور جناب صدر کی یہ خوش آئند تمنا' جو ان کی زندگی کا مطمح نظر ہے۔ شاید صبح قیامت سے پہلے پوری نہ ہو سکے گی ——— اگر وہ اس مبارک عزم کو عملی شکل میں جلوہ گر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے مومنانہ جرأت اور انقلابی اقدامات کی ضرورت ہے۔ تدریج اور سہل روی کا اصول بظاہر بہت حزم و احتیاط کا حامل ہے۔ لیکن تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ اس تدریج اور سہل روی سے دو عملی پیدا ہوگی۔ اور اسلامی نظام کا نفاذ روزبروز مشکل سے مشکل تر ہوتا جائے گا۔ غالباً موجودہ حکمت عملی یہ ہے کہ جو عناصر اسلامی نظام سے بدکتے ہیں انہیں ناراض کرنے کا خطرہ مول نہ لیا جائے۔ لیکن ہمارا احساس یہ ہے کہ یہی حکمت عملی اب تک اسلامی نظام کے راستے میں حائل رہی ہے' اور جب تک اس خطرہ کا سامنا نہیں کیا جائے گا اسلامی نظام کے نفاذ کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا' پس صحیح حکمت عملی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی و ناراضی کو پیش نظر رکھا جائے' اور اس کے مقابلہ میں کسی فرد یا جماعت کی رضا و عدم رضا کی پروا نہ کی جائے۔

دوم : اسلامی نظام کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ ہماری افسر شاہی ہے۔ جس کی تعلیم و تربیت اور ذہنی تخلیق مغربی خطوط پر ہوتی ہے' اور جو اسلامی نظام کو مغربی پیمانوں میں ڈھالنے کی خواہاں ہے' جب تک اعلیٰ افسران کی ذہنی تربیت اسلامی خطوط

پر نہ ہو اسلامی نظام کا مکمل نفاذ از حد مشکل ہے۔ جناب صدر کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ حکومت کی مشینری خود بھی اسلامی شعائر کی پابند اور اسلامی اقدار کی حامل ہو۔ جو حضرات نماز روزہ جیسے اسلامی فرائض کی بجا آوری سے بھی محروم ہوں ان سے اسلامی نظام کے احیا کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

سوم : اسلامی نظام کے جس حصہ کو نافذ کرنا ہو اسے پورا نافذ کیا جائے کسی حصہ کا ادھورا انفاذ مشکلات کا موجب ہو گا۔ مثلاً ملک میں اسلامی حدود کا نفاذ کیا گیا ہے۔ (اگرچہ اس کی تعمیل اب تک نہیں ہو سکی) لیکن "سزائے مرتد" کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یعنی اسے کاغذی طور پر بھی نافذ نہیں کیا گیا اور اسے نظر انداز کرنے کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں بتائی گئی۔ گویا عملی طور پر یہ تاثر دیا گیا ہے کہ اسلام میں مرتد کی کوئی سزا نہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ پاکستان کی اسلامی حکومت اسے اسلامی تعزیرات میں جگہ نہ دیتی۔

اس کی دوسری مثال زکوٰۃ کا صدارتی حکم ہے ـــــ اہل علم جانتے ہیں کہ اسلامی شریعت نے مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے اور س کے مقابلہ میں غیر مسلموں پر "جزیہ" لگایا ہے۔ ہمارے ہاں جب زکوٰۃ کا حکم نافذ کیا گیا تو لازم تھا کہ اسی کے ساتھ "جزیہ" کا حکم بھی نافذ کیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہو گا (اور یہ محض مفروضہ نہیں بلکہ واقعہ ہے) کہ بعض لوگ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اپنے تئیں ان باطل فرقوں میں شمار کرائیں گے جن پر زکوٰۃ لاگو نہیں۔ گویا زکوٰۃ کو بغیر جزیہ کے نافذ کرنا بالواسطہ لوگوں کو غیر مسلم کہلانے کی ترغیب کا موجب ہے یہ حکم زکوٰۃ کے نفاذ میں ایسا رخنہ ہے جس کا انسداد لازم ہے۔ الغرض اسلامی نظام کے کسی حصہ کے ادھورے نفاذ سے بہتر ہے کہ اس حصہ کو چھیڑا ہی نہ جائے۔ اور اگر اس حصہ کے نفاذ کی خواہش ہو تو لازم ہے کہ اسے اپنے سیاق و سباق کے ساتھ پورا نافذ کیا جائے۔

جہاں تک حکومت کے اصلاح معاشرہ کی مہم کا تعلق ہے۔ یہ بڑی مبارک ہے۔ اور اگر حکومت واقعتاً صدق دل سے اصلاح معاشرہ کا بیڑا اٹھاتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرات علماء اس کار خیر میں حکومت سے تعاون نہ کریں۔ مگر ضروری ہے کہ اصلاح معاشرہ کا جو لائحہ عمل حکومت نے مرتب کیا ہے۔ اسے شائع کیا جائے۔ غالباً اس بات کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اصلاح معاشرہ کا اولین قدم یہ ہے کہ ان تمام عوامل کا انسداد کیا جائے جو معاشرہ کے بگاڑ کے موجب ہیں۔ اور ان تمام فتنوں کا دروازہ بند کر دیا جائے جن سے شر و فساد کے چشمے ابلتے ہیں ان میں سرفہرست یہ چیزیں ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے اخلاق سوز پروگرام، سینما اور تھیٹر مرد و زن کا بے حجابانہ اختلاط اخبارات و رسائل کے غیر صحتمندانہ فیچر وغیرہ، جب تک شر و فساد کے ان گندے چشموں کو بند نہیں کیا جاتا۔ اصلاح معاشرہ کی کوئی مہم کارگر نہیں ہو گی۔

(واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل)

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا
من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔
اللھم انا نسئلک من خیر ما سئلک منہ
نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

صدر پاکستان کی خدمت میں چند گزارشات

اخباری اطلاع کے مطابق صدر محترم جنرل محمد ضیاء الحق صاحب مشرق بعید کے دورے کے پہلے مرحلے پر جب رنگون پہنچے تو انہوں نے بدھ مذہب کی دو ہزار سالہ پرانی عبادت گاہ "سنہری مندر" کی زیارت بھی کی' مندر کے وسط میں رکھی ہوئی سنہری مورتی پر پھول چڑھائے' اور مندر کے باہر چالیس ٹن وزنی گھنٹی بھی تین بار بجائی' جس کے بارے میں بدھ مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کو تین بار بجانے سے دل کی مراد پوری ہوتی ہے۔

(جنگ' کراچی' ۷ مئی ۱۹۸۵ء)

ممکن ہے جناب صدر کا یہ طرز عمل ان بین الاقوامی رسوم و آداب کا ایک حصہ ہو جن کا بجالانا بیرونی ممالک کا دورہ کرنے والے کسی "مہمان صدر" کے لئے مناسب سمجھا جاتا ہے' لیکن پاکستان کے ایسے صدر محترم سے' جو اسلام کے داعی و نقیب کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں اور جو "نفاذ اسلام" کو اپنی زندگی کا واحد مشن قرار دیتے ہیں' ان افعال کا صدور نہایت تعجب انگیز ہی نہیں' حد درجہ افسوسناک بھی ہے۔ اول تو "مندر" کی زیارت ہی اسلامی مزاج سے کوئی میل نہیں کھاتی۔ اور نہ یہ کسی باوقار اسلامی مملکت کے لائق احترام صدر کے شایان کہلاسکتی ہے' اس سے قطع نظر کسی سفید یا سنہری بت پر پھول چڑھانا تو صاف صاف شعار کفر کی تعظیم کے مترادف ہے۔

اسی طرح سنہری مندر کی چالیس ٹن وزنی گھنٹی کو حاجت براری کا ذریعہ سمجھنا بھی بودھ مذہب کا شعار ہے اور ہمارے صدر محترم اور ان کے رفقاء کا یہ گھنٹی بجانا بھی شعار کفر کو اپنانے کے زمرے میں آتا ہے۔

ہمیں جناب صدر سے حسن ظن ہے کہ نہ تو انہوں نے شعار کفر کی تعظیم کا قصد کیا

ہوگا' اور نہ شعار کفر کو اپنانا ہی ان کا مقصد ہوگا' بلکہ یہ افعال محض رواداری میں ان سے سرزد ہوئے ہوں گے۔ اس لئے اس پر بالقصد شعار کفر کی تعظیم یا شعار کفر کو اپنانے کے احکام مرتب نہیں ہوں گے تاہم یہ افعال نہایت سنگین ہیں اور محض رواداری کے طور پر بھی ان کا ارتکاب جائز نہیں' مولانا سید زوار حسین صاحب "عمدۃ الفقہ" کتاب الایمان میں لکھتے ہیں :

"قسم پنجم : وہ افعال ہیں کہ جن سے انکار یا شک صراحۃً یا اشارۃً سمجھا جائے مثلاً ....یا ثواب جان کر کفر کی کسی رسم کو عمل میں لایا۔ مثلاً زنار گلے میں ڈالا' یا صلیب ڈالی' یا ہنود کی مانند ماتھے پر ٹیکہ لگایا۔ یا ہولی' دیوالی اور نوروز کو منایا۔ یا مجوس کی سی ٹوپی پہن لی' یا کفار کی سی شکل وصورت وضع قطع بنالی' یا ان کے کسی خاص لباس کو پہنا' پس اگر ان باتوں کو اچھا جان کر کرے گا تو کافر ہوجائے گا' اور اگر گناہ جان کر کرے تو سخت گنہ گار ہوگا۔ مگر کافر نہ ہوگا' اگر عذر کے ساتھ یعنی کسی کے خوف سے کرے گا' کہ اگر نہ کرے گا تو مار ڈالے گا' یا ان کے ملک میں سے گزر نہ سکے گا اور ضرر پہنچے گا تب بوجہ ضرورت شرعی گناہ بھی نہیں۔ یا بت یا قبروں کو سجدہ کیا ان سب صورتوں میں وہ شخص کافر ہوگیا۔ کیونکہ یہ تمام افعال دین کے انکار یا شک پر دلالت کرتے ہیں"۔

(عمدۃ الفقہ' ص ۶۴' ج ۱)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب جامع الفصولین میں ہے :

ولو انہ عبداللہ خمسین سنۃ ثم جاء یوم النیروز فاھدی الی بعض المشرکین یرید بہ تعظیم ذالک الیوم کفر ۔

(ص ۳۰۲ ج ۲)

ترجمہ: اور کسی شخص نے پچاس سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہو'

پھر نوروز کے دن کسی مشرک کو ہدیہ بھیج دے، جس سے مقصود اس دن کی تعظیم ہو تو کافر ہو جائے گا"۔

شیخ یوسف بن جنید التوقادی (۹۰۲ھ) ہدیہ المہدیین میں لکھتے ہیں :

موافقة الكفار فی افعالهم فی ایامهم الشریفة وغیرها واستحسان حکم من احکام دینهم کفر۔

(ص ۴۶)

ترجمہ: "کفار کے ساتھ ان کے افعال و احوال میں موافقت کرنا خواہ ان کے مخصوص قومی دنوں میں ہو، یا دوسرے دنوں میں، اور ان کے دین کے احکام میں سے کسی حکم کو مستحسن جاننا کفر ہے"۔

عام کتب فقیہ میں اس مسئلہ کی مزید تفصیلات بھی مذکور ہیں، جنہیں یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں، خلاصہ یہ کہ کفار کے احوال و افعال میں ان کے ساتھ موافقت کرنے کی تین صورتیں ہیں :

ایک یہ کہ ان کے احوال و افعال کو بنظر استحسان دیکھ کر ان کا ارتکاب کرے، یہ تو صریح کفر ہے۔

دوم یہ کہ ان کو غلط اور گناہ سمجھ کر کرے، یہ کفر تو نہیں لیکن سنگین گناہ ہے جس سے توبہ کرنا واجب ہے۔

سوم یہ کہ کسی شرعی عذر کے تحت ان کا کرنا ناگزیر ہو۔ مثلاً کوئی مسلمان کافروں کے ملک سے گزرنا چاہتا ہے اور اسے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اور اسے یہ خطرہ ہے کہ اگر ان کفار کو معلوم ہو گیا کہ یہ مسلمان ہے تو اسے قتل کر دیں گے، یا گرفتار کر لیں گے، اس مجبوری کے تحت وہ کافروں کی سی شکل و وضع بنا کر گزر جاتا ہے تو گنہ گار نہیں ہو گا۔

جناب صدر اور ان کے رفقاء کا معاملہ تیسری قسم میں تو نہیں آتا، اور ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ پہلی قسم میں بھی وہ داخل نہیں، تاہم دوسری قسم میں داخل ہونا قطعی ہے۔ چونکہ جناب صدر کی شخصیت بہت ہی ممتاز اور بلند و بالا ہے اس لئے ان سے اس غلطی کا

صدور بھی اتنا ہی سنگین ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اس غلطی کو معاف فرمائیں، اور عام مسلمانوں کو اسلام سے محبت کے ساتھ کفر اور شعار کفر سے نفرت و غیرت بھی نصیب فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد
وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

غیر مسلموں کی تقریب میں
تلاوتِ قرآن کا حکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد

اخباری اطلاع کے مطابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ہندو پنچایت کمیٹی کے عشائیہ میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ تلاوت کے لئے کسی مشہور قاری کا انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ ہنگامی طور پر پہلے ایک صحافی سے تلاوت کرنے کی درخواست کی گئی۔ اس کے بعد نظر انتخاب کے پی ٹی کے ریزائیڈنٹ ایم آئی ارشد پر پڑی چنانچہ انہوں نے تلاوت قرآن پاک کی جسے بعد میں اس تقریب کی ایک انفرادیت قرار دیا گیا تلاوت قرآن پاک کے بعد مہند بلدیو شیو داس نے اپنی مقدس کتاب بھگوت گیتا کا پاٹ کیا۔ پروفیسر آئر نے سنسکرت میں اشوک پیش کیا جب کہ دو چھوٹے بچوں نے آرتی کے طور پر دعا کی اور پاکستان پائندہ باد کا نعرہ لگایا۔

صدر نے کہا کہ سب سے زیادہ مسرت کی بات یہ ہے کہ اس تقریب میں ایم آئی ارشد نے تلاوت قرآن پاک کی۔ مہند بلدیو نے گیتا کا پاٹ کیا اور پروفیسر آئر نے اشوک پیش کیا۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۰ اکتوبر ۸۵ء)

جناب صدر کو قرآن کریم سے شغف ہے اور ہر تقریب کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت سے کرانے کے عادی ہیں۔ یہ جذبہ بہت ہی قابل قدر اور لائق ستائش ہے مگر ہندوؤں کی ایک مذہبی تقریب کے افتتاح کے لئے اس جذبہ کا استعمال بہت ہی غلط اور بے

محل قرار دیا جائے گا۔ کسی تقریب کے آغاز میں قرآن کریم کی تلاوت خیروبرکت کے لیے کی جاتی ہے' قرآن کریم کے تقدس کا تقاضا یہ ہے کہ جس تقریب کا افتتاح تلاوت سے کیا جا رہا ہو وہ اسلامی نقطہ نظر سے کم از کم صحیح اور جائز تو ہو۔ کسی ناجائز کام کا افتتاح قرآن کریم کی تلاوت سے کرنا نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ قرآن کریم کی اہانت اور بے ادبی کو متضمن ہے۔ افسوس ہے کہ آج کل یہ دیکھنے اور سوچنے کی زحمت نہیں کی جاتی کہ جس چیز کا افتتاح قرآن کریم کی تلاوت سے کیا جا رہا ہے وہ ہے صحیح یا غلط؟ جائز ہے یا ناجائز؟ حلال ہے یا حرام؟ آج سینماؤں 'سودی اداروں 'فحاشی کے اڈوں' غیر اسلامی تقریبات اور راگ رنگ کی محفلوں کا افتتاح بھی بلاتکلف قرآن کریم کی تلاوت سے کیا جاتا ہے اور اس کو نہ صرف مستحسن بلکہ کارثواب سمجھا جاتا ہے۔ غیر مسلموں کی ایک مذہبی تقریب کا قرآن کریم کی تلاوت سے افتتاح بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

اس تقریب میں قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ "بھگوت گیتا" کا پاٹ کیا گیا' اشوک پیش کیا گیا۔ اور ہندوانہ طرز پر دعا کی گئی۔ یہ مظاہرہ اگر کسی "وحدت ادیان" کے داعی کی طرف سے ہوتا تو تعجب نہ ہوتا۔ مگر جناب صدر کی طرف سے اس کا مظاہرہ بہت ہی عجیب ہے جس سے نہ صرف اس تقریب کے شرکاء کو بلکہ ان تمام لوگوں کو بھی' جنہوں نے یہ خبر پڑھی' یہ تاثر ملا ہوگا کہ تمام مذاہب اپنی اپنی جگہ برحق ہیں۔ اور تمام مذہبی کتابیں یکساں احترام کے لائق ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے جب جناب صدر برما تشریف لے گئے تھے تو انہوں نے بدھوں کی مذہبی رسوم میں عملی شرکت کرکے رواداری کا مظاہرہ فرمایا تھا۔ اور اب ہندوانہ رسوم کو داد تحسین دی ہے۔

سوخت عقل زحیرت این چہ بوالعجبیست۔

مشکوٰۃ شریف (صفحہ ۳۲) میں بروایت دارمی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہودیوں کے بیت المدارس سے توریت کا نسخہ لے آئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ توریت کا نسخہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے پڑھنے لگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے چہرہ انور کا رنگ بدلنے لگا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تجھے رونے والیاں روئیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی کیفیت نہیں دیکھتا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اوراق فوراً لپیٹ دیئے اور اللہ و رسول کے غصہ سے پناہ مانگتے ہوئے کہا :

اعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ رضینا باللہ ربا وبالا سلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

والذی نفس محمد بیدہ لوبدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولوکان حیا وادرک نبوتی لا تبعنی۔

ترجمہ :"اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے سامنے ظاہر ہو جاتے اور تم ان کی پیروی کر لیتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو راہ راست سے بھٹک جاتے اور اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پا لیتے تو وہ خود میری پیروی کرتے۔"

غور فرمایئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو توریت کے نسخہ پڑھنے پر اس قدر غیظ و غضب کا اظہار فرماتے ہیں اور ہمارے صدر محترم فرماتے ہیں :

"سب سے زیادہ مسرت کی بات یہ ہے کہ اس تقریب میں ایم آئی ارشد نے تلاوت قرآن پاک کی' مہندبلدیو نے گیتا کا پاٹ پیش کیا اور پروفیسر آئر نے اشوک پیش کیا۔

"ببین تفاوت راہ از کجا است تا بکجا"

کاش! جناب صدر ایسی تقریبات میں شرکت سے پہلے کسی عالم حقانی سے مشورہ کر لیا کریں' محض اپنے اجتہاد پر عمل نہ فرمایا کریں۔

محتسب کا احتساب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی' اما بعد

روزنامہ جنگ کراچی کی ۱۲ جنوری کی اشاعت میں صفحہ ۹ پر ایک تصویر شائع ہوئی ہے' اور اس کے نیچے یہ خبر شائع ہوئی ہے :

"لاہور کے مقامی ہوٹل میں ہیلپنگ ہینڈ سوسائٹی کی محفل موسیقی میں گلوکارہ عابدہ پروین کی آمد سے قبل دھمال کی دھن پر ریٹائرڈ کرنل اسلم نیازی رقص کر رہے ہیں۔ جب کہ وفاقی محتسب جسٹس سردار اقبال اور دیگر شرکاء داد دے رہے ہیں"۔

اسلامی حکومت میں محتسب کا عہدہ ایک بہت ہی مقدس و محترم عہدہ ہے۔ جس کا اصل موضوع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور جس کی غرض وغایت اسلامی معاشرہ کو ان قباحتوں سے بچانا ہے جو اس کی دینی اخلاقی اور معاشرتی حیثیت کو مجروح کرتی ہیں۔ امام ابو الحسن علی بن محمد بن الحبیب البصری البغدادی الماوردی "الاحکام السلطانیہ" میں لکھتے ہیں :

الحسبة: ھی امر بالمعروف اذا ظھر ترکہ' ونھی عن المنکر اذا ظھر فعلہ

(ص ۲۴۰۔ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱۹۶۶)

ترجمہ :"احتساب سے مراد ہے "معروف" کا حکم کرنا جب اس کا ترک ظاہر ہونے لگے۔ اور "منکر" سے روکنا' جب اس کا ارتکاب ظاہر ہونے لگے"۔

چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر محتسب کے فرائض میں شامل ہے اس لئے ضروری ہوا کہ وہ خود کسی "معروف" کا تارک اور کسی "منکر" میں ملوث نہ ہو الماوردی لکھتے ہیں :

واذا کان کذالک فمن شروط والی الحسبۃ ان یکون حرا عدلا ذا رای وصرامۃ وخشونۃ فی الدین وعلم المنکرات۔ (ص ۲۴۱)

ترجمہ :" اور جب عہدہ احتساب کی یہ حیثیت ہے تو یہ بات محتسب کے شرائط میں داخل ہے کہ وہ آزاد ہو' علانیہ فسق وفجور کا مرتکب نہ ہو' صاحب رائے ہو۔ فیصلہ کی صلاحیت رکھتا ہو' دین کے معاملہ میں سخت مزاج ہو اور "منکرات" کا علم رکھتا ہو۔"

رقص و سرود کی یہ محفلیں جنہوں نے ہمارے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے' جنہیں قومی ذرائع ابلاغ پر بڑے اہتمام سے نشر کیا جاتا ہے اور جو ہماری اونچی سوسائٹی کی روحانی غذا بن کر رہ گئی ہیں' شرعاً ان کا شمار بدترین "منکرات" میں ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے ان کو "لھو الحدیث" قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورہ لقمان کی آیت ۶ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ حضرت عبداللہ بن مسعود' ابن عباس' جابر' عکرمہ' سعید بن جبیر' مجاہد' مکحول' عمرو بن شعیب' علی بن بذیمہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہم سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد غنا و مزامیر ہے۔ (ص ۴۴۲ ج ۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

لیشربن من امتی الخمر یسمونھا بغیر اسمھا۔ یعزف علی روسھم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بھم الارض ویجعل منھم القردۃ والخنازیر۔ (ابن ماجہ ص ۲۹۰' سنن کبریٰ بیہقی ص ۲۲۱ ج ۱۰)

ترجمہ: "میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے جس کا نام بدل لیں گے۔ ان کے سامنے موسیقی کے آلات بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دیں گے' اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کردیں گے"۔

صحیح بخاری (ص ۸۳۷ ج ۲) اور ابو داؤد (ص ۲۰۳ ج ۲) میں ہے:

لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف الحدیث

ترجمہ: "میری امت کے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور گانے بجانے کو حلال کردیں گے"۔

وفاقی محتسب اعلیٰ کا منصبی فریضہ یہ تھا کہ وہ ان منکرات کے خلاف جہاد کرتے اور پاکستانی معاشرے سے ان کی جڑیں اکھاڑ پھینکتے' اور کم از کم درجہ میں ان کے منصبی وقار کا تقاضا یہ تھا کہ وہ خود ان میں ملوث نہ ہوتے۔ لیکن تعجب بالا تعجب یہ ہے کہ محتسب اعلیٰ ان فواحش و منکرات کی سرپرستی فرماتے ہیں (اور ممکن ہے کہ وہ ان کو گناہ ہی نہ سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ حدیث میں پیش گوئی کی گئی ہے) لیکن پاکستان میں کس کی ہمت ہے کہ خود محتسب کا احتساب کرسکے؟ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

(جمادی الاخریٰ ۱۴۰۶ھ)

اسلحہ کی بغاوت، سانحہ اوجڑی کیمپ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بتاریخ ۱۱ اپریل کو اسلام آباد اور سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی کے درمیان اوجڑی کیمپ میں گولہ بارود کے ذخیرہ میں آگ لگنے کا جو سانحہ پیش آیا وہ ایسا ہولناک تھا کہ اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، پاکستان کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے، جس میں سرکاری اطلاع کے مطابق سو سے زیادہ اور غیر سرکاری اطلاع کے مطابق ہزار سے زیادہ افراد لقمہ اجل بن گئے، بے شمار لوگ زخمی ہوگئے۔ بہت سے اعضاوجوارح سے محروم ہوگئے، لاتعداد مکانات منہدم ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وطن عزیز پر جن آلام ومصائب کی مسلسل بارش ہورہی ہے مذکورۃ الصدر سانحہ ان میں ایک عبرت انگیز اضافہ ہے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جو کوئی غیر معمولی حادثہ رونما ہو تو حکومت اس کی تحقیقات کے لئے کمیشن بٹھاتی ہے، لاکھوں روپیہ تحقیقات کے نام پر برباد کردیا جاتا ہے لیکن نتیجہ صفر، حادثہ کا کوئی سراغ نہ مل سکے تو اس کو محض ایک "اتفاقی حادثہ" قرار دے دیا جاتا ہے، حالانکہ بخت واتفاق کا نظریہ ایک دہریے کا تو ہوسکتا ہے، کسی مسلمان کا نہیں، مسلمان تو اس کا قائل ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے مشیت الٰہیہ کے ماتحت ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں بار بار اس حقیقت سے آگاہ فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں جس قدر آلام ومصائب پیش آتے ہیں یہ سب ہمارے اعمال کا رد عمل اور ہماری بد عملیوں کی شامت ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر۔

ترجمہ :"اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ"۔

(ترجمہ حضرت شیخ الہند)

ایک اور جگہ ارشاد ہے :

وما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک۔ (النساء، ۷۹)

ترجمہ :" جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھ کو برائی پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے ہے"۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

حکومت حسب معمول اس سانحہ کی بھی تحقیقات کرائے گی اور اس کا نتیجہ بھی "کوہ کندن وکاہ آوردن" کا مصداق ہوگا' اور چند دنوں کے بعد بات لوگوں کو بھول بھلا جائے گی۔ قرآن کریم کے مندرجہ بالا ارشادات کی روشنی میں اس حادثہ کا اصل سبب تو احکام خداوندی سے بغاوت ہے۔ خصوصاً ان دنوں شریعت کے خلاف جو بار بار زہر اگلا جارہا ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ پورے پاکستان کو اوجڑی کیمپ بنادیا جائے۔ ہماری بغاوت کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ۹ اپریل ۱۹۸۸ء کو کراچی میں "اپوا کانفرنس" سے خطاب میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے جج ڈاکٹر جاوید اقبال نے قانون زنا پر کھلے الفاظ میں تنقید کی' اور کہا :

" ہم نے پاکستان میں عورت کو نہ صرف اس قانونی تحفظ سے محروم کردیا ہے جو اسے ضابطہ فوجداری کے تحت حاصل تھا بلکہ حقیقت پسند مصلحین کی خواہش کے مطابق وقت کے نئے تقاضوں اور قوم کی بدلتی ہوئی ضرورت کو مدنظر رکھ کر اجتہاد کے بغیر قانون زنا کو ایسی شکل میں نافذ کیا ہے کہ گنہ گار اور معصوم میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا ہے' اور پہلے ہی سے مظلوم عورت مزید ذلیل وخوار ہوگئی ہے"۔

" انہوں نے کہا کہ قانون زنا کے نفاذ سے پاکستان میں عورت کے

حقوق پامال ہوئے ہیں زنا بالجبر کا نشانہ بننے والی عورت کو ہمیشہ مجرم کے طور پر خود سزا بھگتنے کا اندیشہ رہے گا"۔

(جنگ کراچی مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء)

پاکستان سپریم کورٹ کے جج نے مندرجہ بالا فقرات میں اسلام کے قانون زنا پر جس باغیانہ اور کافرانہ انداز میں تبصرہ کیا ہے اس کے بعد یہ اندیشہ نہیں کہ اس قوم کو خسف و مسخ اور قذف ورجم کی سزا دی جائے اس تقریر سے واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر جاوید اقبال میں اگر کوئی خوبی ہے تو بس یہ کہ وہ شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کے صاحبزادے ہیں' ورنہ ان کے عقائد و نظریات اسلامی نقطہ نظر سے نہایت مایوس کن ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ تقریر چشم بددور "اپوا" کی اسٹیج پر ملک کے وزیر اعظم جناب محمد خان جونیجو کی صدارت میں ہوئی۔ موصوف نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا :

"ان کے تین سالہ دور میں کوئی ایسا آرڈی نینس نافذ نہیں کیا گیا' جو قرآن وسنت کے منافی ہو' زنا آرڈی نینس اور دوسرے کئی آرڈی نینس انہیں مارشل لا کے ترکہ میں ملے ہیں"۔

" انہوں نے کہا کہ زنا آرڈی نینس اور کئی دوسرے آرڈی نینس ان سے پہلے کے نافذ کئے ہوئے ہیں' اگر ہمارے دور کے تین سال میں ایسا کوئی آرڈی نینس بنایا جائے جو اسلام اور عوام کی خواہشات کے مطابق نہ ہو تو میں اس کی تنسیخ کا فوراً اعلان کردوں گا"۔

(جنگ کراچی ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء)

اندازہ فرمایئے! پاکستان عدلیہ کا ایک اہم رکن اسلام کے قانون زنا کو بھرے جلسہ میں ظالمانہ کہتا ہے اور ملک کا وزیر اعظم اس کی تائید و تصدیق کرتے ہوئے اسے مارشل لا کا ترکہ قرار دے کر اس پر معذرت کرتا ہے۔

تاریخ ۹ اپریل کو ان باغیانہ خیالات کا اظہار کیا گیا' دس اپریل کے اخبارات میں ان کی اشاعت ہوئی' اسی دن اوجڑی کیمپ کا حادثہ پیش آیا۔ صاف نظر آتا ہے کہ اسلحہ کی

بغاوت، ہماری بغاوت کا رد عمل ہے جس کا علاج یہ ہے کہ اس جرم سے توبہ کی جائے۔ اس سانحہ پر راقم الحروف نے جو ٹیلی گرام وزیر اعظم کے نام بھیجا اس میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ چنانچہ تار کا مضمون یہ تھا:

"عزت مآب محمد خان جونیجو، وزیر اعظم پاکستان، اسلام آباد

میرا خیال ہے کہ مسٹر جسٹس جاوید اقبال نے ۹ اپریل کو اپوا کے جلسہ میں جو ملحدانہ تقریر کی اور جس کی آپ نے معذرت پسندانہ توثیق و تائید کی، یہ قدرت کی جانب سے اس کا رد عمل ہے، "حد زنا" اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر کردہ قانون ہے۔ جب خدا و رسول کے احکام کو اس طرح جلسہ عام میں ٹھکرایا جائے اور ٹھکرانے والا بھی برسر اقتدار طبقہ ہو تو غضب الٰہی کا بھڑکنا محل تعجب نہیں۔ میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے الفاظ سے توبہ کریں اور یہ اعلان کریں کہ اللہ و رسول کے بیان فرمودہ تمام احکام کو ہم دل و جان سے قبول کرتے ہیں اور حکومت بلا خوف لومۃ لائم ان کو نافذ کرنے کی پابند ہے۔

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی"

عام خیال یہ ہے کہ یہ سانحہ تخریب کاری کا نتیجہ ہے، کراچی کے واقعات میں بھی عوامی ذہن یہی ہے کہ یہ خاص گروہ کی کارستانی ہے، لیکن حکومت ان واقعات کے اصل مجرموں کو پکڑنے سے قاصر رہتی ہے۔ اوجڑی کیمپ کے حادثہ میں بھی یہی ہوگا کہ اصل مجرم درپردہ رہیں گے اور تحقیقات کا دھارا کسی اور طرف بہہ نکلے گا۔ ہماری رائے میں کمیونسٹ، قادیانی اور رافضی تثلیث ان حوادث و واقعات کی اصل ذمہ دار ہے۔ اس ضمن میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت شعبہ خواتین کی صدر مس ناہید صاحبہ کا درج ذیل بیان بھی توجہ طلب ہے:

"اوجڑی کیمپ میں دھماکہ قادیانی افسروں نے کرایا ہے"۔

"عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی رہنما مس ناہید کا بیان"۔

"عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان شعبہ خواتین کی صدر مس ناہید جہاں لودھی نے وزیر اعظم پاکستان کے نام تحریری درخواست میں انکشاف کیا ہے کہ اوجڑی کیمپ میں دھماکہ قادیانی فوجی افسروں نے کرایا ہے' کیونکہ میزائلوں کا ازخود چلنا ناممکن ہے' ان کو صرف تربیت یافتہ فوجی چلاسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا میزائل ڈبوں میں بند ہوتے ہیں اور بغیر چارجنگ فیوز اور ڈیٹونیٹر کے فضا میں از خود اڑ نہیں سکتے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ تمام میزائلوں میں ڈیٹونیٹر فٹ تھے۔ قادیانیوں کی بڑی تعداد ۲ روز قبل راولپنڈی سے باہر چلی گئی تھی۔ آرڈی نینس ڈپو اوجڑی کیمپ کے قادیانی افسر ڈیوٹی سے غیر حاضر تھے۔ مس ناہید نے وزیر اعظم سے مطالبہ کیا ہے کہ تحقیقات کرکے تخریب کاری کے ذمہ دار افسروں کو عبرت ناک سزا دی جائے۔"

(جنگ کراچی ۱۹ اپریل ۱۹۸۸ء)

غوث علی شاہ کا سہ سالہ اقتدار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:
حکومت واقتدار بڑی مرغوب چیز ہے، لیکن اس کی ذمہ داریاں بڑی سنگین ہیں، اور ان سے عہدہ براہونا ازبس مشکل ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

ما من وال یلی رعیۃ من المسلمین فیموت وھو غاش لھم الا حرم اللہ علیہ الجنۃ۔

(متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ص۳۲۱)

ترجمہ: "جو شخص کسی مسلمان رعایا کا حاکم بنے، پھر اس کی موت اس حالت میں آئے کہ ان کی حق تلفی کرنے والا ہو، اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کردیں گے"۔

صحیحین ہی کی ایک اور حدیث میں ہے:

ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیۃً فلم یحطھا بنصیحۃ الا لم یجد رائحۃ الجنۃ۔ (صحیحین)

ترجمہ: "جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے رعیت کا حاکم بنایا پھر اس نے خیر خواہی سے اس کی نگہداشت نہیں کی وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا"۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے:

ما من رجل یلی امر عشرۃ فما فوق ذالک الا

آتاہ اللہ عز وجل مغلولا یوم القیامۃ یدہ الی عنقہ فکہ برہ او اوبقہ اثمہ' اولھا ملامۃ واوسطھا ندامۃ وآخرھا خزی یوم القیامۃ۔

(مشکوٰۃ ص ۳۲۳)

ترجمہ :" جو شخص دس یا اس سے زیادہ افراد کا حاکم بنا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ایسی حالت میں لائیں گے کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن میں حمائل ہوں گے' پھریا تو اس کا عدل اس کو چھڑالے گا' یا اس کا گناہ اس کو ہلاک کردے گا"۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے :

انکم ستحرصون علی الامارۃ' وستکون ندامۃ یوم القیامۃ' فنعم المرضعۃ وبئست الفاطمۃ

(مشکوٰۃ ص ۳۲۰)

ترجمہ :" بے شک تم حاکم بننے کی حرص کروگے' اور یہ قیامت کے دن موجب ندامت ہوگی' پس یہ دودھ پلاتی ہے تو خوب پلاتی ہے اور جب دودھ چھڑاتی ہے تو بری طرح چھڑاتی ہے"۔

سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ جناب سید غوث علی شاہ صاحب ۶ر اپریل کو مستعفی ہوگئے۔ موصوف چونکہ کرسی عدالت سے مسند اقتدار پر رونق افروز ہوئے تھے اس لئے توقع یہی کی جاتی تھی کہ وہ عدل وانصاف سے آداب جہانبانی کی رعایت ملحوظ رکھیں گے۔ لیکن افسوس کہ ان کا سہ سالہ اقتدار لائق رشک ثابت نہیں ہوا' اور انہوں نے حکمرانی کی کوئی اچھی مثال قائم نہیں کی۔ حکمران کی نیت خراب ہو تو حق تعالیٰ شانہ اس کے لئے حالات کو بھی بگاڑ دیتے ہیں' نیت کی خرابی اور اعمال کے بگاڑ کا نتیجہ حالات کے بگاڑ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ سید صاحب موصوف کے دور میں لسانی وگروہی عصبیت کا طوفان امڈ آیا۔ تخریب کاری نقطہ عروج کو پہنچ گئی۔ امن عامہ برباد ہوکر رہ گیا اور موصوف کو اپنے اقتدار کا بیشتر وقت کرفیو کے زیر سایہ گزارنا پڑا جو حکومت' شہریوں کے جان ومال اور عزت

و آبرو کی حفاظت سے قاصر ہو اسے حکومت کی بجائے ..... کہنا زیادہ موزوں ہے اور جو حکمران نیک وبد، مفسد و مصلح، وفادار وغدار اور دوست ودشمن کے درمیان تمیز کرنے سے معذور ہوں ان کا انجام وہی ہونا چاہئے جو سید غوث علی شاہ کا ہوا۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے :

ثلثة لا یکلمهم الله یوم القیامة ولا یزکیهم وفی روایة : ولا ینظر الیهم ولهم عذاب الیم، شیخ زان، وملک کذاب وعائل مستکبر۔ (مشکوٰۃ ص ۴۳۳)

ترجمہ :"تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائیں گے، نہ ان کو پاک کریں گے، نہ ان کی طرف نظر فرمائیں گے اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ بڈھا زانی، جھوٹا حکمران اور متکبر فقیر"۔

دور جدید میں حکمرانوں کا جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لینا عیوب میں شمار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کا خوب صورت سا نام "ڈپلومیسی" رکھ دیا گیا ہے۔ سید صاحب کی ڈپلومیسی نے جو کارنامے انجام دیئے ان میں سہراب گوٹھ کی آبادی کا جبری انخلا اور سانحہ بنوری ٹاؤن سرفہرست ہیں۔ اول الذکر واقعہ کو "ڈرگ مافیا" کا نام دیا گیا حالانکہ یہ اقدام رافضیوں کی ملی بھگت سے اہل سنت کے خلاف کیا گیا تھا۔ پٹھانوں کا جرم بے گناہی یہ تھا کہ وہ راسخ العقیدہ اہل سنت تھے اور رافضی ٹولہ ان کے نشہ توحید وسنت سے لرزہ بر اندام رہتا تھا۔ غوث علی شاہ نے ان پر منشیات فروشی کا الزام لگاکر انہیں خانہ بدر کردیا، ان کے مکانات منہدم کردیئے، ان کی لاکھوں کی دکانیں مسمار کردیں، اور لاکھوں کی آبادی کو آناً فاناً "کھنڈرات" میں تبدیل کردیا۔ کیا اس ظلم وبربریت کی کوئی مثال پاکستان کی تاریخ میں ملتی ہے؟

سانحہ بنوری ٹاؤن کی تفصیلات خود بینات ہی کے صفحات میں آچکی ہیں۔ خود غوث

علی شاہ کی حکومت نے رافضیوں کے اشارہ چشم وابرو پر جو وعدے تحریراً کئے تھے ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شیعوں کے ماتمی جلوس کو جامع مسجد بنوری ٹاؤن کے سامنے سے گزارنے پر اصرار کیا۔ ان رافضیوں کی تیغ ستم سے جو سنی مسلمان شہید ہوئے ان کے قتل کا الزام مقتدائے اہل سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن مدظلہ العالی اور ان کے رفقاء پر دھر کر انہیں پابند سلاسل کردیا گیا۔ (بالآخر جھک مار کر حکومت خود مقدمہ واپس لینے پر مجبور ہوئی) روافض نے اہل سنت کے صبر کا امتحان لینے کے لئے اس مضمون کے پمفلٹ شائع کئے کہ کراچی میں تخریب کاری کے دو اڈے تھے : ایک سہراب گوٹھ اور دوسرا جامع مسجد بنوری ٹاؤن۔ ایک کو مسمار کیا جاچکا ہے اور دوسرے کا مسمار کرنا باقی ہے۔ جامع مسجد بنوری ٹاؤن کو "کراچی میں مسجد ضرار" کا خطاب بھی دیا گیا۔ انہی دو واقعوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سید غوث علی شاہ کا انداز حکمرانی کیا تھا؟ اور وہ رافضی اشاروں پر کس طرح رقص لبسمل کررہے تھے۔ یہ سب کچھ سید صاحب کی اپنی افتاد طبع کی کرشمہ کاری تھی؟ یا انہیں "نرخ بالا کن" کہہ کر خریدا گیا تھا؟ یہ تحقیقات تو حکومت ہی کراسکتی ہے۔ تاہم یہ بات بالکل واضح ہے کہ سید صاحب نے اپنے مختصر سے دور اقتدار میں جن دانشمندیوں کا مظاہرہ کیا اس کا خمیازہ اہل کراچی بھگت رہے ہیں اور نہ جانے نحوست کا یہ سایہ کتنا دراز ہوگا۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے :

خیار ائمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم تصلون علیهم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونهم ویبغضونکم وتلعنونهم ویلعنونکم۔ الحدیث

(مشکوٰۃ ص۳۱۹)

ترجمہ :"تمہارے بہتر حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لئے دعائیں کرو اور وہ تمہارے لئے دعائیں کریں اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے

نفرت کریں، تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں"۔

غوث علی شاہ صاحب اپنے عہدے سے مستعفی یا معزول ہوئے تو شاید ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو ان کے حق میں کلمہ خیر کہنے والا ہوتا۔ "فنعم المرضعة وبئست الفاطمة" کا کیسا روح فرسا منظر سامنے آیا اور آخرت کا معاملہ ہنوز باقی ہے۔ کاش! ہمارے حکمرانوں کو ان واقعات سے کوئی عبرت ہوتی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نئی حکومت اور قادیانیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

عورت کی سربراہی میں "عوامی جمہوری حکومت" کو قائم ہوئے ابھی سات مہینے ہوئے ہیں' لیکن وطن عزیز میں اس کے آثار و برکات ہر چار سو نمایاں ہو رہے ہیں۔ اور ہر عامی سے عامی شخص کھلی آنکھوں ان کا مشاہدہ کر رہا ہے مثلاً :

○ "قومی خزانہ خالی ہے" کے اعلانات تسلسل سے کئے جا رہے ہیں مگر وزیروں' مشیروں کی فوج ظفر موج قومی خزانہ کے بل پر دونوں ہاتھوں سے "جمہوریت کے فوائد" سمیٹنے میں مصروف ہے' ایسا لگتا ہے کہ حکومت کے کسی حمایتی کا سرکاری مراعات سے محروم رہنا گویا حکومت کے لئے ایک چیلنج ہے۔ اس لئے نئے نئے شعبے اور نئے نئے مناصب اختراع کئے جا رہے ہیں تاکہ فرزندان جمہوریت کی اشک شوئی کی جاسکے اور ایک ایک منصب پر کئی وزیروں اور مشیروں کا تقرر بھی عمل میں لایا جا رہا ہے' تاکہ مجاہدین جمہوریت کے لئے سر چھپانے کی جگہ مہیا کی جاسکے۔

○ ہر حکمران کا سیاسی فلسفہ یہ رہا ہے کہ اس کی پارٹی کی حکومت کا دوام و استحکام ہی ملک اور جمہوریت کے استحکام کی ضمانت ہے' اگر خدانخواستہ ان کی پارٹی کی حکومت نہ رہی تو نہ صرف یہ کہ جمہوریت کو خطرہ لاحق ہو گا بلکہ ملک کی سالمیت و بقا کی ضمانت بھی مشکل ہے۔ جدید عوامی حکومت کے اعصاب پر یہ سیاسی فلسفہ پوری طرح مسلط ہے' ارباب اقتدار کی ہر تقریر میں یہ اشارہ مضمر ہے کہ صرف پی پی پی کی حکومت کے دوام و استمرار ہی میں ملکی سالمیت اور جمہوریت کے استحکام کا راز پوشیدہ ہے۔ اس لئے پارٹی پوزیشن کو مضبوط اور

پارٹی کی حکومت کو قائم رکھنے کے لئے سیاسی جوڑ توڑ کا کاروبار زوروں پر ہے۔ معاہدے کئے جارہے ہیں۔ منتخب نمائندوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے تمام گر آزمائے جارہے ہیں جس کے نتیجے میں عوام کی فلاح وبہبود کے کام پس منظر میں چلے گئے ہیں اور ملکی سیاست "بکرا پیڑی" یا "مچھلی مارکیٹ" کا منظر پیش کررہی ہے۔

○ وطن عزیز قدرتی حادثات کے علاوہ ڈاکہ زنی کی آماجگاہ اور لسانی فسادات اور قتل وغارت کا میدان کارزار بنا ہوا ہے۔ سندھ میں تو بقول شخصے باقاعدہ ڈاکوؤں کی حکومت ہے۔ دکانوں اور گھروں پر ڈاکہ ڈال کر دن دہاڑے لوٹ مار کرنا اور تاجروں اور دیگر بااثر افراد کو اغواء کرکے ان سے لاکھوں کا تاوان طلب کرنا روز مرہ کا معمول بن چکا ہے۔ شہریوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ حکومت کی اولین ذمہ داری اور اس کا اولین فریضہ ہے، لیکن وطن عزیز میں خصوصاً سندھ میں نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال، نہ عزت وآبرو۔ ہماری عوامی حکومت۔ چشم بددور۔ "جمہوریت کے استحکام" کے کام میں اس قدر مصروف ہے کہ اسے اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی یا تو فرصت نہیں یا اس کی صلاحیت ہی نصیب اعداء ہے۔ وطن عزیز میں امن وامان کی ناگفتہ بہ حالت کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ پولیس کو امن وامان قائم کرنے کے لئے نہیں بلکہ قتل واغوا اور چوری اور ڈاکہ زنی کے لئے بھرتی کیا جاتا ہے۔

○ گزشتہ مہینے عوامی حکومت نے "پہلا جمہوری عوامی بجٹ" پیش کرنے کا کارنامہ انجام دیا۔ جس میں مولانا فضل الرحمٰن کے بقول " : سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک ٹیکس لگانے کا اہتمام کیا گیا"۔ عوام، بجٹ سے پہلے ہی گرانی کی چکی میں بری طرح پس رہے تھے۔ لیکن "عوامی بجٹ" نے ان کو ایسا جکڑ دیا ہے کہ ان میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی ہمت واستطاعت باقی نہیں رہی۔ اشیائے صرف اور روز مرہ ضرورت کی چیزوں کی قیمتیں پہلے بھی کچھ کم نہیں تھیں، لیکن عوامی حکومت کے دور میں قیمتوں میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے اور یہ رجحان مسلسل ترقی پذیر ہے۔

یہ ان تحائف کا ایک نمونہ ہے جو عوامی حکومت نے عوام کو ان سے حاصل کردہ ووٹوں کے صلہ میں دئے ہیں۔

اند کے پیش تو گفتم حال دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

○ عوامی حکومت کا ایک اہم ترین کارنامہ اور عورت کی سربراہی کے آثار و برکات میں سے ایک اہم ترین برکت، حکومت کی قادیانیت نوازی ہے۔ خاتون وزیر اعظم کے زیر سایہ عوامی جمہوری دور میں قادیانیوں کے وارے نیارے ہیں اور خاتون وزیر اعظم قادیانیوں سے مادر مہربان کا سا مربیانہ و مشفقانہ سلوک کر رہی ہیں، چنانچہ:

○ ساہی وال اور سکھر کے قادیانی قاتل جو عدالتوں کے فیصلوں پر سزائے موت کے منتظر تھے، ان کی سزائے موت منسوخ کر دی گئی ہے۔

○ صوبہ سندھ کا چیف سیکریٹری، جو صوبہ کا بادشاہ کہلاتا ہے، کنور ادریس قادیانی کو مقرر کیا گیا ہے۔

○ مسٹر نسیم احمد قادیانی کو اقوام متحدہ میں پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کا اعزاز بخشا گیا۔

○ وزیر اعظم کا "اسپیچ رائٹر" فرحت اللہ قادیانی کو مقرر کیا گیا ہے۔

○ گوجرانوالہ میں پیپلز پروگرام کا چیئرمین ایک قادیانی کو بنایا گیا ہے کیونکہ حکومت کے بقول پورے ضلع میں اس سے بڑھ کر کوئی دیانت دار آدمی حکومت کو نظر نہیں آیا۔

○ وفاقی شرعی عدالت کے ڈپٹی اٹارنی جنرل کے منصب پر ایک قادیانی کا نام تجویز کیا گیا ہے۔

○ صوبہ سندھ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی شیطانی نبوت کا صد سالہ جشن پورے زور وشور سے منایا گیا اور صوبائی حکام نے اس میں ہر ممکن تعاون کیا۔

○ اور اب "امتناع قادیانیت آرڈی نینس" کے منسوخ کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

ان چند مثالوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نئی حکومت قادیانیوں پر کتنی فیاض ہے؟ اور جو حکومت' بزعم خود عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو کر آئی وہ عوام کے جذبات کو کچل کر کس طرح قادیانیوں پر انعامات کی بارش کر رہی ہے؟ معلوم نہیں کہ وزیر اعظم کی قادیانیوں پر نظر عنایت بھی "ضیاء دشمنی" کا ایک مظہر ہے۔ یا چونکہ قادیانیوں نے موجودہ وزیر اعظم کے والد محترم جناب ذوالفقار علی بھٹو کو تختہ دار پر لٹکوایا تھا اور مرحوم کی موت پر یہ فقرہ چسپاں کیا تھا :

"کلب یموت علی کلب"

"یعنی "یہ ایک کتا ہے جو کتے کے عدد پر مرے گا"

قادیانیوں کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ ہر چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں اور بر سر اقتدار آنے والے طبقہ کے سامنے میں اپنا الو سیدھا کرتے ہیں لیکن مفادات حاصل کرنے کے بعد اس حکمران کا ہاتھ جھٹک دیتے ہیں اور اپنا قبلہ تبدیل کر لیتے ہیں اور اس کی واضح مثال موجودہ وزیر اعظم کے والد مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ قادیانیوں کا طرز عمل ہے۔

سنہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں قادیانی' مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے حلیف تھے کیونکہ مسٹر بھٹو کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ وہ قادیانیوں کو تحفظ فراہم کریں گے۔ چنانچہ ہفت روزہ "آتش فشاں" لاہور جلد ۹ شمارہ ۹ بابت مئی ۱۹۸۱ء میں ظفر اللہ خان قادیانی مرتد کا ایک طویل انٹرویو شائع ہوا تھا جس میں اس نے کھل کر اس حقیقت کا اعتراف کیا' یہاں انٹرویو کے متعلقہ حصہ کا متن درج کیا جاتا ہے :

س : بھٹو صاحب کے ساتھ آپ لوگوں نے ۷۰ء کے الیکشن میں بھی بہت تعاون کیا تھا؟"

ج : بھٹو کے پہلے الیکشن (۷۰ء) میں پنجاب میں اس کی کامیابی خالصتاً ہماری جماعت کی سپورٹ سے ہوئی۔ بلکہ اس نے تو کہلا بھیجا تھا حضرت

صاحب کو کہ اگر پنجاب میں سے چھ نشستیں بھی مجھے مل جائیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ بڑی کامیابی ہوئی۔ حضرت صاحب نے کہا نہیں تم ہر جگہ پر امیدوار کھڑے کرو ہم جو کرسکتے ہیں کریں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہماری تنظیم خدا کے فضل سے ایسی ہے کہ ہم جس بات کے پیچھے پڑجائیں، وہ نہایت تندہی سے کرتے ہیں۔

س : اس زمانے میں اشتہارات بھی آپ نے خوب بنائے۔

ج : ہاں جو کچھ بھی تھا اس میں یہ نہیں تھا جیسے عام الیکشن والے کرتے ہیں فریب کی باتیں۔ ہمارے ورکرز تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہ مولانا کوثر نیازی اس وقت جیل میں تھے۔ میرا بھتیجا حمید نصراللہ ان کے الیکشن ایجنٹ تھے۔ انتخاب کے بعد کی بات ہے مجھے یہاں ملنے آئے تھے۔ یہ تو ان کے لئے تھا۔ ہم نے پوری مدد کی، بھرپور مدد کی بھٹو صاحب کی ساری پارٹی کی۔ بلکہ جو ہمارا اندازہ تھا اور ہم ان سے کہتے بھی رہے کہ ہمارا یہ اندازہ ہے اس کے مطابق ہی جیتے۔ ہمارے ورکرز ہوتے ہیں ہر جگہ۔ ایک تو یہ ہے کہ ہمیں گپیں مارنے کی عادت نہیں، دوسرے یہ کہ ہمارے لوگ اچھا انتظام کرنے والے ہیں۔

س : بھٹو صاحب میں آپ کو اس وقت کیا بات نظر آئی؟

ج : باقی جتنی جماعتیں تھیں سب کے منشور میں یہ اعلان تھا کہ کامیابی کی صورت میں ہمیں کافر قرار دلوائیں گی تو یہ ایک ہی پارٹی (پیپلز پارٹی) تھی جس کے منشور میں یہ نہیں تھا۔

س : لیکن کیا پھر انہی نے۔

ج : لیکن کیا پھر انہی نے۔

س : تو پھر یہ کیوں اتنے مخالف ہوگئے آپ کے؟

ج : ہماری مخالفت کی وجہ سے نہیں، دراصل انہوں نے یہ موقف جو اختیار کیا یہ اس لئے تھا کہ وہ آئندہ کے لئے اپنے تئیں پاکستان کا غیر متنازعہ لیڈر بننا چاہتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر میں یہ بات کردوں تو میری واہ واہ ہوگی۔ علماء بھی ساتھ ہوں گے تو اس سے مجھے پختگی ہوجائے گی۔ یہ نہیں تھا کہ ہماری کسی شکایت کی وجہ سے یا دکھ کی وجہ سے وہ کررہے تھے۔ وہ اپنے منافع کی وجہ سے ہمیں قربان کررہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ چھوٹی سی بات ہے۔ یوں تو انہوں نے حضرت صاحب کو ایک دفعہ ملاقات کے لیے بلایا اور باتوں کے دوران ادھر ادھر دیکھا اور کہا کہ یہاں قرآن کریم نہیں ورنہ میں قرآن کریم ہاتھ میں لے کر قسم کھاکر کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ کو مسلمان ہی سمجھتا ہوں"۔

ظفراللہ قادیانی مرتد کے اس انٹرویو میں مندرجہ ذیل نکات بالکل واضح ہیں :

○ سنہ ۷۰ء کے الیکشن میں قادیانیوں نے پی پی پی کی حمایت محض اس شرط پر کی تھی کہ پی پی پی قادیانیوں کو تحفظ فراہم کرے گی اور انہیں غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دلوائے گی۔

○ ظفراللہ خاں کے بقول پنجاب کی پی پی پی کی کامیابی محض قادیانیوں کی رہین منت تھی ورنہ مسٹر بھٹو کو پنجاب میں چھ نشستوں کی بھی امید نہیں تھی۔

○ سن ۷۴ء کی تحریک ختم نبوت نے (جس کا آغاز خود قادیانیوں کی حماقت سے ربوہ اسٹیشن کے سانحہ کی وجہ سے ہوا تھا) پی پی پی کی قیادت کو مجبور کردیا کہ وہ اپنے حلیف قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دے۔

○ اس آئینی فیصلے کے بعد قادیانی مسٹر بھٹو کے جانی دشمن بن گئے، ہرچند کہ مسٹر بھٹو نے قادیانیوں کے سربراہ (مرزا ناصر) کی ناراضی دور کرنے کے لئے اس سے طویل ملاقات کی، اور اسے یقین دلایا کہ وہ (یعنی مسٹر بھٹو) قرآن پر ہاتھ رکھ کر یہ قسم کھانے کے لئے تیار

ہیں کہ وہ اب بھی قادیانیوں کو بدستور پکا سچا مسلمان سمجھتے ہیں۔ گویا ظفر اللہ خان کے بقول قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت دلانا مسٹر بھٹو کا منافقانہ کردار تھا جس پر وہ اپنے ضمیر اور عقیدہ کے علی الرغم مجبور تھے۔

لیکن مسٹر بھٹو کا بیان بھی قادیانیوں کو مطمئن نہ کرسکا اور قادیانیوں نے مسٹر بھٹو سے انتقام لینے کی ٹھان لی اور وہ اس کے لئے موقع کے منتظر رہے۔ چنانچہ جب ۷۷ء میں مسٹر بھٹو کا زوال ہوا اور ایف آئی آر کے مطابق مسٹر بھٹو پر مقدمہ قائم ہوا تو جس شخص کی شہادت پر مسٹر بھٹو کو تختہ دار پر لٹکایا گیا وہ مسعود محمود قادیانی تھا۔

مسعود محمود قادیانی (وعدہ معاف گواہ) کی شہادت پر عدالت نے مسٹر بھٹو کو سزائے موت سنائی تو قادیانیوں نے خوشی میں مٹھائیاں تقسیم کیں' اور بھٹو مرحوم کو کتا اور مرحوم کی موت کو کتے کی موت قرار دیتے ہوئے اپنے مسیح کذاب مرزا غلام احمد قادیانی کا وہ مہمل الہام مرحوم پر چسپاں کیا جسے پہلے نقل کرچکا ہوں' یعنی :

"کلب یموت علٰی کلب"
"کتا ہے کتے کی موت مرے گا"

چنانچہ ظفر اللہ خان قادیانی کا جو انٹرویو ہفت روزہ آتش فشاں لاہور میں شائع ہوا اور جس کا حوالہ ابھی اوپر گزر چکا ہے' اس میں بڑی بے شرمی سے اس مہمل اور دل آزار فقرے کو مسٹر بھٹو مرحوم پر چسپاں کیا گیا' ظفر اللہ خان سے سوال کیا گیا :

س : آپ کے ہم عقیدہ اس بات کا بہت ذکر کرتے ہیں کہ آپ کے بانی سلسلہ کی اس سلسلے میں کوئی پیش گوئی ہے کہ ایک شخص آئے گا وہ تمہیں نقصان پہنچائے گا اور اس کا حال یہ ہوگا"۔

سوال کے یہ الفاظ کہ "آپ کے ہم عقیدہ اس بات کا بہت ذکر کرتے ہیں" سے واضح ہوتا ہے کہ اس وقت مسٹر بھٹو کے بارے میں ایک ایک قادیانی کی زبان پر یہ فقرہ بطور وظیفہ جاری تھا' ظفر اللہ خان نے اپنے جواب میں سوال کی تائید کرتے ہوئے مولوی

مشتاق حسین کے ساتھ اپنی طویل گفتگو کا حوالہ دیا اور اسی سلسلہ میں ذکر کیا کہ :

"پھر میں نے انہیں (یعنی مولوی مشتاق حسین کو) وہ الہام بتایا جو ہمارے بانی سلسلہ کو ہوا تھا جو ۱۸۹۱ء میں چھپا بھی تھا اس کے الفاظ تھے:

"کلب یموت علٰی کلب"

"کتا ہے کتے کے لفظ کے اعداد پر مرے گا"

تو ک کے اعداد ہیں بیس' ل کے تیس' ب کے دو۔

س : بس اتنا ہی مزید کچھ نہیں۔

ج : آگے اس کی وضاحت بھی آپ نے کی کہ اس کے باون لفظ بنتے ہیں۔ باون برس میں قدم رکھے گا اور مرجائے گا۔

س : کسی فرد کا نام لے کر نشاندہی نہیں کی اور نہ اس قسم کی کوئی تفصیل ہے کہ وہ آپ لوگوں کو اقلیت قرار دے گا یا نقصان پہنچائے گا۔

ج : نہیں۔ بس اتنا ہی جتنا میں کہہ چکا ہوں۔

س : پھر تو آپ لوگوں کو محض یہ اندازہ ہے کہ یہ پیش گوئی بھٹو کے متعلق ہے۔

ج : کراچی کے کسی اخبار میں چھپا بھی تھا کہ کم سے کم اس کو ایک سال کی مہلت دے دینی چاہئے ورنہ مرزائی کہیں گے ہماری پیش گوئی پوری ہو گئی"۔

ظفر اللہ خان کے آخری فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں نے قادیانیوں کی یاوہ گوئی پر احتجاج کیا تھا' اور حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ قادیانی جو مسٹر بھٹو کے بارے میں نام نہاد پیش گوئی ہانکتے پھر رہے ہیں حکومت کو چاہئے کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی دے کر اس نام نہاد پیش گوئی کی تصدیق نہ کی جائے۔

بہرحال قادیانیوں نے مسٹر بھٹو سے جو انتقام لیا وہ یہ تھا کہ مسٹر بھٹو کو سزائے موت

دلوائی اور پھر ان کی سزائے موت پر وہ مکروہ اور ناشائستہ الفاظ استعمال کئے جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں۔

مسٹر بھٹو کے زوال کے بعد قادیانی جنرل ضیاء الحق کی ناک کا بال بن گئے' اور جنرل ضیاء الحق کی خوشامد وچاپلوسی میں اتنے آگے نکل گئے کہ بہت سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ جنرل ضیاء خود بھی قادیانی ہیں' چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور حضرت مولانا عبدالکریم بیر شریف (سندھ) والے جیسے ثقہ بزرگ جنرل ضیاء کو قادیانی کہتے تھے' جس کی تردید جنرل صاحب کو بھرے جلسے میں کرنی پڑی' جنرل ضیاء کو شیشے میں اتار کر قادیانیوں نے علماء کے قتل واغوا کا سلسلہ شروع کردیا۔ مولانا اسلم قریشی کے اغوا کے سلسلے میں قادیانیوں کے خلاف تحریک چلی' جس سے مجبور ہوکر جنرل ضیاء الحق مرحوم کو امتناع قادیانیت کا قانون نافذ کرنا پڑا' اب قادیانی جنرل صاحب کی جان کے دشمن بن گئے' اور مرزا طاہر نے (جو پاکستان سے مفرور ہوکر لندن پہنچ گیا تھا) اپنے خطبوں میں جنرل صاحب کو وہ مغلظات سنائیں جو اس کے دادا مرزا غلام احمد کا طرۂ امتیاز تھا۔ اور جن سے "مغلظات مرزا" میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ بالآخر ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو جنرل صاحب کا طیارہ حادثہ کی نذر ہوگیا۔ اس تخریب کاری میں کون کون ہاتھ ملوث تھے؟ یہ معمہ اسی طرح لاینحل رہے گا جس طرح نوابزادہ لیاقت علی خان کے دن دہاڑے قتل کا معمہ لاینحل چلا آتا ہے۔

تاریخ اپنے آپ کو پھر دہراتی ہے' اب قادیانی بھٹو خاندان کی بیگمات کے سائے میں پر پرزے نکال رہے ہیں' قادیانی' عیاری وچالاکی کے فن میں طاق ہیں' اور عورتیں بفحوائے حدیث ناقصات عقل ہیں' غالباً قادیانیوں نے خوشامد اور چاپلوسی کے ذریعہ بیگم بے نظیر صاحبہ کو یقین دلایا ہوگا کہ وہ ان کے سب سے بڑھ کر خیر خواہ اور ہمدرد ہیں' ممکن ہے ضیاء دشمنی کی قدر مشترک نے قادیانی اور بھٹو خاندان کے اتحاد کو جنم دیا ہو' اور یہ بھی ممکن ہے کہ قادیانیوں کے سفید آقا امریکہ بہادر نے دونوں کو رشتہ اتحاد میں منسلک ہونے پر مجبور کردیا ہو۔ الغرض جو صورت بھی ہو نتیجہ سب کے سامنے ہے کہ محترمہ بیگم بے نظیر صاحبہ اپنے باپ کے قاتلوں کو اور ان لوگوں کو گلے لگارہی ہیں جنھوں نے بیگم صاحبہ

کے والد کو کتا قرار دے کر ان کی موت کو کتے کی موت قرار دیا تھا۔

دنیا میں بہت سے عجائبات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ بیگم بے نظیر صاحبہ کا یہ "بے نظیر کارنامہ" بھی دنیا کا اہم ترین اعجوبہ شمار ہوگا۔ رہا یہ کہ بیگم صاحبہ کے اس کارنامہ کا انجام کیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا' تاہم یہ اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ قادیانیوں نے جو کچھ بیٹی کے باپ سے کیا اسی کا اعادہ "باپ کی بیٹی" کے ساتھ بھی کریں گے۔ وطن عزیز میں اگرچہ سیاسی ومذہبی انتشار ہے (اور یہی فضا قادیانیوں کے لئے موسم بہار ہے) لیکن وہ تمام سیاسی ومذہبی جماعتیں' جن کے دل میں ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا نقش قائم ہے' ان کا فرض ہے کہ وطن عزیز میں قادیانیوں کے بڑھتے ہوئے تسلط کا نوٹس لیں اور اس کے توڑ کی تدابیر سوچیں۔ ۷۴ء کی تحریک کے نتیجہ میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ ۸۴ء کی تحریک کے نتیجہ میں امتناع قادیانیت کا قانون نافذ ہوا اور اب قادیانی جارحیت کے ردعمل میں جو تحریک اٹھے گی اس کے نتیجہ میں انشاء اللہ "قتل مرتد" کا اسلامی قانون نافذ ہوگا دعا ہے کہ حق تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو عقل وفہم نصیب فرمائے' اور قادیانی سازشوں سے ان کو اور وطن عزیز کو محفوظ رکھے!

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین الی یوم الدین۔

(ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ)

"بے نظیر اقتدار"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ' اما بعد

بتاریخ ٦ اگست ۱۹۹۰ء کو ایک صدارتی حکم کے ذریعہ قومی اسمبلی کو برخاست کردیا گیا' بے نظیر صاحبہ کو تخت اقتدار سے معزول کردیا گیا اور ۲۴ اکتوبر کو نئے انتخابات کرانے کا اعلان کردیا گیا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ صدارتی حکم کے سیاسی پہلوؤں پر گفتگو اور سیاسی طور پر اس کے حسن وقبح پر بحث ہوگی اور اس پر مخالف وموافق تبصرے ہوں گے' اور کچھ بعید نہیں کہ اس قضیہ میں عدالت عظمیٰ سے بھی رجوع کیا جائے' لیکن بے نظیر صاحبہ جس طرح (واضح اکثریت کے بغیر) مسند اقتدار پر آئیں اور پھر بیس ماہ کے دور اقتدار میں انہوں نے حکمرانی کا جو انداز واسلوب اپنایا' وہ اسی انجام کی غمازی کرتا تھا' جو پردہ غیب سے رونما ہوا۔

شرعی نقطہ نظر سے بے نظیر صاحبہ کا وزارت عظمیٰ کے لئے انتخاب ہی قطعاً ناجائز وناروا تھا' اور یہ ایک سنگین اجتماعی جرم تھا۔

اولاً: اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ۔ (صحیح بخاری))

ترجمہ:" وہ قوم کبھی کامیاب وکامران نہیں ہوگی جس نے اقتدار حکومت ایک عورت کے سپرد کردیا"۔

چنانچہ اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں تمام فقہائے امت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو حکمرانی کے منصب پر فائز کرنا حرام ہے' اس کی مکمل تشریح قبل ازیں

"بینات" میں آچکی ہے'(۱) لیکن اہل پاکستان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی پر اعتماد نہیں ہوا جب تک کہ انہوں نے اس فعل حرام کا تجربہ کرکے کھلی آنکھوں اس کی سزا نہیں بھگت لی۔

ثانیاً: بے نظیر صاحبہ مذہباً شیعہ ہیں' اور شیعوں کے عقائد و نظریات ان کی مستند کتابوں اور ان کے علما و مجتہدین کی صاف صاف تصریحات سے شائع کئے جاچکے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ :

۱۔ وہ دو چار کے سوا تمام صحابہ کرامؓ کو (نعوذ باللہ) منافق' بے ایمان اور مرتد سمجھتے ہیں اور اکابر صحابہؓ اور حضرات امہات المومنینؓ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔

۲۔ وہ قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتے' بلکہ اسے تحریف شدہ سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اصلی قرآن بارہویں امام اپنے ساتھ لے کر غار میں روپوش ہوگئے تھے' ساڑھے بارہ سو سال گزرتے ہیں کہ نہ امام کا پتہ ہے اور نہ قرآن کا۔

۳۔ وہ بارہ اماموں کو انبیا کرام علیہم السلام سے افضل و برتر جانتے ہیں۔

ان عقائد کی وجہ سے علمائے امت کا متفقہ فتویٰ شائع ہوچکا ہے کہ شیعہ مسلمان نہیں اور نہ ایسے کفریہ عقائد کے بعد کوئی شخص مسلمان رہ سکتا ہے۔

ایک ایسی اسلامی مملکت' جس کی نوے فیصد آبادی اہلسنّت کی ہو' اس میں ایک ایسی عورت کو اقتدار پر فائز کردینا' جس کو ملک کی غالب اکثریت اپنے عقیدے کی رو سے کافر اور بے ایمان سمجھنے پر مجبور ہے' عقل و ایمان اور اخلاق و سیاست کے تقاضوں کے یکسر خلاف تھا۔

ثالثاً: عورت اور وہ بھی شیعہ ہونے سے قطع نظر یہ کوئی راز نہیں کہ

....

(۱) الحمد للہ اس مقالہ کی تمام اقساط یکجا کتابی شکل میں الگ شائع ہونے کے بعد اب "رسائل یوسفی" میں آچکی ہیں۔

بےنظیر صاحبہ کی تعلیم و تربیت مغربی یونیورسٹیوں کے آزادانہ ماحول میں ہوئی، اس لئے ان کا ذہن و مزاج مشرقیت کا امین و پاسبان ہونے کے بجائے مکمل طور پر مغربیت کے ڈھانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ ان کی تعلیمی ترکتازیوں کے دوران بعض ایسے ناگفتنی افسانے ان سے منسوب ہیں (اور وہ اخبارات میں شائع ہوچکے ہیں) جنہیں جنسیت زدہ مغرب میں خواہ کتنا ہی لائق فخر سمجھا جاتا ہو، لیکن ان سے مشرقیت کی جبینِ حیا عرق آلود ہوجاتی ہے اور انسانیت و شرافت ان پر سر پیٹ لیتی ہے۔ ایک ایسی مغرب زدہ لڑکی کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی گردن پر مسلط کردینا وطن عزیز کی اسلامیت کے لئے چیلنج اور اس کے حسین چہرے پر بدنما داغ کی حیثیت رکھتا ہے۔

رابعاً : اور ان تمام امور پر مستزاد یہ کہ مہذب معاشروں میں حکمرانی کے لئے سن و سال کی پختگی کو بطور خاص ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اسی بنا پر حدیث شریف میں "لونڈوں کی حکمرانی" سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

(مسند احمد ص۳۲۶ ج۲، مجمع الزوائد ص۲۲۰ ج۷)

لیکن بے نظیر صاحبہ کے معاملہ میں اس اصول کو بھی نظر انداز کردیا گیا، اور یہ نہ سوچا گیا کہ ایک ناپختہ ذہن، ناپختہ عمر، اور ناتجربہ کار لڑکی، ملک کے سیاہ و سفید کی مالکہ بن کر اپنی ناتجربہ کاری و نابالغ ذہنی سے اس ملک و قوم پر کیا ستم ڈھاسکتی ہے؟

خامساً : بے نظیر صاحبہ کے باپ کے دور حکومت کی یاد لوگوں کے حافظے سے محو نہیں ہوئی ہوگی۔ انہوں نے سات سال تک قوم کو کس طرح آتش زیرپا رکھا۔ کس طرح اخلاق و شائستگی کی دھجیاں بکھیری گئیں، کس طرح بحران پر بحران پیدا کرکے قوم کو سکتہ کے عالم میں رکھا گیا۔ کس طرح ان سے اختلاف رکھنے والوں کو چن چن کر قتل کرایا گیا۔ کس طرح لوگوں کو غائب کرنے کے لئے دلائی کیمپ کھولے گئے، کس طرح "تھوڑی سی پیتا ہوں" کہہ کر عام جلسوں میں اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا گیا، اور پھر کس طرح "عوام عوام" کا نعرہ

لگا کر عوام کو کچلا گیا۔ بالآخر قدرت کے انتقام نے اسے اس کے جرائم کی پاداش میں تختہ دار تک پہنچایا۔

بے نظیر اسی باپ کی بیٹی تھی' جس کے دل میں اپنے باپ کے انتقام کا جذبہ موجزن تھا' بے نظیر صاحبہ کو تخت اقتدار پر بٹھاتے وقت یہ بات فراموش کردی گئی کہ یہ نہ صرف "بھٹو ازم" کا احیا کرے گی بلکہ پاکستان سے اور پاکستان کے عوام سے اپنے باپ کا خون بہا بھی وصول کرے گی' وزیر اعظم کے منصب کے لئے بے نظیر صاحبہ کا انتخاب گویا اس شعر کا مصداق تھا

میر بھی کیا سادہ ہیں بیمار پڑے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

ہم نے (اور ہماری طرح اور بہت سے سنجیدہ افراد نے) اخباری بیانات اور نجی خطوط کے ذریعہ صدر مملکت اور ارکان اسمبلی کو ان حقائق کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی اور یہ عرض کیا گیا کہ اگر اقتدار کی منتقلی پی پی کا حق ہے تو اس پارٹی سے کہا جائے کہ وہ ایوان کی قیادت کے لئے کسی ایسے مسلمان مرد کا نام پیش کرے جو مطلوبہ صلاحیتوں کا حامل ہو' لیکن "کون سنتا ہے فغان درویش؟"

برسر اقتدار آنے کے بعد بیگم صاحبہ کی طرف سے اسی کارکردگی کا مظاہرہ ہوا جس کی ان سے بجا طور پر توقع کی جاسکتی تھی اور جس کی کچھ جھلکیاں اخبارات میں شائع ہوچکی ہیں۔ "بے نظیر اقتدار" کے بیس مہینے اہل وطن نے جس کرب والم میں گزارے اسے ہر شخص محسوس کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ وطن عزیز عذاب الٰہی کی چکی میں پس رہا تھا' جس کی نہ کوئی داد تھی نہ فریاد۔ بلاشبہ یہ اس قومی جرم کی شامت اعمال کے نتائج تھے۔

اسی اثنا میں "شریعت بل" سینیٹ میں منظوری کے بعد اسمبلی میں آیا تو بیگم صاحبہ اور ان کے اعوان وانصار نے اس پر سنجیدہ غور وفکر کے بجائے نہایت دل آزار اور ناشائستہ فقرے چست کرنے شروع کردیئے اور اس سلسلہ میں شریعت کے تقدس اور اللہ

اور اس کے رسول ﷺ کی عزت و حرمت کو بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ "شریعت بل" کی آڑ میں خود شریعت مطہرہ کے خلاف زہر افشانی کی مہم شروع کردی گئی' ایسا لگتا تھا کہ گویا حکومت کی پوری مشینری شریعت کے خلاف زہر اگلنے میں معروف ہے اور اس پر مسلسل اخبارات کے صفحات سیاہ کرائے گئے۔ حد یہ ہے کہ ۲۶ر جون کو وزیر اعظم سیکریٹریٹ سے وزیر مذہبی امور خان بہادر خان کے نام ایک فرمان جاری کیا گیا جس میں "شریعت بل" کے خلاف سازشیں کرنے کی تلقین کی گئی اور جس میں تمام لادین عناصر سے اس "کار شر" میں تعاون حاصل کرنے کی تلقین کی گئی۔ اس "شاہی فرمان" کا متن' جو اخبارات میں شائع ہوچکا ہے' حسب ذیل تھا:

"بہرحال شریعت کوئی متنازعہ معاملہ نہیں' تاہم شریعت بل کے حوالے سے اختلاف رائے یقیناً موجود ہے' ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ لوگ جو اس سے اختلاف رکھتے ہیں ان کی آواز کو اٹھایا جائے' اس حوالے سے مولانا شاہ احمد نورانی سے بیان حاصل کیا جاسکتا ہے' پیر پگاڑا اپنے مخصوص انداز میں پھبتی کس سکتے ہیں اگر کوئی اخبار نویس اس ضمن میں ان سے کوئی سوال کریں' کسی مذہبی فرقے سے جو شریعت بل کی مخالفت کرتا ہو مثلاً ٹی این ایف جے (تحریک نفاذ جعفریہ) سے اس کے خلاف اشتہار بھی دلوایا جاسکتا ہے۔ خواتین کی ایسی تنظیمیں جو اس بل کی مخالف ہیں' قومی اسمبلی کے باہر مظاہرہ بھی کرسکتی ہیں اور مختلف بار ایسوسی ایشنوں کی قرار دادیں' سی او پی اور آئی جے آئی کی طرف سے اس بل کے حق میں چلائی جانے والی مہم کو بے اثر بناسکتی ہیں۔ اس بات کی نشاندہی کی یہاں ضرورت نہیں کہ شریعت ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر لوگوں کو آسانی سے اکٹھا کیا جاسکتا ہے' حکومت اپنی توجہ اس نکتے پر مرکوز کرسکتی ہے کہ بل اپنی موجودہ شکل میں متنازعہ ہے' لہٰذا قابل قبول نہیں ہے۔ مندرجہ بالا ریمارکس کی روشنی میں آپ ضروری کاروائی

کریں"۔ (روزنامہ جنگ لاہور ۲۲ ذی الحجہ جولائی ۱۹۹۰ء

روزنامہ نوائے وقت ملتان ۲۱ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ ۱۵ جولائی ۱۹۹۰ء)

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ نام نہاد وزیر اعظم صاحبہ کی طرف سے یہ کہہ کر کتاب الٰہی کے خلاف کھلی بغاوت کا اعلان کردیا گیا کہ "ہم انسانوں کے کان یا ہاتھ کاٹنے کو مناسب نہیں سمجھتے"۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۲۰ جولائی ۱۹۹۰ء)

اہل نظر یہ بیان پڑھتے ہی بول اٹھے کہ یہ مغرب زدہ لڑکی اب کھل کر کتاب الٰہی کی آہنی دیوار سے ٹکرانے لگی ہے' اب یہ اللہ تعالیٰ کی "بطش شدید" سے بچ کر نہیں نکل سکتی' اور اب اس کے اقتدار کے دن گنے جاچکے ہیں۔ اس بغاوت کے ٹھیک دو ہفتے بعد اقتدار کا سنگھاسن دھڑام سے زمین پر گرچکا تھا۔

اسی طوفان بدتمیزی میں' جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا' شریعت اور پارلیمنٹ کو بالمقابل رکھ کر یہ سوال اٹھایا گیا' اور اس پر اخبارات میں باقاعدہ مباحثے کا سلسلہ شروع کردیا گیا کہ شریعت بالاتر ہے یا پارلیمنٹ؟ اور نہایت بھونڈے انداز میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ شریعت کی بالادستی تسلیم کرنا پارلیمنٹ کی بالادستی اور اس کے تقدس کو مجروح کرنا ہے۔

چنانچہ بیگم صاحبہ نے شریعت کے مقابلہ میں یہ باغیانہ اعلان کیا :

"عوام اللہ کے نمائندے ہیں' منتخب پارلیمنٹ اللہ کی امانت ہوتی ہے۔ ہم پارلیمنٹ کی بالادستی قائم رکھیں گے"۔

(جنگ کراچی' ۲۰ جولائی ۱۹۹۰ء)

اللہ تعالیٰ نے جتادیا کہ شریعت مطہرہ کے مقابلہ میں تم جس پارلیمنٹ کی بالادستی قائم رکھنے کے راگ الاپ رہے ہو وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے' اور اسے ایک پھونک سے اڑایا جاسکتا ہے۔

کیا اسی پارلیمنٹ کی بالادستی کے نعرے لگائے جاتے تھے جو ایک صدارتی حکم سے تحلیل ہوکر رہ گئی؟ کیا اسی پارلیمنٹ کے بل بوتے پر شریعت الٰہی سے ٹکرلی جارہی تھی

جس کی اپنی حیثیت پانی کے بلبلے سے زیادہ نہیں تھی؟ کیا اسی پارلیمنٹ کو شریعت الٰہی سے بالادست ثابت کرنے کی حماقت کی جارہی تھی جو اپنی بے وقعتی میں بچوں کے گھروندوں سے بڑھ کر ثابت ہوئی؟ نشہ اقتدار کے بہت سے بدمستوں کا حال پڑھا' سنا اور آنکھوں سے دیکھا تھا' لیکن بیگم صاحبہ اور ان کے حواریوں کی بدمستی میں فرعونیت کا جو عنصر شامل ہوا' اس نے ان کو "انا ربکم الاعلیٰ" کا نعرہ لگانے پر مجبور کیا۔ شریعت قانون خداوندی کا نام ہے' جو شخص پارلیمنٹ کو شریعت سے بالاتر قرار دیتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں "انا ربکم الاعلیٰ" ہونے کا نعرہ لگاتا ہے۔

افسوس یہ کہ بیگم صاحبہ اور ان کے حواریوں کو اپنے کئے پر اب بھی ندامت نہیں' اسلئے کہ انہیں یہ احساس ہی نہیں کہ ہماری زبان سے کوئی فرعونی نعرہ سرزد ہوا ہے' جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں صدارتی حکم کے دریائے نیل میں غرق کردیا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ دل کے اندھے پن سے محفوظ رکھیں۔ یا اللہ! ہمارے اور اہل وطن کے قصور معاف فرما۔ یا اللہ! یہ تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا دم بھرتے ہیں' یا اللہ! اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس ملک پر نیک' شریف اور باضمیر مسلمان حکمران مقرر فرما' جو ان کو نیکی اور شرافت کی راہ پر ڈالیں' مظلوموں کے ساتھ عدل وانصاف کریں اور کمزوروں کی مدد اور اعانت کریں۔

آمین یا رب العالمین بحرمة سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیه وعلی آله واصحابه اجمعین۔

(صفر ۱۴۱۱ھ)

صدرِ پاکستان فاروق احمد لغاری
کی خدمت میں چند گزارشات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی ! امابعد

آج کی صحبت میں ہم جناب صدر پاکستان کی خدمت میں چند مخلصانہ گزارشات کرنا چاہتے ہیں' جن پر امور مملکت کو چلانے کی ذمہ داریاں عائد کی جاچکی ہیں' اگرچہ ہمیں اپنی ہیچمدانی کا پورا احساس ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ارباب اقتدار عموماً اپنے آپ کو "عقل کل" سمجھا کرتے ہیں' اس لئے ان کے نزدیک کسی فقیر بے نوا کی "صدائے درویش" لائق توجہ نہیں ہوتی' لیکن ان حضرات کی ہمدردی و خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ الٹی سیدھی جو بات سمجھ میں آئے اسے جذبہ اخلاص و للّٰہیت سے عرض کردیا جائے اور اس کی فکر نہ کی جائے کہ کون سنتا ہے اور کون نہیں سنتا؟ عارف شیرازیؒ کے بقول :

حافظا! وظیفہ تو گفتن است وبس
دربند آں مباش کہ شنید یا شنید

جناب سردار فاروق احمد خاں لغاری صاحب۔ صدر پاکستان۔ السلام علیکم۔

آپ سے پہلے کرسی صدارت پر وسیم سجاد صاحب' غلام اسحاق صاحب' جنرل ضیاء الحق صاحب' فضل الٰہی صاحب' جنرل یحییٰ صاحب' جنرل ایوب صاحب اور اسکندر مرزا صاحب فائز رہے۔ اگر گورنر جنرل اور سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو بھی بحیثیت سربراہ مملکت کے تسلیم کرلیا جائے اور تسلیم کرنا ہی چاہئے تو اس فہرست میں ذوالفقار علی بھٹو صاحب' غلام محمد صاحب اور قائد اعظم محمد علی جناح شامل کئے جائیں گے۔ اب آپ اور ہم ان اسمائے گرامی کے ساتھ کیا یادیں وابستہ کئے ہوئے ہیں اور مستقبل کا مؤرخ جو

پچاس یا سو سال بعد ان شخصیتوں کے ان ادوار کا بے لاگ تبصرہ کرے گا وہ کیا رائے قائم کرے گا' ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ ان میں کتنے نام ایسے ہیں جن کو لیتے ہی ہمارے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ آپ ماشاء اللہ جواں سال جواں فکر صدر پاکستان ہیں اور آپ یقیناً چاہیں گے کہ آپ جس قلیل یا طویل عرصہ کے لئے اس بے کس مسلمان ملک کے صدر رہیں (قلیل اس لئے کہ سوائے فوجیوں کے سویلین صدر قلیل ہی عرصوں کے لئے برسراقتدار رہے ہیں) آپ کو اور اس درماندہ قوم کو فخر رہے کہ آخر کار پاکستان کی تاریخ میں ایک عظیم سپوت پیدا ہوا جسنے اللہ کی مدد سے ملک اور قوم کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی۔

کچھ عرض کرنے سے پہلے چند شخصیتی اور معاشرتی اصولوں کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔ آپ یقیناً تسلیم کریں گے کہ آدمی کی شخصیت اس کے ماضی کی پیداوار ہے۔ ماضی میں اس کا بچپن' خاندانی وجاہت یا عسرت' معیار تعلیم' کسب معاش کے تجربات یا ایسے کسب سے بے نیازی وغیرہ شامل ہیں۔ اس ماضی کے اثرات اس کے حال پر لازمی اور بدیہی ہیں' اب جو ہم آپ کی ظاہری شخصیت پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کے پس منظر میں ایک انتہائی مالدار' آسودہ حال' روزگار اور فکر فردا سے بے نیاز' جاگیردار خاندان کے چشم وچراغ ہیں' آنکھ کھولتے ہی ہزاروں غریب اور متوسط لوگوں کی سرداری ملی' پھر تعلیم کہاں پائی؟ ایچی سن کالج میں' جہاں کے اصطبل کو اگر ہمارے عام پرائمری اسکول دیکھیں تو رشد وحسد کریں' پھر آنجناب کی ذہنی لیاقت کہ ملک کو چلانے والی سب سے بڑی جماعت جسے پاکستان کی تاریخ میں ایک دن بھی زوال نصیب نہ ہوا یعنی ٹاپ بیورو کریسی' سی ایس پی میں تقریباً ۹ سال ڈپٹی سیکریٹی کے عہدے تک حکومت چلائی' پھر بھٹو صاحب کی نظر مردم شناس نے آپ کو اس عظیم طاقت ور جماعت سے اچک لیا اور پی پی پی جیسی ...... سیاسی جماعت کو آپ نے سالہا سال کمال وفاداری اور استواری سے مضبوط کیا۔

مندرجہ بالا گزارشات کے پس منظر میں آنجناب سے درخواست ہے کہ ذیل کی معروضات پر غور فرماکر مناسب عمل فرمایا جائے :

۱۔ ......یہ جمہوریت کا خاص تحفہ ہے کہ ہمارے ہاں انتخابات کے زمانے میں سیاسی جماعتیں اس طرح معرکہ آرائی کے جوہر دکھاتی ہیں گویا غنیم کی فوجوں سے مقابلہ ہو رہا ہے' اپنے حریف پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے ہتھیار استعمال کئے جاتے ہیں۔ پورا ملک میدان جنگ کا نقشہ پیش کرتا ہے' گھر گھر خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے اور اس انتشار و تفرقہ کے اثرات انتخابات کے بعد بھی باقی رہتے ہیں' دلوں میں نفاق و شقاق اور بغض و نفرت کی فصل پروان چڑھتی ہے' آنجناب کا فرض ہونا چاہئے کہ اقتدار میں آنے کے بعد انتخابات کی تمام تلخیاں بھول جائیں' اپنے حریفوں کی طرف دوستی اور محبت کا ہاتھ بڑھائیں' سب کو ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کریں' اور قوم میں اتحاد و یک جہتی کی فضا بحال کرنے کا اہتمام کریں' یہ چیز ملک کے استحکام و سالمیت کے لئے ناگزیر ہے۔

۲۔ ___ مسندِ اقتدار پر فائز ہونے والوں کو یہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ اقتدار میں آنے کے بعد اب وہ صرف اپنی جماعت یا اپنے ووٹروں کے نمائندے نہیں بلکہ وہ پوری قوم کے نمائندے ہیں اور بلا امتیاز مملکت کے تمام شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ان کا فرض ہے' پوری قوم کی دینی و اخلاقی اور سماجی و معاشی اصلاح کی فکر ان کے ذمہ ہے اور قوم کا ایک ایک فرد اپنے حکمرانوں کے عدل و انصاف کا مستحق ہے' یہ وہ ذمہ داری ہے جو احکم الحاکمین کی طرف سے عائد کی گئی ہے اور یہ وہ امانت ہے جو رب العزت کی طرف سے ان کے سپرد کی گئی ہے اور قیامت کے دن ان سے اسکے بارے میں مسئولیت ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

"جو شخص بھی دس یا اس سے زیادہ افراد پر حاکم بنا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس حالت میں لائیں گے کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن کا طوق ہوں گے' پھر اس کی نیکی اس کو چھڑالے گی یا اس کا گناہ اس کو ہلاک کردے گا' اس کا پہلا نتیجہ ملامت ہے' درمیان میں ندامت اور آخر میں قیامت کے دن کی رسوائی"۔

(مشکوٰۃ ص ۳۲۳)

ایک دوسری حدیث میں ہے :

"بے شک تم لوگ حکومت کی حرص کروگے اور یہ قیامت کے دن ندامت ہوگی پس یہ جب دودھ پلاتی ہے تو خوب پلاتی ہے اور جب دودھ چھڑاتی ہے تو بری طرح چھڑاتی ہے۔" (صحیح بخاری ص ۳۲۰)

ایک اور حدیث میں ہے :

"اس کا پہلا نتیجہ ملامت ہے' دوسرا ندامت ہے اور تیسرا نتیجہ قیامت کے دن کا عذاب ہے مگر جو عدل کرے۔"

(مجمع الزوائد ص ۲۰۶ ج ۵)

۳۔ ــــ حکمرانوں کی نااہلی ملک و قوم کو لے ڈوبتی ہے' ارباب اقتدار کا فرض ہے کہ حکومتی مناصب کے لئے بہتر سے بہتر افراد کا انتخاب کریں جو ایک طرف اپنے متعلقہ شعبہ میں ماہرانہ بصیرت رکھتے ہوں تو دوسری طرف نہایت دیانت دار اور خدا ترس بھی ہوں' اس امانت کو' جو انکے سپرد کی گئی ہے مال غنیمت نہ سمجھیں بلکہ واقعی امانت سمجھیں' پوری دیانت داری کے ساتھ اس امانت کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں' ان کے دل میں مخلوق کے خوف سے بڑھ کر خدا کا خوف اور محاسبہ آخرت کی فکر ہو۔

یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ہمارے یہاں کسی عہدہ و منصب کے لئے دیانت و امانت کی کوئی شرط نہیں' کسی سرکاری منصب کے امیدوار کے بارے میں اس کی تعلیمی استعداد اور تجربہ کی تحقیق تو کی جاتی ہے لیکن یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی کہ یہ اسلامی شعائر کا پابند ہے یا نہیں؟ دینی فرائض بھی بجالاتا ہے یا نہیں؟ اس کے عقائد و نظریات کیا ہیں اور کیا نہیں؟ جو لوگ نہ خدا کے قائل ہوں' نہ آخرت کے' ان سے دیانت و امانت کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ نا اہل لوگوں کو سرکاری مناصب پر فائز کرنے کی وجہ سے ہمارا معاشرہ جس گرداب بلا کی لپیٹ میں ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے مثلاً رشوت کے عفریت نے نظام مملکت کو تہ و بالا کرڈالا ہے اور قانون کا احترام رائی

اور رعایا کے دلوں سے نکل چکا ہے' رشوت کا "کاروبار" اس قدر عام ہے کہ کوئی چھوٹا بڑا کام رشوت کے بغیر نہیں ہو سکتا' اور حکومت کا کوئی شعبہ شاید ایسا نہیں ہو گا جو اس لعنت سے مبرا ہو' اوپر سے نیچے تک سرکاری افسران اور اہل کار گلے گلے تک اس لعنت میں ڈوبے ہوئے ہیں' رشوت اور سفارش سے جعلی ڈگریاں تک فروخت ہو رہی ہیں' عدالتوں میں انصاف کو رشوت کی قربان گاہ پر ذبح کیا جاتا ہے' اور اس رشوت کی وبا سے عدالتیں انصاف فروشی کی مارکیٹیں بن گئی ہیں' جس ملک میں رشوت کا بازار گرم ہو اس میں کسی انصاف کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ اور اس ملک کے حکمرانوں کے نالائق یا بددیانت ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟

سرکاری افسران اور ملازمین کا وقت قوم کی امانت ہے' وہ قوم کے نوکر' ملازم اور خادم ہیں اور انہیں قومی خزانے سے اس خدمت کی قیمت دی جاتی ہے' لیکن کسی سرکاری افسر اور ملازم کے دل میں نہ اس امانت کا احساس ہے اور نہ انہیں یہ خیال ہے کہ جو لوگ ان کے دفتروں میں دھکے کھا رہے ہیں یہ ان کے خادم ہیں' دفاتر میں ملازمین کی کارکردگی شرمناک حد تک گری ہوئی ہے۔ لیکن کوئی ان سے باز پرس کرنے والا نہیں اور نہ آخرت کی جوابدہی انہیں ٹھیک کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

ہر آنے والے حکمران کو قومی خزانے کے خالی ہونے کی شکایت رہتی ہے لیکن عملاً قومی خزانہ بھی افسروں کے مال غنیمت کی حیثیت اختیار کرچکا ہے' خزانے کو بھرنے کے لئے ہر سال نئے نئے ٹیکس ایجاد کئے جاتے ہیں' لیکن جو افسران ٹیکس وصول کرنے پر مامور ہیں ٹیکس کی بیشتر رقم ان کی جیب میں چلی جاتی ہے' انکم ٹیکس کا نظام ہی کچھ ایسا ہے کہ افسروں کو رشوت دیئے بغیر انکم ٹیکس ادا کرنے والا "مجرم" رہائی نہیں پاسکتا' اور اگر وہ انکم ٹیکس کی رقم کا ایک حصہ افسران کی جیب میں ڈال دے تو واجب الاداء ٹیکس میں بھی چھوٹ ہو جاتی ہے۔ یہی حال کسٹم کے عملہ کا ہے' الغرض پوری قوم ٹیکسوں کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے لیکن ٹیکس پر ٹیکس لگانے کے باوجود قومی خزانہ خالی کا خالی رہتا ہے' اور رشوت کی رقم پر ٹیکس وصول کرنے والا عملہ پل رہا ہے۔

پھر قومی خزانے میں جو رقم جمع ہوتی ہے اس کا بیشتر حصہ اعلیٰ افسران کی تنخواہوں اور دیگر لوازمات کی نذر ہوجاتا ہے۔ غریب عوام سرکاری بیت المال کی فوائد سے یکسر محروم رہتے ہیں' اور اب تو "زکوٰۃ فنڈ" میں بھی اسی قسم کی تصرفات کی شکایات موصول ہو رہی ہیں' جب تک ہمارے حکمران خرابی کی ان جڑوں کو صاف کرنے کی اہلیت پیدا نہیں کریں گے ان کے بلند وبانگ نعرے فضا میں تحلیل ہوتے رہیں گے اور ملک اور قوم بدستور ظلم وستم کی چکی میں پستی رہے گی۔

ہمارے ملک کا ایک مہیب اور خوفناک مسئلہ روز افزوں ہوش ربا گرانی ہے جس نے غریب عوام خصوصاً کم تنخواہ دار طبقہ کے لئے جان وتن کا رشتہ قائم رکھنا دوبھر کردیا ہے۔ ہر آنے والی حکومت "مہنگائی کے خلاف" جہاد کرنے کا اعلان کرتی ہے لیکن عملاً یہ ہوتا ہے کہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ہماری نئی حکومت کے لئے کویت کے حالات اور امریکی امداد کی بندش کی وجہ سے گرانی ایک بہت بڑے چیلنج کی حیثیت اختیار کرجائے گی' اور اسے سب سے پہلے اس مسئلہ سے نبرد آزما ہونا ہوگا' اگر قلوب میں اخلاص ہو اور غریب عوام کی خیر خواہی وہمدردی کا جذبہ کار فرما ہو تو اس کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے' اس کے لئے قوم کے ایثار و قربانی کی ضرورت ہوگی' لیکن اس ایثار وقربانی کا سارا نزلہ عوام پر نہیں گرنا چاہئے' بلکہ آمدنی کے لحاظ سے جس کی آمدنی جس قدر زیادہ ہو اسے اسی کے بقدر اس ایثار و قربانی میں حصہ لگانا چاہئے' اس لئے اس ایثار و قربانی کا مظاہرہ اوپر سے نیچے تک ہونا چاہئے' اور اس کی ابتدا سب سے پہلے ہمارے وزیران باتدبیر اور اعلیٰ حکام سے ہونی چاہئے۔ اگر ہماری نئی حکومت واقعۃً غیرپیداواری مصارف میں کفایت شعاری اور قومی خزانے کی بچت کو اپنا نصب العین بنالے تو نہ صرف یہ کہ گرانی اور افراط زر کے مہیب خطرات سے نجات مل سکتی ہے بلکہ آئندہ آنے والے مالی سال میں نئے ٹیکس لگانے کی ضرورت نہیں رہے گی' اسی

کفایت شعاری کا ایک پہلو یہ ہے کہ "بے نظیر دور" میں وزیروں اور مشیروں کی ایک فوج کی فوج قومی خزانے پر پالی جارہی تھی نئی حکومت کو اس غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہئے' کابینہ جس قدر ممکن ہو ہلکی پھلکی رکھی جائے' اور ان میں سے بہت سے حضرات ایسے ہیں جو ماشاء اللہ کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہوں گے وہ اگر قومی خزانے پر کم سے کم بوجھ ڈالیں تو یہ بات خوشنودی خلق وخدا کا باعث بھی ہوگی' اور ان کی نیک نفسی وہمدردی خلائق کی دلیل بھی۔

نئی حکومت "نفاذ اسلام" کے نعروں کے ساتھ برسراقتدار آئی ہے' اور بجاطور پر امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے وعدوں کا ایفا کرے گی' اس سلسلہ میں چند چیزیں فوری طور پر اس کی توجہ کی مستحق ہیں :

شریعت بل سینیٹ سے منظور ہوکر قومی اسمبلی میں آچکا تھا' سابقہ حکومت نے اس کے خلاف محاذ کھول دیا اور اس نے "شریعت بل" کے بارے میں گستاخانہ فقرے چست کرنے شروع کردیئے' اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور انہیں بیک بنی ودوگوش اقتدار کے ایوانوں سے باہر دھکیل دیا گیا' نئی حکومت کا فرض ہے کہ اپنی اولین فرصت میں اس بل کو منظور کرے' بلکہ موجودہ اسمبلی کو قانون سازی کی ابتداء ہی اس بل کی منظوری سے کرنی چاہئے' یہ اس کے حق میں ایک نیک فال ہوگی۔

سپریم کورٹ کی سفارش پر صدر مملکت قصاص ودیت کا آرڈی نینس جاری کرچکے ہیں' شریعت بل کے ساتھ ہی اس آرڈی نینس کو بھی فوراً منظور کیا جانا چاہئے۔

ملک میں حدود شرعیہ کا نفاذ مرحوم صدر جنرل ضیاء الحق شہیدؒ کے دور میں ہوچکا ہے لیکن اس میں ایک نقص چلا آتا ہے' جس کی طرف توجہ بھی دلائی گئی لیکن اس نقص کی اصلاح نہیں کی گئی' وہ نقص یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جہاں دوسرے جرائم کی سزائیں مقرر کی ہیں وہاں جرم ارتداد کی سزا جاری فرمائی ہے' جو شخص اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہوجائے اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی' اور اسے دوبارہ اسلام کی دعوت دی جائے گی' اس کے شبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی جائے گی' اگر وہ دعوت کو قبول کرکے

دوبارہ اسلام قبول کرلے تو ٹھیک' ورنہ اس کے ناپاک وجود سے اللہ کی زمین کو پاک کردیا جائے گا۔ جس طرح کہ کہ کسی ناسور کو کسی بدن سے کاٹ کر الگ کردیا جاتا ہے۔ اسلامی شریعت کا یہ قانون تمام فقہائے امت کے نزدیک متفق علیہ ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں' نئی حکومت کے بعض معزز افراد نے انتخابات کے دوران اس قانون کے نفاذ کا وعدہ بھی کر رکھا ہے۔ اس لئے نئی حکومت پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ اس قانون کو بھی اولین فرصت میں نافذ کردے۔

ہمارے آئین میں وزیر اعظم کے لئے مرد ہونے کی شرط نہیں رکھی گئی۔ یہ بہت بڑا سقم ہے اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ اسی آئینی سقم نے بے نظیر جیسی خاتون کو ملک کے سر پر مسلط کردیا تھا۔ نئی حکومت کو چاہئے کہ پارلیمنٹ سے اس کی اصلاح کرائے۔

عائلی قوانین ایک عرصہ سے ملک پر مسلطؔ چلے آرہے ہیں اور ان کی بعض دفعات صریح طور پر قرآن وسنت اور اجماع امت سے متصادم ہیں' گزشتہ حکومتوں نے بھی ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی' جب کہ ملک کی اعلیٰ عدالتیں بھی ان کی اصلاح کی سفارشیں کرچکی ہیں' نئی حکومت کا فرض ہے کہ ملک کو ان عائلی قوانین کی لعنت سے نجات دلائے جو قرآن وسنت سے متصادم ہیں۔

آخر میں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہوگا کہ اسلامی جمہوری اتحاد کو اللہ تعالیٰ نے اس ملک کی خدمت کا موقع عطا فرمایا ہے' انہیں اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی تمام صلاحیتیں ملک وملت کے لئے وقف کردینی چاہئیں' خدانخواستہ اس موقع کو ضائع کردیا گیا تو نہیں کہا جاسکتا کہ پھر موقع ملے گا یا نہیں' اسلامی جمہوری اتحاد کے سربراہ جناب نواز شریف صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہترین صلاحیتوں سے آراستہ فرمایا ہے' اور انہیں وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز کرکے اللہ تعالیٰ نے اہل وطن کو ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کا موقع عطا فرمایا ہے' ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس امتحان میں کامیاب وسرخرو فرمائے' انہیں اہل وطن کی صحیح قیادت کی توفیق عطا فرمائیں' اور انہیں اس کا مصداق

بتائیں :

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ
وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھو عن المنکر
وللہ عاقبۃ الامور۔
(الحج/۴۱)

ترجمہ" : یہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ
لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی)
نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب
کاموں کا انجام تو خدا تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے"۔

جناب صدر! حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی آزمائش کے لئے اس مملکت خداداد کی
سربراہی آپ کے سپرد فرمائی ہے' یہ ایک امانت ہے جو آپ کے حوالے کی گئی ہے' اور
قیامت کے دن آپ سے اس امانت کے بارے میں بازپرس ہوگی' آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

الا کلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیتہ
فالامام الذی علی الناس راع وھو مسؤول عن
رعیتہ' والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسؤول عن
رعیتہ' والمراۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وولدہ' وھی
مسؤولۃ عنھم' وعبدالرجل راع علی مال سیدہ' وھو
مسؤول عنہ' الا فکلکم راع وکلکم مسؤول عن
رعیتہ متفق علیہ
(مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۰)

ترجمہ": سن رکھو کہ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے' اور تم میں سے
ہر شخص اپنی رعیت کے بارے میں مسئول ہے' پس جو امام سب لوگوں
پر حاکم ہے وہ نگہبان ہے۔ اور وہ اپنی پوری رعایا کے بارے میں مسئول

ہے' آدمی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے' اور وہ ان کے بارے میں
مسئول ہے' عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد پر امین ہے' اور
وہ اس کے بارے میں مسئول ہے' سن رکھو کہ تم میں سے ہر شخص
نگہبان ہے' اور اپنی رعیت کے بارے میں مسئول ہے"۔

جناب صدر! اگر اس امانت خداوندی کا حق ادا کیا جائے' اور رعایا کی ایسی خبر گیری ونگہبانی کی جائے جیسی کہ چرواہا بکریوں کے گلے کی نگہبانی کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں گے' اور قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے :

سبعة يظلهم الله فى ظله يوم لا ظل الا ظله
امام عادل' وشاب نشا فى عبادة الله' ورجل قلبه
معلق بالمسجد' اذا خرج منه حتى يعود اليه'
ورجلان تحابا فى الله ۲ اجتمعا عليه' وتفرقا عليه
ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه ورجل دعته
امراة ذات حسب وجمال فقال انى اخاف الله'
ورجل تصدق بصدقة فاخفاها حتى لا تعلم شماله
ما تنفق يمينه -متفق عليه۔ (مشکوٰۃ شریف ص۶۸)

ترجمہ" : سات آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے میں
جگہ دیں گے' جس دن کہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا (۱)
امام عادل (۲) وہ نوجوان جس کی نشو ونما اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی'
(۳) وہ شخص کہ جب وہ مسجد سے نکلے تو اس کا دل مسجد میں اٹکا رہے'
یہاں تک کہ وہ مسجد کی طرف لوٹ آئے' (۴) ایسے دو آدمی جنہوں نے
محض اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کی' اسی پر جمع ہوئے اور

اسی پر جدا ہوئے' (۵) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو
اس کی آنکھیں بہہ پڑیں' (۶) وہ شخص جس کو کسی صاحب حسب وجمال
خاتون نے غلط دعوت دی تو اس نے (اس دعوت کو مسترد کرتے ہوئے)
کہا کہ میں اللہ تعالیٰ (کی گرفت اور اس کے عذاب سے) ڈرتا ہوں'
(۷) وہ شخص جس نے اس قدر پوشیدہ طور پر صدقہ کیا کہ اس کے بائیں
ہاتھ کو بھی خبر نہیں کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا"۔

اور اگر اس امانت کا حق ادا نہ کیا جائے' رعایا کی خبرگیری نہ کی جائے' مظلوم کی داد رسی نہ کی جائے' اللہ تعالیٰ کی زمین کو عدل وانصاف سے آباد نہ کیا جائے تو یہی حکومت قیامت کے دن وبال جان ہوگی' اور دوزخ کا زینہ بنے گی' آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

ما من وال علی رعیة من المسلمین فیموت
وھو غاش لھم الا حرم اللہ علیه الجنة۔

(متفق علیہ ۔مشکوٰۃ شریف ص۳۲۱)

ترجمہ": جو حاکم کہ مسلمانوں کی کسی رعیت کا رئیس اور سربراہ بنا' پھر
اس حالت میں مرا کہ وہ اپنی رعایا کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتا تھا تو اللہ تعالیٰ
اس پر جنت حرام کردیں گے"۔

اس مضمون کی احادیث شریفہ بہت کثرت سے وارد ہوئی ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس امانت الٰہیہ کے (جس کو اقتدار وحکومت کہتے ہیں) صحیح حقوق ادا کئے جائیں تو یہ بڑی سعادت ونیک بختی ہے' اور اگر چند روزہ اقتدار کو عیش وعشرت اور جاہ طلبی وزر اندوزی کا ذریعہ بنالیا جائے تو اس کا انجام نہایت ہولناک ہے۔

جناب صدر! اس امانت کو ہاتھ میں لیتے ہوئے آپ کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ یہ اقتدار دھوپ چھاؤں ہے' جس کرسی اقتدار پر آج آپ جلوہ افروز ہیں کل وہ دوسروں کے پاس تھی' اور آپ کے بعد دوسرے لوگ اس پر رونق افروز ہوں گے' اس چند

روزہ اقتدار سے یا تو آپ دنیا و آخرت کی نیک نامی سمیٹ جائیں گے' یا دنیا و آخرت کی ذلت وخواری آپ کے حصہ میں آئے گی۔

جناب صدر! آج وطن عزیز گوناگوں مسائل کے گرداب میں گھرا ہوا ہے' جن کی وجہ سے غریب عوام کی زندگی اجیرن ہو چکی ہے' ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مسائل ومشکلات کا صحیح ادراک کیا جائے' اور ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے صحیح تدبیر عمل میں لائی جائے۔

سب سے اہم ترین مسئلہ ملک کا سیاسی عدم استحکام ہے' سیاسی جماعتوں کے خلفشار اور حزب اقتدار وحزب اختلاف کی باہمی آویزش نے پورے ملک کے عوام کو افتراق وانتشار کی بھٹی میں جھونک دیا ہے' اور پاکستان کی ملت اسلامیہ ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کا منظر پیش کررہی ہے' اسلامی اخوت کے بجائے قلوب میں جاہلی نخوت ومنافرت جاگزیں ہے' اور یہ تحفہ ہے اس ملعون پارلیمانی نظام کا' جسے ہم نے مغرب سے حاصل کیا' اور جسے "متاع بے بہا" جان کر سینے سے لگائے پھر رہے ہیں' ہمارے سیاسی افلاطون اور بزر جمہروں کو آج تک اس کی توفیق نہیں ہوئی کہ اپنے دین ومذہب اور اپنے معروضی حالات کو سامنے رکھ کر کوئی ایسا سیاسی نقشہ مرتب کرتے جو وطن عزیز میں ایک مستحکم حکومت کے قیام کا ضامن ہوتا' جو پوری یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ ملک وقوم کی فلاح وبہبود کے راستہ پر گامزن ہوتی' اور درپیش مشکلات کو حل کرنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لاتی۔

قرآن کریم میں اہل ایمان کو انتباہ فرمایا گیا ہے :

واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذ هب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین۔

(الانفال ر۴۶)

ترجمہ": اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو' اور نزاع مت کرو' ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی"۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

جناب صدر! آپ کی سب سے پہلی ترجیح یہ ہونی چاہئے کہ یہ پراگندہ قوم، جس کو سیاسی ناخداؤں کی خوش فعلیوں نے افتراق وانتشار کے گرداب میں ڈال دیا ہے، اور باہمی منافرت کے آتش کدہ آزر میں جھونک دیا ہے، اس کو رشتہ وحدت میں پرونے کا اہتمام فرمائیں۔ اہل عقل وایمان سے صلاح مشورہ کرکے ایسی تدابیر اختیار کریں، جن کے ذریعہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے میں کامیابی ہوسکے۔

ملک کا ایک اہم ترین مسئلہ سرکاری افسروں اور اہل کاروں کی بددیانتی، کام چوری اور لاقانونیت ہے، کسی زمانے میں پولیس کا محکمہ بدنام تھا، لیکن اب یہ کیفیت ہے کہ حکومت کا کوئی محکمہ ایسا نہیں رہا۔ الا ماشاء اللہ۔ جو بددیانتی کے غلیظ جوہڑ میں گلے گلے ڈوبا ہوا نہ ہو، اور سرکاری مشینری کا کوئی پرزہ ایسا نہیں رہا، جو بددیانتی کے جذام میں مبتلا نہ ہو، اور جس کو لاقانونیت کا زنگ نہ لگ چکا ہو، اگر اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے بااصول اور دیانت دار بھی ہیں تو وہ ماحول کی غلاظت اور گندگی کی وجہ سے بے بس اور مجبور نظر آتے ہیں، جب اوپر سے نیچے تک پورے کا پورا آوا بگڑا ہو تو وہ اپنی بے دست وپائی کی شکایت کس سے کریں، اس بددیانتی اور لاقانونیت نے پورے معاشرے کو گندا کردیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اس ملک میں انسان نہیں بستے، بلکہ یہاں جنگل کا قانون ہے، اور چوروں اور ڈاکوؤں کی حکمرانی ہے، مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ جو حکومت بھی برسر اقتدار آتی ہے وہ انہی بدقماش سرکاری افسروں اور اہلکاروں کے سہارے زندگی کے دن پورے کرتی ہے، اس لئے ان پر ہاتھ ڈالنے کے بجائے ان سے ہاتھ ملاتی ہے، اور ان کی اصلاح وگوشمالی کے بجائے ان پر عنایات ونوازشات کے پھول بکھیرتی ہے، ان حالات میں انتظامیہ کے منہ زور گھوڑے کو لگام دے تو کون دے؟ اور غریب عوام کو اس عفریت سے نجات دلائے تو کون دلائے؟ ہر آنے والی حکومت اپنی معصومیت ثابت کرنے کے لئے یہ عذر پیش کردیتی ہے کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ ماضی کی مرحوم اور نااہل حکومت کی وراثت میں ملا ہے، ہم کیا کرسکتے ہیں؟ لیکن کیا یہ عذر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لائق قبول ہوگا؟ کیونکہ جب تم قوم کو گندگی کے اس تالاب سے نجات نہیں دلاسکتے تھے، جب تم خدا کی زمین میں حق وانصاف

کا بول بالا نہیں کر سکتے تھے' جب تم عوام کو اس رشوت خور سرکاری مشینری سے نہیں چھڑا سکتے تھے تو تمہیں کس حکیم نے یہ مشورہ دیا تھا کہ تم کروڑوں انسانوں کے حقوق کی پامالی کا وبال اپنی گردن پر لے کر دنیا سے جاؤ؟ جب تم خدا کی مخلوق کا بھلا نہیں کر سکتے تھے تو تم نے یہ ذمہ داری کیوں قبول کی تھی؟

جناب صدر! اس معاشرے کی اور اس زنگ خوردہ انتظامی مشینری کی اصلاح آج بھی ممکن ہے' (اور اگر سوفیصد اصلاح نہ ہوسکے تب بھی بڑی حد تک تو اصلاح ہوسکتی ہے) لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے یہاں جن لوگوں کے ہاتھ میں زمام حکومت آتی ہے وہ یا تو اپنی حکومت کو خطرات میں ڈال کر اس گندے تالاب کی صفائی کی جرأت نہیں کرسکتے' یا ان میں اس کی صلاحیت نہیں ہوتی' یا وہ خود بھی اس گندے تالاب کی بڑی مچھلی شمار ہوتے ہیں۔ عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لئے کبھی محتسب کا ادارہ قائم کردیا جاتا ہے' کبھی اینٹی کرپشن کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے' اور کبھی تحقیقاتی کمیشن قائم کردیئے جاتے ہیں' لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

جناب صدر! آپ نے ملک کے سب سے بڑے منصب کی کرسی کو زینت بخشی ہے' اور ایک "اچھا آدمی" ہونے کی حیثیت سے آنجناب کا شہرہ ہے۔ اس لئے پاکستان کے بارہ کروڑ عوام کے حقوق کا بارگراں آنجناب کے سر پر ہے' کل فردائے قیامت میں پاکستان کے بارہ کروڑ عوام آپ کے خلاف مدعی ہوں گے' اور آپ کو بارگاہ احکم الحاکمین میں جوابدہی کرنا پڑے گی کہ ملک کے سب سے بڑے منصب پر فائز ہونے کے باوجود آپ نے عوام کو انتظامیہ کے درندوں سے کیوں نہیں چھڑایا۔

جناب صدر! اس بدعنوان اور بدقماش انتظامیہ سے کس طرح نمٹا جائے؟ اور اس کو راہ راست پر لانے کے لئے کیا طریق عمل اختیار کیا جائے؟ اس پر غور کرنا آپ کا فرض ہے' اور اس کے لئے آپ ملک بھر کے دیانتدار اور روشن دماغوں سے مشورے لے سکتے ہیں' اور غور و فکر کے بعد ایک موثر لائحہ عمل مرتب کرسکتے ہیں' اس ضمن میں ایک عام شہری کی حیثیت سے اس ناکارہ کے مشورے حسب ذیل ہیں :

ا۔ ___ سب سے پہلے انتظامی مشینری کے کل پرزوں کی اصلاح و تربیت کے لئے ایک موثر نظام تشکیل دیا جائے' اور یہ نظام خوف خدا اور محاسبہ آخرت پر مبنی ہونا چاہئے' اس وقت ہم (چند مستثنیات کو چھوڑ کر) عام طور پر خوف خدا اور محاسبہ آخرت سے عاری ہوچکے ہیں' الا ماشاء اللہ' کسی کو یاد ہی نہیں رہا کہ مجھے خدا کے حضور پیش ہونا ہے' زندگی بھر کے اعمال اور کرتوتوں کا حساب دینا ہے' اور اس کی جزا وسزا کا سامنا کرنا ہے' جو قوم (یا اس کی اکثریت) ایمان بالآخرت سے محروم ہوجائے' اس سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی' اور کسی تدبیر سے اس کا علاج ممکن نہیں' شیخ سعدیؒ نے اپنے دور کے بادشاہ کو مشورہ دیا تھا کہ "کار مملکت میں ایسے لوگوں کی خدمات حاصل کیجئے جو آپ سے زیادہ خدا سے ڈرتے ہوں"۔ جب تک آپ انتظامیہ کے افراد اور حکومت کے اہلکاروں کے دل میں ایمان بالآخرت پیدا کرنے کا کوئی موثر نظام وضع نہیں کرتے تب تک بدعنوانی کا خاتمہ ممکن نہیں۔

۲۔ ....ہمارے یہاں ہر سطح کے افسران اور اہلکاروں کے لئے خاص تعلیمی معیار اور جس منصب کے لئے اس کا تقرر کیا جارہا ہے اس کے لئے اس کی صلاحیت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے (اگرچہ رشوت وسفارش اور بدعنوانی کی وجہ سے اس شرط کو نظرانداز کردیا جاتا ہے) لیکن کسی منصب کے لئے یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی کہ اس منصب کا امیدوار مسلمان بھی ہے یا نہیں؟ اور دیانتدار ہے یا بددیانت؟ اس ناکارہ کا مشورہ یہ ہے کہ جہاں تعلیمی ڈگریوں کو دیکھا جاتا ہے وہاں اس شخص کی دیانت وامانت کو ملحوظ رکھنا اس سے زیادہ ضروری ہے' اس شرط کو نظرانداز کردینے کا یہ نتیجہ ہے کہ محکمہ تعلیم میں اسلامیات کی تعلیم پر ہندو' عیسائی' قادیانی' ملحد اور دہریہ قسم کے افراد کا تقرر کیا جارہا ہے' الغرض کسی منصب پر کسی شخص کا تقرر کرتے ہوئے صرف اس کی تعلیمی صلاحیت اور ڈگری کو نہ دیکھا جائے بلکہ اس کی دیانت وامانت کا بھی امتحان ضروری ہے۔

۳۔ ___ کسی اہم اور کلیدی منصب پر کسی غیر مسلم کا تقرر نہ کیا جائے' کیونکہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

انا لا نستعين بمشرك ۔ (صحیح مسلم ص۱۱۸ جلد ۲)

ترجمہ" : ہم کسی غیر مسلم بے ایمان سے اپنے کام میں مدد نہیں لے سکتے"۔

اور سرکاری افسران اور اہلکاروں میں جو لوگ مسلمان ہیں ان کے لئے نماز پنجگانہ کی پابندی کو اولین شرط قرار دیا جائے۔ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کے نام گشتی فرمان جاری کیا' جس میں تحریر فرمایا:

ان اهم امركم عندى الصلاة' فمن حفظها وحافظ عليها حفظ دينه' ومن ضيعها فهو لما سواها اضيع ۔ (موطا امام مالک ص۵)

ترجمہ" : بے شک تمہارے تمام امور میں میرے نزدیک نماز سب سے اہم ہے' پس جس نے اس کی حفاظت' پابندی کی وہ اپنے دین (باقی چیزوں) کی بھی حفاظت کرے گا۔ اور جس نے اسے ضائع کردیا وہ دوسری چیزوں کو بدرجہ اولیٰ ضائع کرے گا"۔

ظاہر ہے کہ اسلام لانے کے بعد ایک مسلمان کا سب سے بڑا فریضہ نماز ہے۔ پس جو شخص اپنے سب سے بڑے فریضہ میں خیانت کا مرتکب ہو اس سے دوسرے فرائض میں دیانت وامانت کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔

۴۔ ہمارے معاشرے میں یہ وبا عام ہوگئی ہے کہ کوئی بڑا آدمی جرم کا ارتکاب کرے تو اس سے چشم پوشی کی جاتی ہے' اور وہی جرم اگر کوئی کمزور آدمی کرے تو اسے اصل سزا سے بڑھ کر سزا دلانے کی کوشش کی جاتی ہے' اسی بنا پر داناؤں کا قول ہے کہ :

"قانون مکڑی کا جالا ہے' یہ کمزور کو پھانس لیتا ہے اور طاقتور اس کو توڑ دیتا ہے"۔

انتظامیہ کی اصلاح کے لئے ایک ضروری نکتہ یہ ہے کہ ہر شریف و وضیع پر قانون کا نفاذ یکساں کیا جائے' اور کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو قانون کا راستہ روکنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اگر کسی بڑے افسر نے جرم کا ارتکاب کیا ہو تو ضروری ہے کہ اس پر بر سرعام سزا جاری کی جائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں قانون کا احترام پیدا ہو۔

۵۔ــــ انتظامیہ کے تمام ملازمین عوام کے خادم اور نوکر ہیں' لیکن اب یہ تصور عوام ہی کے نہیں بلکہ چھوٹے بڑے افسروں کے ذہن سے بھی محو ہو چکا ہے۔ سرکاری افسران اپنے آپ کو عالم بالا کی مخلوق سمجھتے ہیں' اور عوام کالانعام ان کی نظر میں انسان نہیں' بلکہ بھیڑ بکریاں ہیں' افسران کی اس ذہنیت کو ختم کیا جائے' اور ان کے دل میں یہ احساس اجاگر کیا جائے کہ عوام اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر ان صاحب بہادروں کا روزینہ مہیا کرتے ہیں' عوام مخدوم ہیں' اور یہ افسران ان کے خادم اور نوکر ہیں۔

۶۔ــــ انتظامی مشینری کے افراد اپنی نوکری کو "پکی نوکری" سمجھتے ہیں ان کے ذہن میں یہ بات جم گئی ہے کہ یہ امیر وزیر ملک کے حکمران نہیں' بلکہ ملک کے اصل حکمران یہی بیورو کریٹ ہیں' یہی ملک کے بے تاج بادشاہ ہیں' کہ ملک میں آندھی چلے' قحط پڑے' دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے مگر ان کی نوکری کو کوئی خطرہ نہیں' بیورو کریسی کی یہ ذہنیت بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے جس کی فوری اصلاح ضروری ہے۔

۷۔ــــ انتظامیہ اور عدلیہ کو الگ الگ کرنے کا ایک عرصہ سے شور و غوغا ہے' ہر حکومت اس کا اعلان واجب الاذعان کرتی ہے۔ لیکن آج تک ان دونوں شعبوں کو الگ الگ کرنے کے لئے کوئی عملی اقدام نہیں کیا گیا' اسی کا نتیجہ ہے کہ ایس ڈی ایم' اے ڈی ایم' ڈپٹی کمشنر' ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور کمشنر وغیرہ کی سطح تک عدلیہ و انتظامیہ گڈمڈ ہے' انتظامیہ کا نمائندہ خود ہی حکومت کی طرف سے حاکم بن کر عدالت لگاتا ہے' اور عدالتی احکامات کا نفاذ کرتا ہے' اس یکجائی سے عوام پر رعب تو خوب بیٹھتا ہے' لیکن اس کے نتیجہ میں عوام کے نوکر اور کارندے اپنے کو حاکم مطلق سمجھتے ہیں' مہذب ممالک میں عدلیہ

وانتظامیہ کو ایک ہاتھ میں دینے کا تصور نہیں' ہمارے یہاں یہ رسم بد انگریز بہادر کی باقیات ہیں' انگریز نے عوام کی ناک میں نکیل ڈالنے اور ان سے من مانے ٹیکس وصول کرنے کے لئے ان عہدوں کو رائج کیا تھا' ضروری ہے کہ عدالتی اختیارات انتظامیہ کے سپرد نہ کئے جائیں' اور عوام کے ان نوکروں کو عوام کا بادشاہ نہ بنایا جائے یہ چند سفارشات ہیں جو انتظامیہ کی اصلاح کے لئے ارتجالاً زبان قلم پر آگئی ہیں' جن حضرات کو "کار مملکت" کا تجربہ ہے یقیناً وہ اس سے بہتر مشورہ دے سکتے ہیں' بہرحال جب تک دیمک خوردہ زنگ آلود انتظامیہ کی اصلاح نہیں کی جاتی' اور جب تک ملک کو چلانے والی مشینری امین ہاتھوں میں نہیں دی جاتی اس وقت تک ملک سے بدعنوانی کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

ملک کا ایک بہت ہی سنگین اور روح فرسا مسئلہ ملک کا معاشی بحران اور روز افزوں گرانی ہے' کرنسی کی "قدر" روز بروز کم ہو رہی ہے' ٹیکسوں میں نت نیا اضافہ ہو رہا ہے' اور بھولے بھالے عوام کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ان ٹیکسوں کا بوجھ عوام پر نہیں پڑنے دیا جائے گا' لیکن عملاً تمام ٹیکسوں کا بوجھ عام آدمی کو اٹھانا پڑتا ہے' اس گرانی نے (اونچے لوگوں کے سوا) سب کو پریشان کر رکھا ہے' جناب معین قریشی کی طرح حکومت کچھ نوٹ چھاپ کر اپنا خسارہ پورا کرتی ہے' کچھ غیر قوموں سے "امداد کی بھیک" مانگ کر وقت پورا کیا جاتا ہے۔

غیر ملکی قرضوں کی وجہ سے ملک کا دیوالیہ پٹ چکا ہے' قوم قرضوں کے سود اور سود در سود میں جکڑی ہوئی ہے' ہماری حکومتیں قرضوں کا سود در سود ادا کرنے کی بھی استطاعت نہیں رکھتیں' لیکن قرضے بدستور لئے جا رہے ہیں۔ عام آدمی کی قوت خرید گھٹتے گھٹتے صفر کے نقطہ تک پہنچ چکی ہے اور اس کی آمدنی اس کے مصارف کا مقابلہ کرنے سے عاجز آچکی ہے' آج کے جذباتی انسان کے لئے (جو ہمت و عزیمت' اعتماد و توکل' زہد و قناعت اور تعلق مع اللہ کی باطنی دولتوں سے محروم ہے) ان حالات کا مقابلہ کرنا دوبھر ہو رہا ہے۔ بہت سے نوجوان بے روزگاری اور تاریک مستقبل کی وجہ سے آمادہ خودکشی نظر آتے ہیں۔

ہماری حکومتیں بجائے اس کے کہ پریشان حال عوام اور بے کس و بے بس نوجوانوں

کے زخم خوردہ قلوب پر مرہم رکھنے کا اہتمام کرتیں' الٹا ٹیکسوں پر ٹیکس لگائے جارہی ہیں' گویا کوشش کی جارہی ہے کہ غریب آدمی کے بدن سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا جائے' سوال یہ ہے کہ یہ قوم ایسی صورت حال میں کب تک جیئے گی؟ دراصل ہمارے اونچے طبقہ کو' امیروں' وزیروں' مشیروں اور اعلیٰ حکام کو اندازہ ہی نہیں ہوسکتا ہے کہ عوام زندگی کی گاڑی کس طرح کھینچ رہے ہیں' اور ہوش ربا گرانی کی چکی میں کس بری طرح سے پس رہے ہیں؟ اس لئے کہ قومی خزانے کے دروازے ہمارے وزیروں' مشیروں اور اعلیٰ حکام کے لئے چوپٹ کھلے ہیں' ان کو بلا تکلف بھاری بھرکم تنخواہیں اور الاؤنس مل رہے ہیں' انہیں فری بنگلہ' فری فرنیچر' فری گیس' فری بجلی' فری خانساماں' فری گاڑی' فری ڈرائیور' فری پٹرول اور فری مرمت کار کی سہولتیں اور آسائشیں میسر ہیں۔

خدانخواستہ ان کو "زکام" ہوجائے تو سرکاری خرچ پر ان کا علاج ہوتا ہے' اور اگر ڈاکٹروں کی رائے ہو کہ "صاحب بہادر" کا علاج امریکہ و برطانیہ سے ادھر نہیں ہوسکتا تو سرکاری خرچ پر ان کا علاج بیرون ملک ہوگا' الغرض اس طبقہ کو تمام راحتیں اور آسائشیں مفت میسر ہیں' گویا یہ ملأ اعلیٰ کی مخلوق ہے جس کا معیار زندگی سب سے نرالا ہے۔ ان تمام آسائشوں اور سہولتوں کے باوصف ان کی تنخواہوں اور الاؤنسز میں فیاضانہ اضافہ ہوتا رہتا ہے' طرفہ یہ کہ ارکان اسمبلی اپنے وظائف اور روزینے میں اضافے کا بل خود منظور فرماکر قوم کو ممنون احسان فرماتے ہیں' اور صدر مملکت اپنی "مراعات" کا آرڈی نینس بنفس نفیس جاری فرماتے ہیں' کابینہ کے ارکان اپنے نرخ کی بلندی کے فیصلے خود فرماتے ہیں' یہ تو ہمارے "اعلیٰ طبقہ" کی وہ خوش عیشیاں ہیں جو ان کو از روئے قانون حاصل ہیں' ان کے علاوہ ان کی "بالائی آمدنی" حد شمار اور قید حساب کی پابندی سے بے نیاز ہے' کہنا چاہئے کہ قومی خزانہ صرف حکام بالادست کے گھر کی لونڈی ہے' ملک کے تمام وسائل صرف ان حضرات کی راحت و سہولت اور عیش کوشی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں' ملک کے غریب عوام کو صرف اس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ رات دن گدھے کی طرح محنت کے کولہو میں جتے رہیں' اور خون پسینہ ایک کرکے ان "صاحب بہادروں" کے بال بچوں کا مستقبل

سنوارا کریں' یہ "بالائی طبقہ" یہ امیروں' وزیروں' مشیروں اور اعلیٰ حکام کی فوج ظفر موج شاندار بنگلوں اور ایئر کنڈیشن کمروں میں بیٹھ کر کیسے سوچ سکتی ہے کہ ملک کے غریب عوام پر کیا گزر رہی ہے؟ ان کو زندگی کی بنیادی سہولتیں بھی میسر ہیں یا نہیں' ان کے تاریک کمروں میں (جو کافر کی قبر سے زیادہ تنگ ہیں) ہوا اور روشنی کا گزر بھی ہوتا ہے یا نہیں' انہیں پینے کے لئے پانی بھی میسر ہے یا نہیں؟ ان کی بدبودار تنگ گلیاں' ان کی شکستہ سڑکیں اور ان کے گرد غلاظت کے ڈھیر ان کی صحت پر تو اثرانداز نہیں ہوتے؟

جناب صدر! عوام کو خوشنما نعروں کے ذریعہ سبز باغ دکھا کر اپنا ہم نوا بنالینا بڑا آسان کام ہے' اور ہماری سیاسی جماعتیں اس فن میں مہارت تامہ رکھتی ہیں' لیکن عملی زندگی میں نیچے کی سطح پر اتر کر عوام کے دکھ درد میں شریک ہونا اور گوش ہوش سے عوام کی آہوں اور سسکیوں کا سننا بڑا مشکل کام ہے' یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں خدا کا خوف' محاسبہ آخرت کی فکر ہو اور مخلوق خدا کے ساتھ سچی شفقت ہو۔

ہمارے دور جدید کے ماہرین معاشیات' جو موٹی موٹی تنخواہیں لے کر اور ٹھنڈے کمروں میں بیٹھ کر "شماریات" کا حساب جوڑنے کے ماہر ہیں' وہ غریب عوام کا معاشی مسئلہ حل کرنے اور گرانی کے عفریت پر قابو پانے سے قاصر ہیں' ابھی چند مہینے پہلے ایک بہت بڑے ماہر معاشیات کو وزیر اعظم کی حیثیت سے بیرون ملک سے درآمد کیا گیا تھا' اس نے "بچہ سقہ" کے طرز پر چند روزہ حکومت چلائی' اور جاتے ہوئے اس بدنصیب ملک اور قوم کو "جو معاشی سوغات" عطا فرمائی وہ سب کے سامنے ہے۔

جناب صدر! یہ قومی خزانہ آپ کے پاس قوم کی امانت ہے' ملک کی امانت ہے' اور اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اس ملک خداداد میں افرادی قوت کی کمی نہیں' ذرائع پیداوار کی کمی نہیں' ضرورت اس بات کی ہے کہ اس امانت کو امانت سمجھ کر استعمال کیا جائے اس کو وزیروں' مشیروں اور اعلیٰ حکام کے لئے "لوٹ کا مال" نہ بنایا جائے' قوم کی معاشی زبوں حالی کا علاج کرنے کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔

ا۔ جو حضرات "عوام کی خدمت" کے نعروں سے برسر اقتدار آئے ہیں ان میں ایک

اچھی تعداد ان لوگوں کی ہے جو اپنے گھر میں خوشحال ہیں' صاحب ثروت ہیں' نواب اور رئیس ہیں' بعض وسیع وعریض اراضی کے مالک ہیں اور "لینڈ لارڈ" کہلاتے ہیں۔ بعض کارخانوں اور ملوں کے مالک ہیں' بعض تجارت کے شہنشاہ ہیں' بعض ٹرانسپورٹ کے مالک ہیں۔ ایسے تمام حضرات کا فرض ہے کہ قومی خزانے پر بوجھ نہ بنیں' بلکہ اپنے گھر کی حلال روٹی کھاکر "خدمت خلق" اور "غریب عوام کی خدمت" کا فریضہ انجام دیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے :

الا انی انزلت نفسی من مال اللہ منزلة الولی من مال الیتیم ان استغنیت استعففت' وان افتقرت اکلت بالمعروف' فاذا ایسرت قضیتہ

(تفسیر قرطبی ص۴۲ ج۵)

ترجمہ" : سنو! میں نے "اللہ کے مال" (قومی خزانے) کے معاملے میں اپنی وہی حیثیت قرار دے رکھی ہے جو یتیم کے ولی کی مال یتیم کے معاملے میں ہوا کرتی ہے' اگر مجھے اس مال سے لینے کی ضرورت نہ ہو تو اس کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا' اور اگر ضرورت مند ہوا تو بقدر کفایت لوں گا' پھر جب خود مال دار ہوجاؤں گا تو قومی خزانے سے جو کچھ لیا تھا وہ سارا واپس لوٹادوں گا"۔

جناب صدر! اپنی مملکت کے تمام امیروں وزیروں کو اس اصول کو اپنانے کی تلقین فرمائیں۔ اور اسی کی ابتداء خود اپنی ذات سے فرمائیں' قومی خزانے کا ایک ایک پیسہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے' قیامت کے دن آپ سے اس کی ایک ایک پائی کا حساب ہوگا' ارکان مملکت صرف اس شرط سے تنخواہ کے مستحق ہیں کہ وہ خود فقیر ومحتاج ہوں' قومی خزانہ امیروں کی امارت اور مالداروں کی ثروت میں اضافہ کرنے کے لئے نہیں ہے۔ اگر آپ کے دور صدارت میں دس بیس آدمی بھی ایسے نکل آئیں جو قومی خزانے کو اپنے لئے حرام سمجھیں تو یہ ایک اچھی روایت ہوگی' ہمارے یہاں پہلے بعض لوگوں نے اس کی نمائش کی

تھی کہ وہ سرکاری خزانہ سے تنخواہ نہیں لیتے' لیکن قومی خزانے سے بے شمار سہولتوں کے حاصل کرنے سے انہوں نے پرہیز نہیں کیا' لہٰذا یہ تنخواہ نہ لینا محض ایک نمائشی بات ہوئی' اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا ذاتی مال دیا تھا تو انہیں چاہئے تھا کہ "اللہ کے مال" کو نہ صرف یہ کہ اپنے ذاتی استعمال میں نہ لاتے بلکہ اگر اس سے پہلے جو "سرکاری مراعات" حاصل کرچکے تھے وہ بھی قومی خزانے کو واپس لوٹا دیتے۔

۲۔ جیسا کہ اوپر عرض کرچکا ہوں سیاسی پارٹیاں "خدمت عوام" کے نام پر برسر اقتدار آتی ہیں' اور اقتدار میں آنے کے بعد اپنی پارٹی کے افراد پر الطاف وعنایات کی بارش کرتی ہیں' جن کو وزیر بنایا جاسکتا ہے ان کو وزیر بنادیا جاتا ہے' اور جو وزیر نہیں بن سکتے ان کو مشیر بھرتی کرلیا جاتا ہے' اور جو اس میں بھی نہ پنپ سکیں ان کے لئے نئی آسامیاں پیدا کی جاتی ہیں' نئے محکمے ایجاد کئے جاتے ہیں' اور ہماری اطلاعات کے مطابق یہاں تک بھی ہوا کہ بہت سے لوگوں کو بغیر کام کے تنخواہیں دی گئیں' گویا ہمارے یہاں سیاست ایک بزنس (تجارت) ہے جس کو خدمت عوام کے نام پر کیا جاتا ہے' اور قومی خزانے کو لوٹ لوٹ کر اپنے لوگوں پر نچھاور کرنا اس تجارت کا "منافع" ہے' شاید یہی راز ہے کہ حکومت بنانے کے لئے ارکان اسمبلی کو خریدا جاتا ہے' اور ایک ایک رکن کی بولی پچاس پچاس لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

جناب صدر! قومی خزانہ کا مال قوم کی امانت ہے' جو لوگ اس امانت میں ایسی لوٹ کھسوٹ روا رکھتے ہیں وہ اپنے مرتبہ ومقام کے لحاظ سے ان منظم ڈاکوؤں کے قبیلے سے ہیں جن کے خلاف سندھ میں فوجی آپریشن ہورہا ہے' آپ پر حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ اس "مال امانت" کی حفاظت کے لئے اقدامات کریں۔ ہر محکمہ میں صرف ضرورت کے بقدر آدمی لئے جائیں' اور وزیروں مشیروں اور دیگر جیالوں کے لشکر سے ملک وقوم کو نجات دلائی جائے اور سیاست کو بزنس بنانے کے رجحان کو ختم کیا جائے۔

۳۔ .... سرکاری حکام کو حق الخدمت کے طور پر تنخواہ دی جاتی ہے اس میں چند امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے :

اول ۔:یہ کہ یہ معاوضہ محض ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہے' داد عیش دینے اور عوام کے ٹکڑوں پر نوابوں کی سی شان وشوکت کا مظاہرہ کرنے کے لئے نہیں' اس لئے تنخواہ بقدر ضرورت وکفایت ہونی چاہئے۔

دوم ۔:یہ کہ تنخواہیں تو جتنی ہوتیں ہوتیں' لیکن ان صاحب بہادروں کو جو لامحدود سہولتیں دی گئی ہیں یہ غریب عوام کے ساتھ ظلم ہے' ان سہولتوں کی ایک مناسب مقدار مقرر کردی جائے' اور ان اعلیٰ افسران سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنی ضروریات بس اسی محدود مقدار میں پوری فرمایا کریں' بنگلہ مفت' گاڑی مفت' ڈرائیور مفت' پٹرول مفت' ٹیلی فون مفت' بجلی اور گیس مفت' باورچی اور خدام مفت کا سلسلہ بند ہونا چاہئے' ورنہ "مال مفت دل بے رحم" کا مضمون صادق آئے گا' غور فرمایا جائے کہ ایک ایک سرکاری افسر کی ہر چیز مفت ہونے سے سرکاری خزانے پر کتنا بوجھ پڑتا ہے۔

سوم ۔:اگرچہ تنخواہوں میں منصب ومرتبہ کے لحاظ سے درجہ بندی کردی گئی ہے۔ لیکن چھوٹے درجے کے ملازمین کی تنخواہیں' ان کی ترقیات اور ان کو حاصل شدہ سہولتیں بڑے درجہ کے افسران کے مقابلے میں اتنی کم ہیں کہ چھوٹے ملازمین کے لئے دل جمعی کے ساتھ گھر کے اخراجات چلانا مشکل ہے' اور وہ اپنے گھریلو بجٹ کا خسارہ ناجائز ذرائع آمدنی سے پورا کرنے پر مجبور ہیں' بڑے اور چھوٹے ملازمین کی تنخواہوں میں اتنا فرق ہونا قرین انصاف نہیں' اس تفاوت کو کم کیا جانا چاہئے۔

۴۔ ــــــ امراء ووزراء اور اعلیٰ سرکاری افسران ان کی ذاتی اور سرکاری رہائش گاہوں کی تزئین و آرائش پر کروڑوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے' یہ بھی قومی خزانے پر سراسر ناجائز بوجھ ہے' "اللہ کے مال" میں ان شاہ خرچیوں کی کوئی گنجائش نہیں' یہ امانت میں خیانت ہے

جس کا سلسلہ بند ہونا چاہئے۔ اور جو ضروری اخراجات ناگزیر ہوں ان کو حد اعتدال کے اندر رہنا چاہئے۔

۵۔ ـ۔ صدر یا وزیر اعظم' وزرائے اعلیٰ دیگر وزراء اور اعلیٰ حکام کی طرف سے آئے دن "سرکاری پارٹیوں" اور ضیافتوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور ان ضیافتوں میں کھانوں کے تنوع اور کثرت کا وہ عالم ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کو "شاہان مغلیہ کا دستر خوان" معلوم ہوتا ہے' اور یہ ساری فیاضی وسخاوت بھی قومی خزانے سے کی جاتی ہے' یہ بھی قومی خزانے پر ناروا بوجھ ہے' جس کی اصلاح ہونی چاہئے۔

۶۔ ـ قومی خزانے کے ساتھ ایک زیادتی یہ کی جاتی ہے کہ ایک حکومت سرکاری اخراجات پر ایک منصوبہ شروع کرتی ہے' اور دوسری حکومت آکر اسے کالعدم قرار دے دیتی ہے' اور جتنا روپیہ اس منصوبے پر خرچ ہوچکا تھا وہ سب رائیگاں جاتا ہے' یا اس کی بیشتر افادیت ضائع ہو کر رہ جاتی ہے۔ قومی خزانے کے اس ضیاع کا بھی سدباب ہونا چاہئے۔

میں نے یہ چند نکات بطور مثال ذکر کئے ہیں جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے یہاں حکومتیں قومی خزانے کو کس طرح چاروں ہاتھوں سے لوٹتی ہیں' اور عوام کی خدمت کے بجائے قومی خزانے کو اپنی نفس پروری پر بے دریغ صرف کرتی ہیں' اور جب قومی خزانہ ان کی شاہ خرچیوں کے لئے مکتفی نہیں ہوتا تو عوام پر نت نئے ٹیکس لگاتی ہیں۔

جناب صدر ملکی معیشت کو سنبھالا دینے اور اسے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان اللے تللے مصارف کا خاتمہ کیا جائے' علاوہ ازیں مندرجہ ذیل تدابیر پر عمل کرنا بھی ضروری ہے :

ا۔ ــــ ہمارا ملک بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے' لیکن زرعی پیداوار روز بروز گھٹ رہی ہے' جس کی وجہ سے ہم بہت سی خوردنی اشیاء باہر سے درآمد کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ زرعی پیداوار میں مسلسل کمی کیوں آرہی ہے؟ حکومت کو اس پر

غور کرنا چاہئے' اس کے دیگر اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے کسان طبقہ کے لئے اب زراعت میں کوئی کشش نہیں رہی' کیوں کہ وہ سال بھر خون پسینہ ایک کرتا ہے' سردی وگرمی کی مشقتیں جھیلتا ہے' مگر ان تمام تر مشقتوں کے باوجود اس کو اس کی محنت کا معاوضہ نہیں ملتا' بہت سے اخراجات زمین پر اٹھ جاتے ہیں' اور جب فصل تیار ہوتی ہے تو حکومت لگان کی شکل میں اس کی ساری محنت لے اڑتی ہے۔اس غریب کے پاس اتنا کچھ بھی نہیں بچتا کہ وہ زمین پر اٹھنے والے مصارف ادا کرکے اپنے بال بچوں کے لئے سال چھ مہینے کا غلہ ہی بچالے۔ جس محنت کار سے اس کی سال بھر کی جاں گسل محنت حکومت چھین لے جائے اور اس کے بال بچوں کے پیٹ بھرنے کے لئے غلہ اور تن ڈھکنے کے لئے کپڑا بھی اسے میسر نہ آئے' وہ محنت کیوں کرے گا؟ زرعی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ چھوٹے زمینداروں اور کسانوں کو آبیانہ اور مالیانہ کی چھوٹ دی جائے' اور ان پر سرکاری لگان کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔

۲۔ ......ملک کے تاجر طبقہ اور ملازم طبقہ پر ٹیکسوں کا بے پناہ بوجھ لاد دیا گیا ہے' اور مسلسل ٹیکس پر ٹیکس لگائے جارہے ہیں' ٹیکسوں کی یہ بہتات حکومت کے زوال پذیر ہونے کی علامت ہے' جیسا کہ عمرانیات کے امام ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق "مقدمہ" میں لکھا ہے۔ (دیکھئے' باب سوم کی فصل نمبر۴۷)۔

لہٰذا اگر حکومت اپنے زوال وانحلال سے بچنا چاہتی ہے تو لازم ہے کہ غیر ترقیاتی اخراجات کم کرے (جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے) اور ٹیکسوں کے بوجھ سے قوم کو نجات دلائے' مصارف کو کم کرنے کے بجائے ٹیکسوں کے ذریعے آمدنی بڑھاتے چلے جانا حکومت کی نااہلی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۳۔ ہمارا معاشی نظام سود اور جوئے پر چل رہا ہے' اور سود کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ کوئی قوم جو اللہ ورسول پر ایمان رکھتی ہو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرکے فتح وکامرانی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ پس اگر ملک کی معاشی کجی کی اصلاح کرنا ہے تو

سود کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے' موجودہ دور میں حکومت کے تمام قرضے سودی ہیں۔ اسی طرح انشورنس کا موجودہ نظام بھی سود اور جوئے کا مرکب ہے۔ جب تک ان لعنتوں سے نجات حاصل نہیں کی جاتی معاشی استحکام کی کوئی صورت ممکن نہیں۔

۴۔ ــــ شریعت خداوندی نے جہاں دیگر شعبہ ہائے زندگی میں حلال وحرام اور جائز وناجائز کا نظام وضع کیا ہے۔ وہاں تجارت کی بھی بہت سی صورتوں کو حلال اور بعض صورتوں کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے آج بازار میں بہت سے معاملات ناجائز ہو رہے ہیں۔ مگر کسی حکومت نے ان معاملات کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی' جب تجارت بھی غیر شرعی اور ناجائز طریقوں پر چل رہی ہو تو معاشی اصلاح کی کیا صورت ہو سکتی ہے' لہٰذا معاشی اصلاح کے لئے تجارت کو ناجائز طریقوں سے پاک کرنا ضروری ہے' حکومت نے اپنی رائے اور خواہش سے تاجر پیشہ حضرات پر بہت سی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں' ان میں سے جو غیر ضروری بلکہ صریحاً ظلم کی حد میں آتی ہوں ان پابندیوں کو اٹھالینا بھی ضروری ہے۔

ہمارے معاشرے کا ایک اہم ترین مسئلہ قوم کا دینی واخلاقی انحطاط ہے۔ حکومت یہ سمجھتی ہے (اور یہ دور جدید کی عام ذہنیت ہے) کہ دین واخلاق فرد کا نجی مسئلہ ہے' اور کسی حکومت کو کسی فرد کے نجی اور ذاتی معاملہ میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں' یہ بات کسی حد تک صحیح ہے' لیکن حکومت کا فرد کی زندگی سے یکسر لاتعلق ہونا غلط اور قطعاً غلط ہے' اس لئے کہ فرد بھی اس اجتماع کی ایک اکائی ہے جسے حکومت کنٹرول کرتی ہے' جب کسی معاشرہ کے اکثر افراد بگڑ جائیں تو ان سے صالح اجتماعیت وجود میں کیسے آسکتی ہے' اور جب معاشرہ من حیث المجموع بگڑ جائے تو حکومت اس کو کیسے کنٹرول کر سکتی ہے؟ لہٰذا حکومت کے فرائض میں صرف افراد کی مادی ضروریات کی کفالت ہی نہیں۔ بلکہ ان کی دینی واخلاقی اصلاح کی ذمہ داری بھی حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ حکومت کی سرپرستی میں قوم کے دین واخلاق کو بگاڑا جارہا ہے' پہلے ریڈیو کے فلمی گانے اور فحاشی کے دوسرے ذرائع حکومت کی سرپرستی میں

کام کر رہے تھے، بعد ازاں ملک پر ٹی وی کی لعنت مسلط کردی گئی، اور ایک ایک گھر "سینما گھر" میں تبدیل کردیا گیا، پھر وی سی آر کو عام کیا گیا اب چوتھا قدم یہ اٹھایا گیا ہے کہ ڈش انٹینا کے ذریعہ دنیا بھر کی فحاشی کا دہانہ کھول دیا گیا ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں عریاں فلمیں دیکھتے ہیں، فحش ڈراموں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، یہ وہ میٹھا زہر ہے جو نوجوان نسل کو پلایا جارہا ہے جس کے نتیجہ میں نئی نسل جنسی انارکی، اخلاق باختگی اور مادر پدر آزادی کے تاریک گڑھے میں دھکیلی جارہی ہے، بے پردگی کو رواج دیا جارہا ہے، وطن کی حسینائیں کھلے بندوں بازاروں میں گھومتی ہیں۔ اس پورے منظر کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس قوم کا نہ کوئی دین ہے نہ ایمان، نہ نبی ہے نہ کتاب، نہ اخلاق ہے، نہ شرافت، نہ انسانیت ہے، اور نہ کوئی اصول۔

جناب صدر! کیا مسلمان قوم کا یہی نقشہ ہونا چاہئے؟ اور جس قوم کی مسند صدارت آپ کو تفویض کی گئی ہے کیا اس کے دین واخلاق کے بارے میں قیامت کے دن آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی؟

جناب صدر! ٹی وی کی فحاشی سے قوم کو نجات دلایئے۔ وی سی آر اور ڈش انٹینا کے ذریعہ جو زہر نوجوان نسل کو پلایا جارہا ہے اس پر پابندی عائد کیجئے۔ اور اغیار کی تقلید کے جس غلیظ اور گندے راستہ پر قوم کو ڈالا جارہا ہے اس سے باز رکھنے کی تدبیر نکالیئے۔

جناب صدر! یہ چند معروضات ہیں جن پر آپ کا توجہ کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو منصب عطا فرمایا ہے اور جس کی مسئولیت آپ کے کندھوں پر ڈال دی گئی اس منصب اور مسئولیت کا تقاضا ہے کہ آپ قوم کی سیاسی، دینی، اخلاقی اور معاشرتی نگہبانی کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں سرخروئی عطا فرمائیں اور ہر اچھے کام میں آپ کی خاص نصرت ومدد فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سید نا
محمد ن النبی الامی وآله وصحبه وبارک وسلم۔

(رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ)

خواتین کے بارے میں

اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

اسلامی نظریاتی کونسل نے قومی امور کے بارے میں وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے استفسار پر ایک جامع رپورٹ مرتب کی ہے' جس کا درج ذیل خلاصہ اخبارات میں شائع ہوا ہے:

"اسلام آباد (نمائندہ خصوصی) اسلامی نظریاتی کونسل نے سفارش کی ہے کہ :

○ کوئی ایسی تحریر کسی عدالت میں قبول نہ کی جائے جس سے یہ ظاہر ہو کہ کسی بیٹی یا بہن نے وراثت میں اپنا حصہ لینے سے انکار کر دیا ہے۔

○ خواتین کی مارپیٹ کرنے والے مردوں کو مناسب تعزیری سزا دی جائے تاکہ اس قسم کے واقعات کی روک تھام کی جا سکے' اگر کسی شخص نے کسی عورت کو اس طرح مارا ہو کہ اس کے جسم پر مار کا نشان پڑ گیا ہو تو اس مرد کو بھی ایسی سزا دی جائے کہ اس کے جسم پر مار کا نشان پڑ جائے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے قومی امور کے بارے میں وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے استفسارات پر جامع

رپورٹ تیار کی ہے یہ رپورٹ قومی اسمبلی اور سینیٹ کے حالیہ اجلاس میں پیش کی گئی ہے کونسل نے خواتین کے حدود کار، حقوق و فرائض کے بارے میں اپنی رپورٹ میں کہا کہ :

○ اسلام حصول معاش کی ذمہ داری خاتون خانہ پر نہیں ڈالتا بلکہ اس کی اہم تر فطری ذمہ داریوں کے پیش نظر اسے ایسے فرائض سے سبکدوش رکھتا ہے لیکن اگر کوئی خاتون اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے اس بات پر مجبور ہو جائے کہ اپنے اور اپنے بچوں کے لئے روزی کمائے تو اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ خواتین کو ایسے ذرائع روزگار فراہم کرے جن سے ان کی اصل ذمہ داریاں متاثر نہ ہوں۔

○ کونسل نے سفارش کی ہے کہ قرض کے لئے خواتین کی درخواستوں پر فوراً کارروائی کی جائے۔

○ ملکی سطح پر پرائمری تک تمام تعلیم معلمات کے ذریعے دی جائے۔

○ تعلیم اور صحت کے زنانہ اداروں میں پورا اسٹاف خواتین پر مشتمل ہو۔

○ بینکوں میں خواتین کی علیحدہ برانچیں ہوں۔

○ ریڈی میڈ کپڑے، اچار، مربے، چٹنیاں اور اسی طرح کی دیگر صنعتوں کے لئے خواتین کو آسان شرائط پر قرضے مہیا کئے جائیں تاکہ وہ اپنی روزی کما سکیں۔

○ حکومت کو چاہئے کہ وہ ترجیحی بنیادوں پر خواتین کو زمینیں

فراہم کرے تاکہ وہ ایسی زمینوں پر اپنے اسپتال اور اسکول قائم کر سکیں۔

○ کونسل نے رپورٹ میں کہا ہے کہ ایئرہوسٹس کی ذمہ داری اسلامی معاشرے میں نوجوان لڑکیوں پر ڈالنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اس لئے خواتین کے لئے اس پیشے کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

○ ملازمت کے لئے خواتین کی عمر کے معاملے میں مردوں سے زیادہ رعایت دی جائے۔ تاکہ اگر وہ تعلیم سے فارغ ہو کر اور شادی اور بچوں کی پرورش وغیرہ کے بعد ملازمت کرنا چاہیں تو کر سکیں۔

○ کونسل نے سفارش کی ہے کہ عورتوں کی ملازمت کے لئے عمر کی حد ۳۵ سال مقرر کی جائے۔

○ خواتین کے دفاتر مردوں سے علیحدہ ہونا چاہئیں۔

○ ملازمت کے دوران شوہر اور بیوی کو ایک شہر میں رکھا جائے۔

○ خاتون نرس صرف خواتین کے لئے ہو اور مردوں کی تیمارداری کا کام اس سے نہ لیا جائے۔

○ خواتین کے لئے ملازمت کا لباس متعین ہونا چاہیے دفاتر میں زینت اور نمائش کی سختی سے ممانعت ہونی چاہیے۔

○ اگر کہیں خواتین کو مردوں کے ساتھ کام پر رکھنا ناگزیر ہو تو کم عمر لڑکیوں کی بجائے معمر خواتین جو کم از کم ۴۰ سال کی ہوں

انہیں رکھا جائے۔

○ چھوٹے بچوں والی خواتین کے لئے اوقات کار کم رکھے جائیں مثلاً آدھے وقت کے لئے ایک عورت کام کرے اور آدھے وقت کے لئے دوسری۔

○ پندرہ گریڈ تک ملازمین کے بچوں کی مکمل تعلیم کتابیں، کاپیاں اور لباس وغیرہ کے تمام اخراجات زکوٰۃ فنڈ سے پورے کیے جائیں۔

○ ہر نئی کالونی میں پانچ فیصد پلاٹ مستحق بیواؤں کے لئے رعایتی نرخوں پر مختص کئے جائیں۔

○ ملازمت پیشہ خواتین کے لئے دفاتر اور کارخانوں وغیرہ میں علیحدہ غسل خانے اور نماز ادا کرنے کی جگہیں ہونا چاہئیں۔

○ کونسل نے کہا ہے کہ زنانہ پولیس میں نوعمر لڑکیوں کو بھرتی کرنے سے احتراز کیا جائے۔

○ اگر شادی کی صورت میں خواتین ملازمت سے بغیر تنخواہ چھٹی لے لیں تو انہیں دس سال کے دوران دوبارہ ملازمت کرنے کا حق دیا جائے۔

○ بے پردگی ممنوع ہونی چاہئے اور ایسی جگہوں پر پابندی لگنی چاہئے جہاں مرد اور عورتیں مل کر کام کریں۔

○ کونسل نے سفارش کی ہے کہ خواتین کا شعبہ تبلیغ قائم کیا جائے جس کے ذریعے وہ تمام ملک میں قرآنی تعلیمات کے مراکز قائم کریں۔

○ لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم کے وقت ایسے مضامین میں داخلہ نہ دیا جائے جو ڈگری لینے کے بعد ان کے کام نہ آسکیں مثلاً جیوگرافی ' باٹنی ' انجینیئرنگ وغیرہ۔

○ کونسل نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جو نفع نہ دے۔

○ کونسل نے سفارش کی ہے کہ معاشرے میں ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ خواتین اپنی عزت و آبرو اور جان و مال کو محفوظ محسوس کریں۔

○ بدکاری کی شرعی سزا نافذ کی جائے۔ بدکاری ختم کرنے کے لئے بدکاری کے تمام مواقع بھی معاشرے سے ختم ہونا چاہئیں۔

○ کسی عورت کی ناموس پر قیمت لگانے والے کو شرعی سزا دی جائے۔

○ کسی عورت کو وراثت سے محروم کرنا قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔

○ خواتین کے لئے انصاف کی سہولت مفت ہو۔

○ عدالتوں میں ایک دن خواتین کے لئے خاص ہو۔

○ ہر عدالت میں ایک خاتون وکیل مقرر کی جائے۔

○ عورت کا جو مہر مقرر ہو وہ اسے لازماً دیا جائے اور کوئی نکاح ۳۲ روپے مہر پر رجسٹر نہ کیا جائے بلکہ دولہا اور دلہن کی حیثیت کے مطابق مہر مقرر کیا جائے۔

○ جہیز کا مطالبہ کرنے والوں کو تعزیری سزا دی جائے۔

○ عائلی تنازعات میں عدالت اور چیئرمین یونین کونسل کا طریق کار سادہ بنایا جائے تاکہ عورتوں کے ساتھ ظلم نہ ہو۔

○ عورتوں کے لئے جیلیں بالکل علیحدہ ہوں۔ ان پر نگرانی کے لئے معمر خواتین کا تقرر کیا جائے۔

○ پولیس کے لئے ضروری قرار دیا جائے کہ وہ جرائم کی تفتیش کے لئے عورتوں کو تھانے میں نہ بلائے بلکہ ان کے گھر جا کر ان سے بیان لیا جائے۔

○ مقدمات میں عورتوں سے سوال و جواب کرتے وقت نسوانی شرم و حیا کا لحاظ رکھا جائے۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۵ جولائی ۱۹۹۱ء)

معاشرے کو اسلامی خطوط پر ڈھالنے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کی یہ سفارشات بڑی اہم اور وقیع ہیں۔ ان کو واقعتاً "انقلابی لائحہ عمل" کہا جا سکتا ہے۔ اور اگر ان پر مضبوطی و مستعدی اور صدق دل سے عمل کیا جائے تو معاشرہ میں پھیلی ہوئی بہت سی خرابیوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اور معاشرہ میں ایک خوش آئند انقلاب رونما ہو سکتا ہے۔

ہمارے معاشرے کی کجی کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم ایک طویل ترین دور غلامی سے نکل کر آئے ہیں، محکوم قومیں نفسیاتی طور پر احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں۔ انہیں اپنے یہاں کی اچھی سے اچھی چیز بھی گھٹیا نظر آنے لگتی ہے اور حاکم قوم کی بھدی سے بھدی چیز بھی اچھی دکھائی دیتی ہے۔ دور غلامی میں یہی ذہنی غلامی اور احساس کمتری ہمارا مقدر بنی اور ہمارے معاشرے نے احساس کمتری کے خلائی جہاز میں سوار ہو کر مشرقیت سے مغربیت کی طرف اور اسلامیت سے انگریزیت کا سفر شروع کیا۔ آزادی کے بعد زمام اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی جن میں ذہنی غلامی اور احساس

کمتری کا زہر پوری طرح گھل چکا تھا اور انہوں نے دانستہ و نادانستہ معاشرہ کو مغربی اطوار میں ڈھالنے پر اپنی توانائیاں صرف کر دیں۔ اب جب کہ ہم آزادی کی ۴۵ ویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ ہمارا معاشرہ مغربی اخلاق و اقدار میں اس قدر آگے نکل چکا ہے کہ اس کی واپسی کی امیدیں موہوم ہو چکی ہیں' اب ہمارے ارباب اقتدار نظام اسلامی کے نفاذ کے وعدے بھی فرماتے ہیں' گویا اس بگڑے ہوئے معاشرہ میں جو مغربیت کی نقالی میں فخر محسوس کر رہا ہے' ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں کسی بنیادی تبدیلی کے بغیر اسلام کی پیوند کاری کر کے اس کی اسلامیت کو بحال کر دیا جائے۔ لیکن جس طرح ایک مشین کے چند پرزے دوسری مشین میں نہیں لگائے جا سکتے اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ ہم معاشرہ کو مغربی خطوط پر بھی چلاتے رہیں اور اس میں اسلامی احکام کے دعوے بھی کرتے رہیں۔ اگر ہمیں واقعتاً اپنے معاشرہ کو مغربیت کے تباہ کن اخلاق و اقدار سے محفوظ رکھنا ہے اور اسے اسلامی خطوط پر استوار کرنا ہے تو ہمیں شر و فساد کے ان تمام منبعوں کو بند کرنا ہو گا جو مغربی تقلید کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں پھوٹ پڑے ہیں' اور اسلامی نظریاتی کونسل کی زیر بحث رپورٹ انہی سوتوں کو بند کرنے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اس رپورٹ کی بعض جزئیات میں مزید غور و فکر اور حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ مثلاً رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

> "خواتین کی مار پیٹ کرنے والے مردوں کو
> مناسب تعزیری سزا دی جائے۔"

شوہر کو تادیب کے لئے بقدر ضرورت مارنے کی قرآن کریم میں اجازت دی گئی ہے۔ اور حدیث شریف میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ یہ مار پیٹ ایسی نہیں ہونی چاہئے جس سے بدن پر نشان ابھر آئیں۔ بہرحال اگر شوہر اپنی بیوی کی اصلاح و تادیب کے لئے مناسب حد تک مار پیٹ کرتا ہے تو اس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی۔ اور یہ فرض کر لینا

کسی طرح بھی صحیح نہ ہو گا کہ گھریلو لڑائی جھگڑوں میں ہمیشہ عورت ہی مظلوم ہوتی ہے اور یہ کہ مرد ہمیشہ ظالم ہوتا ہے۔ ہمارے زمانے میں عورتوں کی مظلومیت کا پروپیگنڈہ اس شدت سے کیا گیا ہے کہ ہمارے یہاں وہ عدالتیں جو بطور خاص خاندانی معاملات کو نمٹانے کے لئے مقرر کی گئی ہیں وہ بھی واقعات کی تفتیش و تحقیق سے پہلے ہی یہ فرض کر لیتی ہیں کہ عورت مظلوم اور مرد ظالم ہے۔ یہ ذہنیت اسلامی مزاج اور اسلامی عدل کے یکسر خلاف ہے۔ اور اسلامی نظریاتی کونسل کی مندرجہ بالا سفارش سے بھی فی الجملہ اسی ذہن کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔

علاوہ ازیں بیوی کی مار پیٹ پر جب کہ حدود شرعیہ سے متجاوز نہ ہو' شوہر سے قصاص دلوانا بھی حزم و احتیاط کا متقاضی ہے۔ اسی طرح خواتین کو قرضے دلانے کی جو سفارش کی گئی ہے اس میں بھی حزم و احتیاط کی ضرورت ہے' ایک تو اس لئے کہ ہمارا موجودہ نظام معیشت ربٰو پر مبنی ہے' اور بینک سے جو قرضے لئے دیئے جائیں گے ان میں بھی ربٰو کا عمل دخل ہو گا۔ اور تجربہ یہ ہے کہ سودی قرضوں میں پھنسنے کے بعد ان سے نکلنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ بعض پسماندہ افراد نے بینک سے سودی قرضہ لے کر اپنی معیشت کو سنبھالا دینا چاہا' مگر سنبھلنے کے بجائے ان کی حالت پہلے سے بدتر ہو گئی اور بینک کا سود ادا کرنا ان کے لئے وبال زندگی بن گیا۔ خواتین کے لئے اگر سودی قرضوں کا دروازہ چوپٹ کھول دیا گیا تو اندیشہ ہے کہ یہ سودی قرضہ بہت سی نادار خواتین کو نگل جائے گا' نیز اس کا بھی قوی اندیشہ ہے کہ بعض افراد خواتین کو آلہ کار بنا کر قرضوں کے حصول کی کوشش کریں گے۔ اس لئے اس کے متوقع خطرات سے صرف نظر نہیں کیا جانا چاہئے۔ اور نادار خواتین کی ناداری کا مداوا کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اس سے مزید قباحتیں تو جنم نہیں لیں گی؟

کونسل کی یہ سفارش بھی حزم و احتیاط کی چھلنی میں چھاننے کے لائق ہے کہ :

"پندرہ گریڈ تک کے ملازمین کے بچوں کی مکمل تعلیم، کتابیں، کاپیاں اور لباس وغیرہ کے تمام اخراجات زکوٰۃ فنڈ سے پورے کئے جائیں"۔

بلاشبہ معاشرہ کے پسماندہ اور نادار افراد زکوٰۃ کا مصرف ہیں، لیکن مستحق و غیر مستحق اور مومن و کافر کا امتیاز کیے بغیر "پندرہ گریڈ تک کے ملازمین" کو علی الاطلاق زکوٰۃ کا مصرف قرار دے دینا محل نظر ہے۔

اسی طرح کونسل کی یہ سفارش بھی اصلاح طلب ہے کہ :

"ہر عدالت میں ایک خاتون وکیل مقرر کی جائے"۔

اس سفارش کی بنیاد دور جدید کے اس نظریہ پر قائم ہے کہ "عورتوں کی وکالت عورت ہی بہتر طور پر کر سکتی ہے۔" حالانکہ یہ نظریہ ہی اسلامی نہیں بلکہ مغربی ہے۔ مغرب نے مرد و عورت کے درمیان محاذ آرائی کا جو تصور پیش کیا ہے "وکیل عورت" کی سفارش بھی اسی کا ایک شعبہ ہے، پھر یہ کہ جب ہر عدالت میں ایک عدد "خاتون وکیل" کا ہونا لازمی قرار دیا جائے گا تو ستر و حجاب کا وہ تصور جسے اسلامی نظریاتی کونسل اجاگر کرنا چاہتی ہے وہ کہاں باقی رہے گا؟ اور پھر یہ قصہ صرف عدالت تک کہاں محدود رہے گا۔ زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں یہ مطالبہ ابھرے گا کہ عورت کی نمائندگی کا حق صرف عورت کو ہے، اور یہی آزادی نسواں کا وہ فلسفہ ہے جس کا صور مغرب میں بڑی بلند آہنگی سے پھونکا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی سوچنا ہو گا کہ "ہر عدالت میں ایک خاتون وکیل" مہیا کرنے کے لئے کتنی عورتوں کو وکالت پاس کرنے کے مراحل سے گزرنا ہو گا۔ اور آج ہمارے یہاں قانون اور طب کے شعبوں میں مخلوط تعلیم کی جو گرم بازاری ہے کیا اس میں عورتیں اپنی نسوانیت کے تمام لوازم کا تحفظ کر سکیں گی؟ ایک غیر ضروری چیز کے لئے عورتوں کو ان کڑی آزمائشوں اور شدید مراحل

سے گزارنا کیا اسلامی حکمت اس کی اجازت دینے کے لئے تیار ہوگی؟ حق تعالیٰ شانہ ہمیں اپنے تمام احکام کو صدق دل سے ماننے اور ان پر مضبوطی اور عزیمت کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه صفوة البریة
محمد وعلی آله واصحابه اجمعین۔

(بینات صفر المظفر ۱۴۱۲ھ)

انعامی اسکیموں پر پابندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

وفاقی شرعی عدالت نے ۱۵/۶/۱۹۷۹ء کو ایک فیصلے کے ذریعہ ملک میں رائج سرکاری وغیر سرکاری انعامی اسکیموں کو ناجائز قرار دیا تھا (اس فیصلے کا متن ماہنامہ بینات بابت ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ میں شائع ہوچکا ہے)۔

لیکن اس فیصلے کے باوجود ان انعامی اسکیموں کا سلسلہ بدستور جاری رہا، لیکن ڈیڑھ سال بعد حکومت سندھ کی جانب سے ان اسکیموں پر پابندی کا اعلان کیا گیا، چنانچہ ۴/دسمبر ۱۹۹۱ء کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ:

> "وفاقی شریعت عدالت کی رولنگ کے مطابق حکومت سندھ نے صوبہ بھر میں تمام ریفل اسکیموں، فروخت بڑھانے کے لئے ترغیبی اسکیموں، انعامی اسکیموں اور پری پے منٹ اسکیموں (پیشگی ادائیگی) کو فوری طور پر بند کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اور اس ضمن میں حکومت سندھ کے ہوم ڈیپارٹمنٹ کے جاری کردہ تمام اجازت نامے منسوخ کردیئے ہیں، ان احکامات کی خلاف ورزی کی صورت میں ذمہ دار افراد کے خلاف قانون کے مطابق کاروائی کی جائے گی۔

وفاقی شریعت عدالت کے فیصلے کے مطابق حکومت سندھ

نے ریفل اور انعامی اسکیموں پر جو پابندی لگائی ہے اس سے
فاطمید، ہلال احمر کی سکیمیں، اور دیگر غیر اسلامی اسکیمیں متاثر ہوں
گی، حکومت سندھ کی جانب سے مئگل کو ریفل اسکیموں کے
لائسنس منسوخ کرنے کے ہینڈ آوٹ میں ان ٹکٹ ہولڈرز کے
مستقبل کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے جنہوں نے منسوخی کے
اس اعلان سے قبل ان اسکیموں کے ٹکٹ خرید رکھے ہیں، ہینڈ
آوٹ میں اس امر کی بھی کوئی اطلاع نہیں دی گئی ہے کہ جن
اسکیموں کے ٹکٹ عام لوگوں نے خرید کر رکھے ہیں ان اسکیموں کو
شروع کرنے والے انہیں ٹکٹ کی مالیت کے لحاظ سے ان کی رقوم
واپس کریں گے یا نہیں اور حکومت سندھ نے اس سلسلے میں بھی
کوئی کٹ آف ڈیٹ نہیں دی ہے کہ جن اسکیموں کی جانب سے
اس سرکاری اعلان سے قبل انعامات کی تاریخوں کا اعلان ہو چکا ہے
اور اس سرکاری اعلان کے بعد متوقع انعامات کی تقریب کا انعقاد ہو گا
یا نہیں، خیال ہے کہ اس فیصلے کے بعد پنجاب ٹی بی ایسوسی ایشن کی
انعامی اسکیم ذیابیطس ریفل بھی متاثر ہو گی۔ پنجاب ٹی بی ایسوسی
ایشن کے ٹکٹ کراچی سمیت پورے سندھ میں بھی فروخت ہوتے
تھے اور ان کے اشتہارات کراچی ٹی وی سے ٹیلی کاسٹ کئے جاتے
تھے۔" (روزنامہ جنگ کراچی ۴ دسمبر ۱۹۹۱ء)

اگلے دن کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومت پنجاب بھی ایسی
اسکیموں پر پابندی عائد کر رہی ہے:

" اسلام آباد (پی پی آئی) باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ

حکومت سندھ کے بعد اب حکومت پنجاب نے بھی صوبے میں تمام
ریفل اسکیموں پر پابندی لگانے کا اصولی فیصلہ کرلیا ہے اور اس
ضمن میں فیصلے کا باقاعدہ اعلان دو ایک دن میں کردیا جائے گا" یہ
اقدام وفاقی شریعت عدالت کی رولنگ کی روشنی میں کیا جارہا ہے
جس میں کہا گیا ہے کہ ریفل اسکیمیں قمار بازی سے کم نہیں ہیں
اور چونکہ قرآن کریم ہر قسم کی قمار بازی کی ممانعت کرتا ہے اس
لئے ان اسکیموں کو بند کیا جانا چاہئے' اس وقت پنجاب میں فاطمید
ریفل' ٹی بی ریفل' اور ذیابیطس اسکیمیں کام کررہی ہیں' جب کہ
کرکٹر عمران خان بھی شوکت خانم میموریل کینسر اسپتال کے
اخراجات پورے کرنے کے لئے ایک اور ریفل اسکیم شروع کرنے
والے تھے۔ یاد رہے کہ پاکستان کا آئین بھی اس بات کی ضمانت دیتا
ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں قمار بازی اور ریفل اسکیمیں
چلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی' لیکن سنہ ۱۹۷۳ء سے اب تک
آئین کی اس شق کی خلاف ورزی کی جاتی رہی ہے' دریں اثنا مذہبی
تنظیموں' علما اور مشائخ کی اکثریت نے حکومت سندھ کو ریفل
اسکیموں' فروخت بڑھانے کے لئے ترغیبات اور انعامی اسکیموں پر
پابندی عائد کرنے پر مبارک باد دی ہے اور اس یقین کا اظہار کیا ہے
کہ دوسرے صوبے بھی حکومت سندھ کے اس فیصلے کی تقلید کریں
گے' انہوں نے امید ظاہر کی ہے کہ حکومت ملک سے سود کے
خاتمے کے لئے بھی ضروری عملی اقدامات کرے گی"۔

نیز یہ خبر بھی آئی ہے کہ حکومت نے ان اداروں کو جو انعامی اسکیمیں جاری

کرتے تھے' یہ ہدایت کی ہے کہ فروخت شدہ ٹکٹوں کی رقوم واپس کردیں :

"وزیر اعلیٰ کے مشیر عرفان مروت نے انعامی اسکیموں کی بندش کے بارے میں کہا ہے کہ صوبائی حکومت نے فاطمید اور ہلال احمر اور دیگر اداروں سے کہا ہے کہ وہ فروخت کردہ تمام ٹکٹ کی رقوم واپس کردیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ فیصلہ وفاقی شریعت عدالت کے فیصلے کی روشنی میں کیا گیا ہے اور صوبائی حکومت اس سلسلے میں ضروری اقدامات کررہی ہے' انہوں نے مزید کہا کہ متعلقہ اداروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ مکمل حسابات پیش کریں"۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۷ دسمبر ۱۹۹۱ء)

اور یہ کہ بینکوں نے بھی ان ٹکٹوں کی فروخت بند کردی ہے :

"کراچی (کامرس رپورٹر) صوبائی حکومت کی جانب سے ریفل اسکیموں اور لاٹری کے ٹکٹوں کی فروخت پر پابندی کے اعلان کے بعد تمام بینکوں نے ان ٹکٹوں کی فروخت بند کردی ہے' واضح رہے کہ سندھ میں فاطمید فاؤنڈیشن اور ہلال احمر رجسٹرڈ ہیں جب کہ ذیابیطس ایسوسی ایشن اور ٹی بی ایسوسی ایشن لاہور میں رجسٹرڈ ہے تاہم ان کے ٹکٹ کراچی میں فروخت ہوتے ہیں۔ فاطمید فاؤنڈیشن کے ترجمان نے پابندی لگنے کے بعد بتایا کہ فاطمید کے نئے ۱۲ منصوبے شدید متاثر ہوں گے"۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۷ دسمبر ۱۹۹۱ء)

یہ تمام اقدامات خوش آئند ہیں' اور ہم صوبائی حکومت کو اس پر مبارک باد دیتے ہیں اور اس سے پہلے وفاقی شریعت عدالت کو مستحق تبریک سمجھتے ہیں' تاہم اس امر کا قوی اندیشہ موجود ہے کہ سرکاری انعامی بانڈز اور غیر سرکاری انعامی اسکیموں کے

لئے کوئی اور راستہ تلاش نہ کرلیا جائے' یہ انعامی اسکیمیں خواہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری' عوام کو لوٹنے اور ان کا استحصال کرنے کا ایک ذریعہ ہیں' ان پر پورے ملک میں پابندی عائد ہونی چاہئے' اور اس امر کا بھی اہتمام ہونا چاہئے کہ جوئے اور قمار کا کاروبار کسی شکل میں بھی رائج نہ ہونے دیا جائے' حق تعالیٰ شانہ مسلمانوں کو اس "عمل شیطان" سے محفوظ رکھیں اور صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت نصیب فرمائے' آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا
محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

(بینات رجب ۱۴۱۲ھ)

پاکستانی سفارت خانوں کی کارکردگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

روزنامہ جنگ کراچی ۱۳ جولائی ۱۹۹۴ء کے اداریٔ صفحہ پر لاہور کے معروف صحافی اور کالم نگار جناب ارشاد احمد حقانی کا ایک مضمون "کیا یہ سچ ہے؟" کے عنوان سے چھپا ہے۔ جس کو ذیل میں من وعن پیش کیا جاتا ہے:

" سابق مشرقی پاکستان میں پاکستان دشمن جذبات کے فروغ کی دوسری بہت سی وجوہات کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مشرقی پاکستان کے تعلیمی اداروں میں اسکولوں سے لے کر یونیورسٹیوں تک غیر مسلم اساتذہ بہت بڑی تعداد میں کام کر رہے تھے اور وہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے ہر وقت سرگرم عمل رہتے تھے لیکن کسی بھی حکومت کو ان کی سرگرمیوں کا نوٹس لینے کی توفیق نہ ہوئی۔ آج ایک ایسی اطلاع نظر سے گزری ہے جسے پڑھ کر مشرقی پاکستان میں اپنی قومی بے حسی اور اہم ملکی مفادات سے غفلت کی المناک یاد تازہ ہوگئی۔ اطلاع کے مطابق انڈونیشیا میں پاکستان کے سفارت خانے کے تحت چلنے والے پاکستانی اسکول میں بھارتی جاسوسوں کا پوری طرح غلبہ ہوچکا ہے اور مزید بدقسمتی یہ ہے کہ انہیں جکارتہ میں متعین ہونے والے پاکستانی سفیروں ہی سے بھرپور تعاون اور امداد حاصل رہی ہے اور اب تک ہے۔ سفارت خانے ہی کے ایک افسر کی تیار کردہ رپورٹ میں جس کی نقول صدر لغاری اور وزیر اعظم بے نظیر کو بھی بھیجی گئی ہیں۔ اس اسکول کے حالات کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ رونگٹے کھڑے کردینے والا ہے اور اس سے متعلقہ پاکستانی

اعتراض حرکات کی وجہ سے اب نکالی جاچکی ہے۔ ایک عورت مس ساندی بانک زام ایک اور مس انیتا گاندھی اور مس جمنا ابھی تک اسکول میں کام کررہی ہیں۔ یہ الزام بھی اس رپورٹ میں لگایا گیا ہے کہ ان بھارتی عورتوں کو ملازمت دینے کے لئے پاکستانی خواتین اساتذہ کو زبردستی ملازمت سے علیحدہ کیا گیا۔ یہ ہندوستانی عورتیں بھارتی خفیہ ایجنسیوں کی تربیت یافتہ ہیں۔ رپورٹ میں الزام عائد کیا گیا ہے کہ بھارتی خواتین پاکستانی سفیر اور ملٹری اتاشی کے بہت قریب ہیں۔ وہ سفارت خانے میں اکثر آتی ہیں' بند کمروں میں سفارت خانے کے اعلیٰ ترین اہلکاروں سے ملاقاتیں کرتی ہیں اور کشمیر' پاکستان کے جوہری پروگرام اور دوسرے معاملات پر سفارت خانے سے اہم راز حاصل کرتی ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ سفیر کے اپنے دو بچے سفارت خانے کے اسکول میں داخل نہیں کرائے گئے اور وہ امریکی انٹرنیشنل اسکول میں پڑھ رہے ہیں۔ جن کی دو ہزار امریکی ڈالر ماہانہ فیس حکومت پاکستان ادا کررہی ہے۔ سفارت خانے کے اسکول کی مالیات کی حالت بھی نہایت ناگفتہ بہ بتائی جاتی ہے۔

حکومت پاکستان اسکول کے اخراجات کے لئے سالانہ ۵۰ لاکھ روپے گرانٹ دیتی ہے۔ اسکول کے ہر طالب علم سے ۵۰۰ امریکی ڈالر بطور داخلہ فیس لی جاتی ہے۔ اور ۵۰۰ ڈالر ماہانہ فیس ہے۔ ۵ اساتذہ کی تنخواہیں وفاقی وزارت تعلیم ادا کرتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسکول کا بجٹ ہمیشہ خسارے میں ہوتا ہے اور اس کے خزانے میں کبھی کوئی رقم موجود نہیں ہوتی۔ کچھ مزید ہندوستانی عورتیں جو اسکول میں کام کرچکی ہیں ان میں مسز لاجو سنتوش ہوجوانی اور مسز ریکا مہرانی شامل ہیں' جو اپنے مذموم مقاصد کے تحت اسکول میں آئیں اور اپنا مشن مکمل ہونے پر ۱۹۹۲ء میں اسکول سے فارغ ہوگئیں۔

یہ بات کوئی راز نہیں کہ پاکستانی قوم اپنی خون پسینے کی کمائی سے
اپنے سفارت خانوں کے اخراجات پورے کررہی ہے' لیکن بعض نام
نہاد پاکستانی نہ صرف ان سفارت خانوں میں حکومت کو مالی نقصان پہنچا
رہے ہیں' نہ صرف غیراخلاقی اور مذموم جنسی سرگرمیوں میں ملوث ہیں
بلکہ پاکستان کے راز بھی بھارتی عورتوں کے ذریعے دشمن تک پہنچارہے
ہیں' ۔اس سے بڑی غداری اور کیا ہوسکتی ہے۔ ہم حکومت پاکستان سے
کہیں گے کہ وہ جکارتہ کے پاکستانی مشن اور اسکول کے حالات کی پوری
تحقیقات کرائے اور جن لوگوں نے حکومتی عہدوں کی آڑ میں قومی
مفادات کو بیچا ہے ان کو عبرت ناک سزا دے۔ مزید برآں دوسرے
سفارت خانوں کے حالات کا بھی جائزہ لیا جائے اور جہاں جہاں غلط
حرکات ہورہی ہیں ان کا ازالہ کرنے کی پوری کوشش کی جائے"۔

اس سلسلہ میں چند اشارات ناگزیر ہیں :

۱۔ ....اسلامی وغیر اسلامی ممالک میں ہمارے سفارت خانوں کی کارکردگی لائق رشک نہیں' ان میں اکثر وبیشتر سفارت خانوں میں افسران اور عملہ فرض ناشناس بھی ہے' اور نااہل بھی۔ ہمارے یہ سفارت خانے نہ تو ملک کی صحیح نمائندگی اور اس کے مفادات کا تحفظ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں' اور نہ ہی انہیں اسلامی اور معاشرتی اقدار سے دلچسپی ہے' حقانی صاحب نے جکارتا (انڈونیشیا) کے سفارت خانے کے بارے میں "سفارت خانے ہی کے ایک افسر کی رپورٹ" کی روشنی میں جن حقائق کا انکشاف کیا ہے' اگر قوم ووطن اور مذہب اسلام کے بارے میں درد دل رکھنے والی ٹیم ہمارے سفارت خانوں کی تفتیش پر مامور کی جائے تو نہایت دلخراش حقائق سامنے آئیں گے۔

۲۔ ....ہمارے سفارت خانوں کی زبوں حالی کا اصل سبب یہ ہے کہ ان سفارت خانوں میں افسران اور عملہ کی بھرتی ملکی ومذہبی مفادات کے تحفظ کے لئے نہیں کی جاتی' بلکہ برسر

اقتدار حکومت اپنے منظور نظر لوگوں کو نوازنے کے لئے بھرتی کرتی ہے' جن لوگوں کو وزیر بنانا مشکل ہوتا ہے انہیں سفیر بنا کر باہر ملک بھیج دیا جاتا ہے' اور وہ ملک وقوم کے پیسے پر داد عیش دیتے ہیں' چونکہ ان لوگوں کی نگرانی کا کوئی معقول انتظام نہیں' اس لئے ان سفیروں اور ان کے ماتحت عملہ کو ہر قسم کی آزادی ہے۔

۳۔ ہمارے سفارت خانوں میں اکثر وبیشتر حضرات دین اور دینی اقدار سے یکسر بے بہرہ ہیں' اس لئے وہ خوف خدا اور محاسبہ آخرت سے بھی بے نیاز ہیں' ان میں بہت کم افراد ایسے ہوں گے جو ذہناً مسلمان ہوں' اور عملاً دینی فرائض بجالاتے ہوں۔

۴۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ رسوائے زمانہ چوہدری ظفر اللہ خان قادیانی نے بیرونی سفارت خانوں کو قادیانیت کے اڈے بنادیا تھا' پاکستان کے سفارت خانے در اصل قادیانی مشن کے مراکز بن گئے تھے' بعد میں اگرچہ صورتحال میں کچھ تبدیلی آئی' لیکن اس کے باوجود ہمارے سفارت خانوں میں قادیانی اب بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں' مرزا غلام احمد قادیانی کے زمانہ سے لے کر آج تک قادیانی جماعت کا کام مسلمانوں کی مخبری کرنا اور غیر ملکی آقاؤں کے لئے مسلمانوں کی جاسوسی کرنا رہا ہے' اس لئے سفارت خانوں میں قادیانیوں کا تقرر دراصل ان سفارت خانوں کو جاسوسی کے اڈوں میں تبدیل کرنا ہے' حقانی صاحب کے مندرجہ بالا مضمون میں جو کہا گیا ہے :

> "سفیر موصوف نے اپنے دو خاص دوست بھی بھرتی کئے' جن میں سے ایک مبشر احمد کا بھارتی سفارت خانے سے قریبی رابطہ تھا' اور اس نے بھارتی سفارت خانے سے درخواست کی کہ پاکستانی اسکول میں "ثقافتی سرگرمیوں" کے فروغ میں اس کی مدد کی جائے"۔

ہمیں شبہ ہے کہ یہ مبشر احمد نامی شخص قادیانی ہے' اور جکارتا میں پاکستانی سفارت خانے کو جاسوسی کے اڈے میں تبدیل کرنا اسی ذات شریف کا کارنامہ ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ اس امر کی تحقیقات کرے کہ آیا یہ شخص واقعی قادیانی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ

غیر شرعی حکومت کی برطرفی

اور

موجودہ حکمرانوں سے خدشات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

حق تعالیٰ شانہ بندوں کے ساتھ ان کے اعمال کے مطابق معاملہ فرماتے ہیں، مشکوٰۃ شریف میں حافظ ابونعیم کی "حلیۃ الاولیاء" سے یہ حدیث نقل کی ہے:

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یقول انا اللہ لا الہ الا انا مالک الملوک و ملک الملوک قلوب الملوک فی یدی وان العباد اذا اطاعونی حولت قلوب ملوکھم علیھم بالرحمۃ والرأفۃ وان العباد اذا عصونی حولت قلوبھم بالسخطۃ والنقمۃ فساموھم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسکم بالدعاء علی الملوک ولکن اشغلوا انفسکم بالذکر والتضرع کی اکفیکم رواہ ابونعیم فی الحلیۃ

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۳)

ترجمہ: "حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا مالک

ہوں' اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں' بادشاہوں کے دل میرے قبضے میں ہیں' اور بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دل پھیر دیتا ہوں ان پر شفقت اور رحمت کے ساتھ' اور بندے جب میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں پھیر دیتا ہوں ان کے دلوں کو ناراضی اور انتقام کے ساتھ پس وہ ان کو برا عذاب چکھاتے ہیں' پس اپنے نفسوں کو بادشاہوں پر بددعا کرنے میں مشغول نہ کرو بلکہ اپنے نفسوں کو ذکر اور تضرع کے ساتھ مشغول کرو تاکہ میں تمہاری کفایت کروں"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بندوں کے اعمال بگڑ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے احوال کو بھی بگاڑ دیتے ہیں اور سب سے بڑی تبدیلی ان کے حاکموں میں آتی ہے اللہ تعالیٰ ان بگڑے ہوئے بندوں پر بگڑے ہوئے حاکم مقرر کرتے ہیں جو ان پر رحم نہیں کرتے۔

عورت کا حکمران ہونا نہ شرعاً درست ہے نہ عقلاً لیکن جب بندوں کے اعمال میں بگاڑ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ذلت ان کے حق میں مقدر فرمائی کہ عورت کی حکمرانی ان پر مسلط کر دی بلکہ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو ہٹا کر دوبارہ اسی کو ان پر مسلط کر دیا اور پھر اس ہولناک عذاب میں ان کو مبتلا کیا جس کی مثال اس ملک کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

ان بطش ربک لشدید ○ انہ ھو یبدئ ویعید ○

(بروج۔ آیت ۱۳)

ترجمہ :" آپ کے رب کی دارو گیر بڑی سخت ہے (پس کفار پر سزائے شدید کا واقع ہونا مستبعد نہیں اور نیز) وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ (قیامت کے دن میں بھی) پیدا کرے گا"۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے اقتدار چھینتے ہیں تو وہم د

قیاس سے بالا تر اسباب پیدا فرما دیتے ہیں۔ بے نظیر کی حکومت ظاہری اسباب میں اتنی مستحکم تھی کہ کوئی اس کے خلاف چوں نہیں کر سکتا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس کو معزول کرنے کا ارادہ فرمایا تو اسباب سب دھرے کے دھرے رہ گئے اور اخبارات کے مطابق وزیراعظم ہاؤس میں جو دو کروڑ روپے کے آلات نصب تھے وہ بھی بیکار ہوگئے۔

"وکذلک اخذ ربک اذا اخذا القرٰی وھی

ظالمۃ ان اخذہ الیم شدید" (ھود۔۱۰۲)

ترجمہ :"اور اسی طرح ہوتا ہے پکڑنا تیرے رب کا جب وہ پکڑے بستیوں کو اور وہ ہوں ظالم، بے شک اس کی پکڑ بڑی شدید اور دردناک ہوتی ہے۔"

بے نظیر حکومت گئی تو لوگوں نے اس پر اتنی خوشیاں منائیں کہ غالباً اس حکومت کے آنے پر اس کے خیر خواہوں نے اتنی خوشیاں نہیں منائی ہوں گی۔ جگہ جگہ مٹھائیاں تقسیم کی گئیں اور وہ رات لوگوں کو یاد ہے کہ اس میں لوگوں نے کس قدر خوشی و مسرت کا اظہار کیا اللہ کے مقبول بندوں کی دعائیں بالآخر قبول ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے اس لعنت سے قوم کو نجات دلائی۔ اس ناکارہ سے احباب نے فرمائش کی کہ مٹھائی کھلائی جائے جواباً عرض کیا کہ ہمیں اس کی کوئی خوشی نہیں کہ "گاؤ آمد خر رفت"۔

ہمیں تو خوشی اس وقت ہو گی جب کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہمارے گناہوں کو معاف کر دیا جائے اور ہم پر کوئی اچھا حاکم مقرر کر دیا جائے۔

افسوس ہے کہ جو حکومت سے معزول ہوئے ان کو کوئی عبرت نہیں ہوئی بلکہ ان کا سارا الزام معزول کرنے والوں پر ہے یعنی قصور ان کا اپنا نہیں بلکہ دوسروں کا ہے اور یہ کسی شخص کی حالت کا مسخ ہو جانا ہے کہ اس کو گرد و پیش کے حالات میں کوئی عبرت نہ ہو اور اپنے طرز عمل میں کوئی احساس ندامت محسوس نہ کیا جائے۔ اسی طرح دوسرے فریقوں کے طرز عمل میں بھی کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

قوم مزید سرکشی پر آمادہ ہے اور ان میں انابت الی اللہ کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔ ایں صورت جو نئی حکومت آئے گی اس سے بھی کسی خیر کی توقع مشکل ہی سے کی جا سکتی ہے۔ والغیب عند اللہ۔

وزیر اعظم نواز شریف
کی خدمت میں چند معروضات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

بتاریخ ۳ فروری ۱۹۹۷ء کے انتخابات کے نتیجہ میں میاں محمد نواز شریف بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے' وہ خود وزیر اعظم اور ان کے بھائی میاں شہباز شریف پنجاب کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے' سرحد میں مسلم لیگ اور ان کے حلیفوں کی حکومت بنی' سندھ میں مسلم لیگ اور اس کے پانچ جماعتی اتحاد نے حکومت بنائی' جب کہ بلوچستان میں مسلم لیگ حکومت سے باہر رہی۔

میاں محمد نواز شریف دوسری مرتبہ اس ملک کے وزیر اعظم منتخب ہوئے ہیں' یہ ان کے لئے ایک بڑا اعزاز بھی ہے اور عظیم ترین ذمہ داری بھی۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ملک کو زنانہ حکومت کی لعنت سے نجات ملی' اور ملک کو دوبارہ ڈھب کی مردانہ منتخب حکومت میسر آئی ہے۔ دعا ہے کہ نئی حکومت کو حق تعالیٰ کامیابی عطا فرمائیں' اور اسے ملک و قوم کے مسائل کی گتھی سلجھانے کی توفیق سے سرفراز فرمائیں۔

نااہل حکمرانوں کی خود غرضی و نالائقی نے ملک کو اتنے شدید صدمات سے دوچار کر دیا ہے اور لوٹ کھسوٹ کا ایک بازار گرم کر دیا ہے کہ کسی طرح یقین نہیں آتا کہ یہ ملک کبھی دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے گا' لیکن اگر اخلاص کے ساتھ ملک کو بچانے کا عزم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ دستگیری فرمائیں گے' اور قوم و ملک کی عظمت رفتہ واپس لوٹ سکے گی' حق تعالیٰ شانہ جب کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان کو اچھے حاکم عطا فرماتے ہیں' اور ان کو عدل و انصاف کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔

میاں نواز شریف کو مشورہ دینے والے تو بہت ہیں' بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہمارے اخبار نویس اور دانشور کوئی اور کام کرنے کے بجائے صرف مشورے دینے کا کام کرتے ہیں' اخبارات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانوں کو خود سوچنے کی ضرورت نہیں' بلکہ ہمارے دانشوروں کے ذہن میں الٹے سیدھے جو خیالات گردش کرتے ہیں بس ان پر عمل کرتے جائیں تو بیڑا پار ہے' لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ جوں جوں مشوروں کی مقدار میں اضافہ ہوا ہے اسی نسبت سے قوت عمل میں کمی آرہی ہے' اور قوم اپاہج ہو رہی ہے' اس لئے بہتر یہ ہے کہ حکمرانوں کو اپنے دماغ سے سوچنے اور اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع دیا جائے' الّایہ کہ وہ صریحاً غلط روش اختیار کریں تو ان کو ضرور ٹوکا جائے مگر چونکہ قوم کو مشورے دینے کی عادت پڑ چکی ہے اور کسی اخبار اور رسالہ کا ایڈیٹر اس وقت تک اپنے فرائض بجالانے والا نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ حکمرانوں کو چند مخلصانہ مشوروں سے مستفید نہ کرے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ فقیر بھی نئی حکومت اور عوام کی خدمت میں چند عدد مشوروں کا تحفہ پیش کرے۔

○ ملک کو جو حالات درپیش ہیں وہ ہر شخص کو کھلی آنکھوں نظر آتے ہیں ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ یہ سوچے کہ ان حالات کی اصلاح یا بگاڑ میں میرا کتنا حصہ ہے؟ گویا ہم میں سے ہر شخص کو حالات کی اصلاح کا آغاز خود اپنی ذات سے کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض میرے ذمہ رکھے ہیں (خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد) آیا میں ان کو بجالاتا ہوں؟ الغرض ہمارا فرض ہے کہ پوری کی پوری قوم اور قوم کا ایک ایک فرد اصلاح کا آغاز اپنی ذات سے کرے۔ پہلے اگر کوتاہی ہوتی رہی' غفلت میں وقت گزرتا گیا' اور اصلاح کی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ بلکہ اگر اصلاح کے شروع کرنے کا خیال بھی ہمارے ذہن میں نہیں آیا تو "گزشت آنچہ گزشت" کے مطابق کم از کم آج ہی سے اس کا آغاز کر دیا جائے' اور یہ عہد کر لیا جائے کہ ایک سال تک دوسروں پر تنقید کرنے اور ان کی غلط روی کی نشاندہی کرنے کی بجائے مجھے خود سیدھا چلنا ہے۔ اگر ہر شخص خود احتسابی شروع کردے (اور اگر اسے یہ کام نہیں آتا تو کسی ایسے شخص سے مدد لے جو اس کام کو جانتا ہو)

تو اس ناکارہ کا خیال ہے کہ اس کا نتیجہ بڑا ہی خوش گوار نکلے گا اور زندگی کی گاڑی بڑی حد تک پٹڑی پر آجائے گی' اس کے یہ معنی نہیں کہ اس دوران کسی ڈاکو اور چور کو نہ پکڑا جائے' بلکہ مطلب یہ ہے کہ وزیر اعظم سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ اہل کار تک ہم میں ہر شخص اور ہر فرد پوری دیانت داری سے اپنے فرائض کی بجا آوری میں مشغول ہو جائے۔ قوم "احتساب احتساب" کا نعرہ چیخ چیخ کر لگاتی ہے لیکن عملاً ہر شخص دوسروں کا احتساب چاہتا ہے' خود اپنا احتساب نہیں۔

○ عزت مآب جناب میاں محمد نواز شریف کو حضرت امیرالمومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تاریخی فقرہ پیش نظر رکھنا چاہئے :

نحن قوم اعزنا اللّٰہ بالاسلام۔

ترجمہ :"ہم لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ عزت بخشی ہے"۔

ہماری تمام تر عزت کا مدار دین اسلام پر ہے' دنیا و آخرت کی ہر کامیابی و سرخروئی احکام اسلام کی پابندی میں ہے' اور دنیا و عقبیٰ کی ہر ذلت و رسوائی احکام اسلام کو پس پشت ڈالنے میں ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اقتدار کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے اور اپنی استطاعت و بساط کے مطابق احکام اسلام کی پابندی کو اپنا نصب العین بنا لیجئے۔

بے خدا قومیں ہماری اسلام سے وابستگی کو نفرت و کراہت کی نظر سے دیکھتی ہوں یا عزت و احترام کی نظر سے' ہمیں اس کو دیکھنے کی ضرورت نہیں' ہر معاملہ میں دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کس نظر سے دیکھتا ہے' ہماری اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ داری نہیں' بلکہ ہمارا تعلق اس کے ساتھ بندہ ہونے کا ہے' اگر ہم بندگی کا حق ادا نہ کریں تو اس کی نظر میں ہماری قیمت مینگنی کے برابر بھی نہیں ہے' اس لئے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہئے۔ مخلوق کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

○ محترم وزیر اعظم صاحب! حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو ملک کے تیرہ کروڑ عوام کا حکمران

بنایا ہے' ان میں آپ کے موافق بھی ہوں گے اور مخالف بھی' دوست بھی ہوں گے اور دشمن بھی' خیرخواہ بھی ہوں گے' اور بدخواہ بھی' مسلم بھی ہوں گے اور غیر مسلم بھی' لیکن آپ کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو اس ملک کے تمام باشندوں کا حکمران بنایا ہے' یہ تمام لوگ آپ کی رعایا میں شامل ہیں' اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کے بارے میں آپ سے باز پرس فرمائیں گے' اس لئے ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے' ہر ایک کے حقوق ادا کئے جائیں' آپ کی نظر میں سب یکساں ہونے چاہئیں' مظلوم کو ظالم سے انصاف دلانا' اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکنا آپ کا مشن ہونا چاہئے' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا :

"تم میں سے جو شخص کمزور ہے وہ میری نظر میں طاقت ور ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق دلا دوں' اور جو شخص طاقتور ہے وہ میری نظر میں کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کر لوں"۔

⊙ عزت مآب وزیر اعظم! سابق حکمرانوں کی شاہ خرچیوں اور تعیشات کی بدولت ملک قریب قریب دیوالیہ ہو چکا ہے' کرنسی کی قیمت گر چکی ہے' ابھی چند سال پہلے امریکی ڈالر سات روپے کا تھا جو چالیس روپے کا ہو چکا ہے۔ غریب عوام ٹیکسوں کے بوجھ کے نیچے سسک رہے ہیں اور ان کے لئے جان و تن کا رشتہ قائم کرنا مشکل ہو چکا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس کی تفصیلات مجھ سے زیادہ آپ کو معلوم ہیں' پوری قوم کسی نجات دہندہ کی تلاش میں تھی جو اس کو مہنگائی کے عفریت سے نجات دلائے' قوم کی خوش قسمتی ہوگی کہ اگر اسے میاں نواز شریف کی شکل میں وہ نجات دھندہ میسر آ جائے۔

○ عزت مآب وزیر اعظم! لاکھوں نوجوان بے روزگار ہیں جن کا مصرف سوائے لڑنے مرنے اور دنگا فساد کے کچھ نہیں ہے۔ حسن تدبر کے ساتھ قوم کے بے روزگار نوجوانوں کے لئے کوئی ذریعہ معاش تلاش کیجئے۔ ورنہ قوم کا یہ عظیم ترین سرمایہ نہ صرف یہ کہ ضائع ہو جائے گا بلکہ ان کی تمام صلاحیتیں منفی راستے پر خرچ ہوں گی۔

○ عزت مآب وزیر اعظم! ملک میں قتل و غارت' چوری اور ڈکیتی ایک عام معمول بن چکا

ہے' اور وقفہ وقفہ کے بعد مختلف جگہوں میں اجتماعی قتل کی وارداتیں روزمرہ معمولات میں شامل ہو گئی ہیں۔ کسی ملک میں ان چیزوں کا ہونا وہاں کی حکومت کے لئے ایک چیلنج ہے اور ملک و قوم کے خلاف سازش ہے' اور تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ یہ فرقہ وارانہ فسادات ہیں' حالانکہ ایسا نہیں۔ کسی سنجیدہ حکومت کے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت ہے اس کا تدارک ضروری ہے۔ پولیس جو عوام کی جان و مال اور عزت و آبرو کی محافظ ہے وہ یا تو ان وارداتوں میں خود شامل ہے یا خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتی ہے۔ اور سالہا سال سے ایسی وارداتیں تسلسل کے ساتھ ہو رہی ہیں مگر پولیس اس کی جڑ کا سراغ لگانے سے بھی قاصر رہی ہے۔ اس لئے کہ پولیس کے اعلیٰ افسران بخوبی جانتے ہیں کہ پولیس کا کام حکومت کے مخالفوں کی پکڑ دھکڑ ہے عوام کی حفاظت نہیں۔ اس کا تدارک ہونا چاہئے اور جہاں ایسی واردات ہو وہاں کی پولیس اور افسران کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔

○ گزشتہ دور حکومت میں صوبہ سندھ بالخصوص کراچی 'حیدر آباد وغیرہ میں ایک خاص طبقے کو پولیس نے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا اور "پولیس مقابلے" کے عنوان سے ہزاروں آدمیوں کو قتل کیا گیا حتیٰ کہ سابقہ نام نہاد وزیراعظم کے سگے بھائی کو اس کے سات رفقاء سمیت اس کے گھر کے سامنے قتل کیا گیا۔ (یہ معاملہ چونکہ ایک خاص عدالت کے سامنے پیش ہے اس لئے ہم اس پر تبصرہ کرنا نہیں چاہتے) خود راقم الحروف کے علم میں ایسے بے گناہ لوگ موجود ہیں جن کو بے گناہ پکڑا گیا اور آج تک ان کی ضمانت بھی نہیں ہوئی' یہ معاملات صوبائی ہیں یا قومی؟ اس سے قطع نظر ماورائے عدالت قتل کے تمام متاثرین کی دادرسی ہونی چاہئے اور جو بیچارے پولیس کے ہاتھوں اب تک جیلوں اور حوالات میں بند ہیں ان کی رہائی کا اعلان ہونا چاہئے۔

○ گزشتہ دور میں مختلف طریقوں سے قوم کا بے تحاشا روپیہ لوٹا گیا اور اس کے نتیجہ میں قوم کو قلاش اور مفلس بنا دیا گیا اس کا احتساب ہونا چاہئے اور ان لوگوں سے قوم کا پیسہ اگلوانا چاہئے۔

○ عزت مآب وزیراعظم !وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھانے سے پہلے اخبار میں آپ کا بیان

شائع ہوا تھا کہ آپ آئینی مسائل کو فی الحال نہیں چھیڑیں گے' یہ بڑی عاقلانہ تجویز تھی اور مجھے اس کی بہت خوشی ہوئی کہ جب تک قوم کے اہم ترین مسائل حل نہیں ہو جاتے' نئے مسائل شروع نہ کئے جائیں لیکن جس قدر اس سے خوشی ہوئی تھی اس سے زیادہ صدمہ ہوا ہے کہ آپ نے جمعہ کی چھٹی کو منسوخ کر کے اتوار کی چھٹی مقرر کر دی۔ بظاہر یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں لیکن اللہ و رسول کے حکم کے مقابلے میں بے ایمان قوموں کی موافقت نہایت رنجیدہ چیز ہے 'اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس پر بازپرس فرمائی تو ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا' ہماری مخلصانہ گزارش ہے کہ جمعہ کی چھٹی کو برقرار رکھا جائے اور اس قضیہ کو اپنی حکومت کے لئے براشگون بنانے سے پرہیز کیا جائے۔

ہماری دعا ہے کہ آپ کی قیادت میں قوم اپنے مقاصد سے ہمکنار ہو سکے باقی معروضات ان شاء اللہ دوسری صحبت میں پیش کی جائیں گی۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوۃ
البریۃ محمد و آلہ و اصحابہ وبارک وسلم

وزیراعظم کے فیصلے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ امابعد :

ہم نے گزشتہ صحبت میں جناب وزیراعظم کی خدمت میں چند مخلصانہ گزارشات کی تھیں۔ الحمد للہ کہ انہوں نے اس سلسلے میں ہم سے زیادہ فکرمندی کا مظاہرہ کیا تاہم یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ انہوں نے سودی اسکیم کے تحت جو رقوم جمع کرنے کا اعلان فرمایا ہے وہ نہ صرف ملک کے لئے مہلک ہے بلکہ خدا و رسول سے مقابلہ ہے' اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے :

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ

(بقرہ، ۲۷۹)

ترجمہ : پھر اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسولؐ کی طرف سے"۔

عجیب بات ہے کہ ایک طرف ملک کو بچانے اور سنوارنے اور قرض ادا کرنے کا نعرہ لگایا جا رہا ہے' دوسری طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے ہتھیار پہنے جا رہے ہیں' اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کر کے کوئی قوم سرخرو نہیں ہو سکتی۔

وزیراعظم نے اعلان فرمایا تھا کہ وہ سودی کھاتوں کو ختم کر کے اسلام کا معاشی نظام نافذ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے ضرورت تھی کہ تمام سودی کھاتوں کو ختم کر کے اس کی جگہ نفع نقصان کی اسکیمیں جاری کی جاتیں' اور اس کے لئے علمائے کرام سے مشورہ

کیاجاتا، لیکن شاید وزیراعظم اور ان کی کابینہ کے بزرجمہروں کو یہ بات سمجھنا مشکل ہے کہ دور جدید میں سود کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے بہرحال ہماری مخلصانہ گزارش ہے کہ اس سنگین غلطی کی بھی اصلاح فرمائی جائے اور خدا و رسول سے لڑائی مول لینے کی حماقت سے توبہ کی جائے۔

—O—

لاہور ہائی کورٹ نے صائمہ کیس کا خلاف اسلام فیصلہ بھی نواز حکومت کے آغاز پر سنایا ہے، چونکہ یہ مقدمہ ابھی سپریم کورٹ میں ہے، اس لئے ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے، لیکن اتنا بتانا ضروری ہے کہ اسلام عدلیہ کی ایسی آزادی کا قطعاً قائل نہیں کہ ججوں کو کسی بھی مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لئے مطلق العنان آزادی دی جائے۔ مسلمان جج، اللہ اور رسول اور فقہائے امت کے فیصلوں کو ملحوظ رکھنے کا پابند ہے، اور یہ فیصلہ اس اصول سے ماوراء ہو کر کیا گیا ہے، اور اگر پاکستان کے لڑکوں، لڑکیوں کو بھی امریکہ اور مغرب جیسی آزادی دینا منظور ہے تو "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کا لفظ آئین کے شروع سے اڑا دینا چاہئے، اور اس کے بجائے "سیکولر جمہوریہ پاکستان" لکھنا چاہئے۔

—O—

جناب حکیم محمد سعید صاحب نے فتویٰ ارشاد فرمایا ہے کہ چونکہ ملک میں ہر پیدا ہونے والا بچہ سولہ ہزار کا مقروض پیدا ہوتا ہے، لہٰذا پاکستان میں کسی پر بھی قربانی واجب نہیں ہے، بہت سے لوگ حکیم محمد سعید صاحب کے اس فتویٰ کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ حکیم صاحب کی یہ بات صحیح ہے کہ پوری کی پوری قوم مقروض ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ پاکستان میں کسی پر بھی قربانی واجب نہیں ہے شرعی نقطہ نظر سے غلط ہے۔ قوم کا بحیثیت مجموعی مقروض ہونا الگ بحث ہے اور فرداً فرداً ہر شخص کا غنی یا فقیر ہونا الگ چیز ہے، اور شرعی احکام اس دوسری حیثیت سے متعلق ہیں پہلی حیثیت سے متعلق نہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک آدمی ارب پتی ہے، اور ایک آدمی نانِ شبینہ کا محتاج ہے شریعت دونوں پر ان کی حیثیت کے موافق احکام صادر فرمائے گی۔

قوم کو مقروض کیا ہے پاکستان کے نااہل حکمرانوں اور بدعنوان انتظامیہ نے' جنہوں نے ملکی اور غیر ملکی قرضے وصول کر کے ہضم کئے اور باہر ملکوں میں اپنی جائیدادیں بنائیں ان کی سزا پوری قوم بھگت رہی ہے' ضرورت اس بات کی ہے کہ ان سے قوم کا یہ قرض وصول کیا جائے' نہ یہ کہ قوم کو احکام شرعیہ سے فارغ قرار دے دیا جائے۔

بہرحال زکوۃ 'صدقات 'قربانی اور دوسرے فرائض اور واجبات جو مال سے متعلق ہیں یہ صاحب نصاب لوگوں پر لاگو ہوتے ہیں۔ اور اللہ و رسول کے احکام کے مقابلہ میں کسی حکیم کی حکمت کام نہیں دیتی۔

..........○..........

حکومت نے شادی بیاہ کے موقع پر جو اخراجات کئے جاتے ہیں اور شادی ہالوں میں فیاضی بلکہ عیاشی کا جو مظاہرہ کیا جاتا ہے' ان پر پابندی عائد کر دی ہے۔ بہت سے لوگ اس سے یقیناً متاثر ہوں گے' لیکن مجموعی طور پر یہ قوم کے حق میں نہایت مفید اقدام ہے۔

امام حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ "میں تمہارے مصارف کو دیکھ کر تمہارے مداخل کا اندازہ لگا لیتا ہوں" یعنی اگر آمدنی حلال ذرائع کی ہوتی تو ناجائز اور حرام مصارف پر خرچ نہ ہوتی۔ بلاشبہ ولیمہ سنت نبویؐ ہے' اور خوشی کے موقع پر حسب مقدور کھانے کا انتظام کرنا یہ اچھی بات ہے' لیکن ہم لوگوں نے فرائض اور واجبات کو ترک کر کے اپنے خیال میں سنت کو جس طرح لازم پکڑ لیا ہے وہ نہایت لائق افسوس ہے۔ ہزاروں بچیاں ہیں جو اس وجہ سے تجرد کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں کہ ان کے والدین جہیز کی مانگ اور شادی کے شاہانہ اخراجات کا تحمل نہیں رکھتے۔ کیا اس ولیمہ کو سنت کہا جائے گا؟

ولیمہ سنت ہے لیکن اس سنت کی شکل بھی سنت ہی سے معلوم ہو گی۔ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ چھوٹے سے حجرے میں لوگ آتے تھے' کھا کر چلے جاتے تھے نہ دعوت نامے نہ شادی ہال کی تلاش! جب کھانا ختم ہو گیا تو ولیمہ بھی ختم ہو گیا۔

ام المومنین حضرت صفیہؓ کا ولیمہ اس سے بھی زیادہ عجیب شان کا تھا' فتح خیبر کے

موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہزادی سے عقد کیا تھا' اور راستے میں ایک جگہ اترے' ایک گڑھا کھودا گیا' اس پر چمڑے کا دسترخوان بچھایا گیا' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے لے آئے! چنانچہ کوئی کھجور لایا' کوئی روٹی کے ٹکڑے' کوئی پنیر' اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا تو حکم فرمایا کہ اس کا مالیدہ بنا لیا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی 'مالیدہ تیار ہو گیا' تو فرمایا کہ کھاؤ! چنانچہ پورے لشکر نے ولیمہ کھایا' قریب میں پانی کا جوہڑ تھا فرمایا جس کو ضرورت ہو پانی وہاں سے پی لے۔

ہم لوگ نام تو سنت کا رکھتے ہیں اور اس میں اپنی ساری خرافات بھر دیتے ہیں کیا کسی امیر و کبیر نے ایسی سادگی کا مظاہرہ کیا یا اس کا کوئی نمونہ پیش کیا؟ جو نمونہ ہمارے سید و آقا سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے سامنے پیش کر کے دکھایا؟۔

..........○..........

جناب عزت مآب وزیراعظم نے ولیمہ پر تو پابندی لگائی جو حد اعتدال میں ہو تو یقیناً سنت ہے' لیکن نمود و نمائش اور مسرفانہ اخراجات کی دوسری صورتوں کی طرف بھی ان کی نظر جانی چاہئے تھی' مثلاً ہمارے یہاں ناچ گانوں کا رواج تو بہت قدیم ہے اس کے لئے سب سے پہلے سینما ہال تجویز کئے گئے 'پھر ٹی وی کی لعنت گھر گھر مسلط کر دی گئی' اور اس نے ہمارے گھروں کو سینماہالوں میں تبدیل کر دیا' اس کے بعد ڈش اینٹینا کا رواج ہوا' اب صرف شہروں اور قصبوں ہی میں نہیں بلکہ دیہات تک میں یہ زہر سرایت کر گیا ہے' گویا پوری دنیا کی گندگی گھر گھر میں انڈیل دی گئی ہے' سوال یہ ہے کہ یہ لعنت تعیش کے زمرے میں نہیں آتی؟ کیا رزق حلال ان ملعون چیزوں کا متحمل ہو سکتا ہے؟ اور جس ملک کا ہر پیدا ہونے والا بچہ سولہ ہزار کا مقروض ہو وہاں کے باشندوں کو یہ تعیش زیب دیتا ہے؟ جہاں ہمارے لکھے پڑھے لوگ قربانی کے عدم وجوب 'کا فتویٰ صادر فرمائیں اور جہاں شادیوں کی دعوتوں پر پابندی لگادی گئی ہو وہاں ان کے مسرفانہ تعیشات اور ان ملعون مشغلوں کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے ؟کاش کہ ہمارے عزت مآب وزیراعظم اس لعنت کی طرف بھی توجہ فرمائیں اور قوم کو اس لعنت سے نجات دلائیں' ورنہ کوئی ملعون قوم اللہ کی

رحمت کی مورد نہیں ہو سکتی۔ یہ مشغلے یہود و نصاریٰ اور دوسری بے خدا قوموں کو تو زیب دیتے ہیں لیکن مسلمان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کہلاتے ہیں' جو قیامت پر یقین رکھتے ہیں اور جن کا یقین ہے کہ قیامت کے دن ہمارے تمام اعمال کا محاسبہ ہوگا ان کو ایسی چیزیں قطعاً زیب نہیں دیتیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین○

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ

محمد وآلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم

جمعہ کے دن کی اہمیت

بسم اللہ لرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی:

حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت ﷺ کی برکت سے اس امت کو جن انعامات سے نوازا ہے وہ بے شمار ہیں،ان میں سے ایک جمعہ کے دن کی تعظیم وتقدیس ہے- صحیح بخاری میں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"نحن الآخرون السابقون یوم القیمة، بیدانهم اوتوا الکتاب من قبلنا، ثم هذایومهم الذی فرض علیهم فاختلفوافیه فهدانااللّٰه له،فالناس لنافیه تبع ،الیهودغدا،والنصاری بعدغد–"

(صحیح بخاری ص۱۲۰ج۱)

ترجمہ :"ہم دنیامیں سب سے آخر میں آئے ،لیکن قیامت کے دن ہم سب سے آگے ہوں گے،صرف اتناہواکہ دوسرے لوگوں کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی،پھر یہ ان کا دن ہے(یعنی جمعہ کادن) جوان پر مقرر کیا گیا (کہ ہفتہ

میں ایک دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے مخصوص کریں) پس انہوں نے اس میں اختلاف کیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کی ہمیں ہدایت عطا فرمائی، پس لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں، یہود ایک دن بعد اور نصاریٰ دو دن بعد"۔

بخاری شریف کے حاشیہ میں علامہ طیبی سے نقل کیا گیا ہے:

"یعنی ان پر فرض کیا گیا تھا کہ وہ ہفتہ میں ایک دن کا انتخاب کرلیں، جس میں وہ اپنے خالق کی عبادت کے لئے جمع ہوا کریں، اور ان پر لازم کیا گیا تھا کہ غور و فکر کے ساتھ خود اس دن کی تعیین کریں، یہود نے کہا کہ ان کے لئے ہفتہ کا دن موزوں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دن جہان کی تخلیق سے فارغ ہوئے تھے لہذا ہم اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر اسی دن کو عبادت کے لئے مخصوص کریں گے، اور نصاریٰ نے یہ خیال کیا کہ ان کے لئے اتوار کا دن موزوں ہے کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ابتداء فرمائی تھی، پس ہم اس دن میں فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر کریں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت کو جمعہ کے دن کی ہدایت عطا فرمائی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی دن اپنی عبادت کے لئے انسان کی تخلیق فرمائی، (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی) بخلاف دوسرے دنوں کے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں پیدا فرمائیں جس

سے انسان منتفع ہوتا ہے۔

بعض نے کہا کہ علم الٰہی میں ان پر جمعہ کا دن مقرر تھا، لیکن اس کا انتخاب ان کے اختیار کے سپرد کردیا گیا تھا، اسلئے لوگوں کا اختلاف ہوا کہ یہ کون سا دن ہو سکتا ہے؟ پس کسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن کی ہدایت نہ کی، بلکہ دوسرے لوگوں نے دوسرے دن اختیار کر لئے اور اللہ تعالیٰ نے اس دن کو ہمارے لئے بطور ذخیرہ محفوظ رکھا۔" (مجمع البحار)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن چھٹی ہو یا نہ ہو؟ یہ مسئلہ صرف پاکستان کا نہیں بلکہ پوری امت اسلامیہ کا مسئلہ ہے، اور حق تعالیٰ شانہ نے اپنی عبادت کے لئے جو خاص دن مقرر فرمایا تھا یہود و نصاریٰ میں سے کسی امت کو بھی اس کی توفیق نہیں ہوئی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے امت مسلمہ کو اس کی توفیق سے سرفراز فرمایا گیا۔

چونکہ اب مسلمانوں کے دل و دماغ پر دنیا کا تصور حاوی ہے، اور دنیوی مفادات غالب ہیں، اس لئے وہ کسی مسئلہ پر غور بھی کرتے ہیں تو دنیوی مفادات پیش نظر رہتے ہیں، چنانچہ بے نظیر کے زمانے میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا تھا کہ چھٹی بجائے جمعہ کے اتوار کو ہونی چاہئے لیکن بے نظیر نے اس کو قبول نہیں کیا، اس لئے کہ جمعہ کی چھٹی اس کے باپ (ذوالفقار علی بھٹو) نے تجویز کی تھی، صد افسوس کہ یہ کام عزت مآب وزیر اعظم نواز شریف کے ذریعہ سے کروایا گیا، گویا اللہ تعالیٰ

نے امت کو جو ہدایت رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ عطا فرمائی تھی اس اقدام کے ذریعہ پاکستان والوں کو اس سے محروم کر دیا گیا، اور ستم بر ستم یہ کہ اس کے لئے قرآن کریم کی آیتوں کا حوالہ دیا گیا کہ سورہ جمعہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو"۔ لیکن یہ بات فراموش کر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اتوار کے دن چھٹی کا حکم کہاں فرمایا؟ اور رسول اللہ ﷺ کی کس حدیث پاک میں ہے کہ جمعہ کے دن نماز سے فارغ ہو کر زمین میں پھیل جایا کرو، اور اللہ کا رزق تلاش کیا کرو، اور اتوار کے دن چھٹی کر کے خرمستیاں کیا کرو۔ الخ۔ بہر حال عزت مآب وزیر اعظم جناب محمد نواز شریف کے اس طرز عمل پر یہی کہا جا سکتا ہے:

"چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی"؟

اور سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جناب وزیر اعظم صاحب نے اپنی حکومت کا آغاز اس شعار اسلام کے مٹانے سے کیا ہے، جس کا آغاز یہ ہو! اس کے انجام کی نشاندہی زیادہ مشکل نہیں، افسوس ہے کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو جیسا آدمی، جس سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، اس کا آخری کارنامہ جمعہ کی چھٹی تھی، اور میاں نواز شریف جس سے شعار اسلام کو مٹانے کی (خواہ نادانستہ ہی ہو) توقع نہیں کی جا سکتی تھی، انہوں نے یہود و نصاریٰ کو خوش کرنے کے لئے یہ کارنامہ انجام دیا اسی کو کہتے ہیں "قسمت اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا"۔

ہم جناب عزت مآب وزیر اعظم سے گزارش کریں گے کہ نماز میں بھول ہو جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے، آپ کو عوامی اعتماد نے

دھوکا دیا ہے اور اس بنا پر جناب سے اپنی حکومت کی ابتداء ہی میں بھول گئی ہے، اب بھی اگر سجدہ سہو کر لیا جائے تو بہتر ہو گا ورنہ دنیا و آخرت میں اسکے انجام کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے:

مراد ما نصیحت بود گفتیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

وصلی الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه

محمد و آله و اصحابه اجمعین وبارك وسلم–

(ماہنامہ بینات کراچی محرم ۱۴۱۸ھ)

شہدائے بنوری ٹاؤن کے

قاتلوں کی سزائے موت

عمل درآمد کب ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی:

۲؍نومبر ۱۹۹۷ء دوپہر ایک بجے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، رئیس جامعہ علوم اسلامیہ، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور ان کے رفقا جناب مولانا مفتی محمد عبدالسمیع استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اور ڈرائیور محمد طاہر، مدرسے کی ایک شاخ سے واپسی پر جامعہ علوم اسلامیہ کے قریب بزنس ریکارڈر روڈ پر اندھا دھند فائرنگ کر کے شہید کر دیئے گئے، اور ان کی نعشوں پر آتش گیر مادہ پھینک کر جلادیا گیا، جب کہ جامعہ علوم اسلامیہ کے ناظم تعلیمات مولانا عبدالقیوم چترالی معجزانہ طور پر محفوظ رہے اور دوسرے رفیق سفر جناب مولانا بشیر احمد نقشبندی شدید زخمی کر دیئے گئے۔

ان حضرات کی شہادت خود ان کے لئے اور ان کے اہل خانہ کے لئے اگرچہ بہت بڑا اعزاز ہے مگر حلقہ اہل علم اور جامعہ علوم اسلامیہ کے لئے نقصان عظیم ہے، جب کہ انتظامیہ کے لئے ایک لمحہ فکریہ اور مسلمانان پاکستان کے لئے عموماً اور اہل کراچی کے لئے خصوصاً ایک چیلنج ہے کہ دشمنان دین کی ریشہ دوانیاں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ ان کے ہاتھوں سے اب کوئی بھی محفوظ نہیں۔

دینی ادارے مسلمانوں کے دین وایمان کی بقا کے ذمہ دار ہیں، ان کے دم قدم سے اس گلشن اسلام کی آبیاری ہوتی ہے، اور انہوں نے ہر دور میں ایسے رجال کار پیدا کیے جنہوں نے کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کیا اور اپنی جان پر کھیل کر گلستان نبویؐ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔ انہی اداروں کے تربیت یافتہ وہ علما حقانی تھے جنہوں نے انگریز بہادر کو بستر بوریا لپیٹنے پر مجبور کیا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہو یا شاملی کا میدان، تحریک شہیدین ہو یا تحریک ریشمی رومال، ۱۹۴۷ء کی تحریک ہو یا ۱۹۵۳ء کا معرکہ ہر موقع پر انہوں نے پھانسی کے پھندے کو چوما اور موت کو گلے لگایا۔

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی اسی سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی ہے اور اس کے کارکن اسی قافلہ حقانی کے کفش بردار اور نام لیوا ہیں۔ اسلام دشمن قوتوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کے ان اوچھے ہتھکنڈوں سے جامعہ علوم اسلامیہ اور اس کے کارکنوں کو اپنے نصب العین سے نہیں ہٹایا جا سکتا۔

جامعہ علوم اسلامیہ کے رئیس، استاذ حدیث مولانا عبدالسمیع اور ان کے ڈرائیور محمد طاہر کی شہادت نے ان کے اخلاف کو عظمت رفتہ کا احساس اور بھولا ہوا سبق یاد دلایا کہ ہماری تاریخ قید و بند اور جہاد و شہادت سے عبارت تھی، ہمیں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے موت سے ڈرنے کے بجائے موت کو گلے لگانا چاہئے۔

ان حضرات کا جام شہادت نوش کرنا انشاء اللہ اسلام دشمن قوتوں کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور اس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوں گے، اور نئی نسل کو اسلام بیزار قوتوں کی دین کش سرگرمیوں پر غور و فکر کا موقع ملے

گا، خصوصاً مجرموں کے اس بیان کے تناظر میں کہ "جامعہ علوم اسلامیہ علما حقانی پیدا کرنے کی فیکٹری ہے جسے نقصان پہنچانا ہمارے فرض منصبی کا حصہ ہے"۔

ان شہداء کا کسی تحریک یا فرقہ واریت کی کسی جماعت یا گروہ سے کوئی تعلق نہیں تھا، اور نہ وہ کسی سیاسی یا لسانی تحریک سے منسلک تھے بلکہ خالص دینی، علمی اور تحقیقی کام سے دلچسپی رکھتے تھے، ان کا قصور صرف اور صرف یہ تھا کہ وہ امت کو قرآن وسنت کی تعلیمات سے آراستہ و پیراستہ کرتے تھے اور انہیں سلیقہ بندگی سکھاتے تھے۔

وہ انسان سازی کے شعبہ سے منسلک تھے، وہ مخلوق کو خدا سے جوڑنے کا کام کرتے تھے اس زاویہ سے ان کا قتل علم و عمل اور دین و دیانت اور شرافت و نجابت کا قتل ہے اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

اس سانحہ پر مسلمانوں نے بھرپور احتجاج کیا، مظاہرے ہوئے بالآخر انتظامیہ تین میں سے دو قاتلوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئی اور اس واردات میں زندہ بچ جانے والے دو حضرات نے مجرموں کو شناخت کیا، سماعت شروع ہوئی اور بالآخر ۱۴ر اپریل ۱۹۹۸ء کو مجرموں کو سزائے موت دینے کا فیصلہ سنادیا گیا، روزنامہ جنگ کراچی کی خبر ملاحظہ ہو:

> "کراچی (اسٹاف رپورٹر) انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت کراچی ڈویژن کے جج حاکم علی عباسی نے دارالعلوم بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم مولانا حبیب اللہ مختار، مفتی

عبدالسمیع اور ڈرائیور محمد طاہر کو دہشت گردی کے ذریعے
ہلاک کرنے کے الزام میں گرفتار ملزمان تنویر عباس
جعفری، سلیم جعفری اور مفرور ملزم رضا کو سزائے موت
اور پچاس، پچاس ہزار روپے جرمانے اور مولانا بشیر نقشبندی
کو زخمی کرنے پر دس سال قید اور دس دس ہزار روپے
جرمانے کی سزا کا حکم سنایا ہے- عدالت نے مزید حکم دیا کہ
ملزمان کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد سے زخمی مولانا بشیر کو
تیس، تیس ہزار روپے ادا کئے جائیں، ملزمان سزا کے خلاف
سات روز کے اندر سندھ ہائیکورٹ کے اپیلٹ ٹریبونل
میں اپیل کرسکتے ہیں، ملزمان نے ۲ر نومبر ۱۹۹۷ء کو
گرو مندر کے قریب بزنس ریکارڈر روڈ پر مولانا حبیب اللہ
اور مفتی عبدالسمیع کی گاڑی پر کلاشنکوف سے اندھا دھند
فائرنگ کرکے دونوں علمائے کرام اور ان کے ڈرائیور کو
ہلاک کردیا تھا جب کہ مولانا بشیر نقشبندی شدید زخمی
ہوئے تھے -ملزمان فائرنگ کے بعد گاڑی پر آتش گیر مادہ
پھینک کر اسے آگ لگا کر فرار ہو گئے تھے -گرفتار ملزمان نے
ڈی ایس پی کے سامنے ویڈیو پر اعتراف جرم کیا تھا جس کی
کیسٹ عدالت میں دکھائی گئی جب کہ زخمی مولانا
بشیر نقشبندی اور ایک اور چشم دید گواہ مولانا عبدالقیوم نے

عدالت میں ملزمان کو شناخت کیا تھا۔ خصوصی عدالت نے سینٹرل جیل کراچی میں ۱۳ فروری سے مسلسل سماعت کے بعد یکم اپریل کو فیصلہ محفوظ کر کے ہفتہ ۴ر اپریل کو سنایا، عدالت نے اپنے فیصلے میں کہا کہ ملزمان نے انتہائی گھناؤنے جرم کاارتکاب کیا ہے جب کہ عینی شاہدین نے انہیں شناخت اور استغاثے نے الزام ثابت کر دیا ہے۔ ملزمان کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں، انہیں موت کی سزا کا حکم سنایا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس واقعے کے بعد شہر میں ہڑتال اور ہنگامے ہوئے اور عوام نے ملزمان کی فوری گرفتاری کا مطالبہ کیا تھا۔

مولانا حبیب اللہ مختار اور مفتی عبدالسمیع کے قتل کے ملزمان سزائے موت کا فیصلہ سننے کے بعد خصوصی عدالت کے کٹہرے میں فتح کا نشان بنا رہے ہیں (جنگ فوٹو)"۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۵ر اپریل ۱۹۹۸ء)

بلاشبہ قاتل اور مجرم اسی کے مستحق ہیں اور انہیں ضرور کیفر کردار تک پہنچنا چاہئے تاکہ آئندہ اس قسم کی کسی گھناؤنی حرکت کا اعادہ نہ ہو سکے، اور دوبارہ کسی کو اس بدترین فعل کے ارتکاب کی جرات نہ ہو۔

اس موقع پر جہاں کراچی پولیس کی مجرموں کی گرفتاری قابل ستائش ہے، وہاں اس بات کی ضرورت ہے کہ حکومت وانتظامیہ کو اس کے عوامل

و محرکات کا بھی پتہ چلانا چاہئے کہ اتنا بڑا سانحہ کن قوتوں کے اشاروں پر ہوا؟ اور اس کے پیچھے کون کون سے اسباب و عوامل ہیں؟ اس کا پلان کہاں تیار ہوا؟ اور اس میں کون کون لوگ ملوث ہیں؟ اس کے پیچھے کون سی لابیاں ہیں؟ ظاہر ہے اتنے بڑے سانحہ کو محض اتفاقی نہیں کہا جاسکتا، جب تک اس کے محرکات اور عوامل سے پردہ نہیں اٹھایا جائے گا، ایسے واقعات کی روک تھام ممکن نہیں۔ دوسرے یہ کہ عدالت نے جب فیصلہ سنادیا تو فوراً اس کا نفاذ اور اس پر عمل در آمد ہونا چاہئے۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ عدالت ایک فیصلہ سنادیتی ہے مگر اپیل در اپیل کا سلسلہ اس قدر طول پکڑتا ہے کہ ظالم کا ظلم طول زمانہ کے باعث رفتہ رفتہ ذہنوں سے مٹنا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر ظالم مظلوم بن جاتا ہے اور مظلوموں کی اشک شوئی کی بجائے ان کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے ظالم کو باعزت بری کر دیا جاتا ہے، جس سے انتقام کی آگ بڑھتی ہے، اور فساد فی الارض کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اخباری اطلاع کے مطابق اس فیصلہ کے خلاف بھی مجرموں کی اپیل منظور کر لی گئی ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے علاوہ بعض اوقات بااثر ظالم، عدالتوں کے فیصلہ کو اپنی "چمک" کے ذریعہ غیر مؤثر قرار دلانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عدالتی کاروائی محض دکھلاوا ہے فتح بالآخر ہماری ہی ہو گی۔ زیر بحث مقدمہ کے مجرم بھی عدالتی فیصلہ سننے کے بعد اسی طرز عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، چنانچہ قومی اخبارات میں ان کی جو تصویریں شائع ہوئی ہیں ان تمام

اخبارات نے لکھا ہے کہ وہ بہت ہی خوش دکھائی دے رہے ہیں اور ہاتھ سے وکڑی یعنی فتح کا نشان بنا کر باور کرانا چاہتے ہیں کہ فتح ہماری ہو گی۔

حکومت اور انتظامیہ پر یہ واضح ہو جانا چاہئے کہ مجرم اپنے اس طرز عمل سے جہاں اپنے جرم کا صاف صاف اقرار واعلان کر رہے ہیں وہاں وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ تمہاری عدالتوں کے فیصلے ہم پر لاگو نہیں ہوں گے۔ حکومت کو چاہئے کہ ایسے مجرموں کو جلد از جلد کیفر کردار تک پہنچائے، اگر اس فیصلہ پر عمل درآمد میں تاخیر کی گئی تو اندیشہ ہے کہ جن قوتوں کے ایما پر دہشت گردی کی یہ واردات کی گئی ہے وہ ان کو چھڑانے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔

اسی کے ساتھ ضروری ہے کہ اس سازش کے تیسرے اور اہم مجرم کو فی الفور گرفتار کر کے پھانسی کے پھندے پر لٹکایا جائے تاکہ مظلوموں کی اشک شوئی اور ظلم و دہشت گردی کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ بینات کراچی محرم ۱۴۱۹ھ)

اتوار کی تعطیل کا منحوس اقدام

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی:

مشکوٰۃ شریف میں صحیحین کے حوالے سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"قال اشرف النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی أطم من آطام المدینۃ، فقال: ھل ترون ما اریٰ؟ قالوا: لا، قال: فانی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع المطر۔" متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۴۶۲)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے کسی بلند مقام پر تشریف فرما تھے، پس صحابہؓ سے فرمایا کہ تم بھی دیکھتے ہو جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں! فرمایا پس بے شک میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کو ایسے دیکھ رہا ہوں، جیسے زور کی بارش ہوتی ہے"۔

یہ فتنے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری دور سے شروع ہوئے اور اس کے بعد ان کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا، بلکہ بڑھتا ہی چلا گیا۔

آج عالم اسلام کے جتنے ممالک آزاد ہیں، یا غیر مسلم حکومتوں کے

ماتحت مسلمان ہیں، کہیں سے بھی فرحت و مسرت کی خبر سننے میں نہیں آتی۔
خود وطن عزیز میں سابقہ دور حکومت کے جانے۔۔۔۔۔۔۔اور نئی حکومت کے
آنے کے بعد کچھ توقع ہوئی تھی، کہ ملک کے حالات کچھ سنبھل جائیں
گے، چنانچہ اپریل ۱۹۹۷ء کے "بینات" میں "نئے منتخب وزیر اعظم کی خدمت
میں چند معروضات" کے عنوان سے نئی حکومت کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا
گیا، اوران کی خدمت میں چند مشورے عرض کئے گئے، لیکن جو حالات سامنے
آئے، ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ دور کے حکمرانوں سے کسی خیر کی توقع
رکھنا، یا انہیں کوئی مفید مشورہ دینا کار عبث ہے - ملک کے جو حالات
اقتصادی، معاشی، سماجی، اور مذہبی اعتبار سے ہو رہے ہیں، ان سے عام لوگ ہم
بوریہ نشینوں سے زیادہ واقف ہیں۔

نئی حکومت کی طرف سے سب سے پہلا تحفہ جو ملک کو عطا کیا گیا، وہ
اتوار کی چھٹی تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو سے لے کر بے نظیر تک، جمعے کی چھٹی منسوخ
کر کے اتوار کی چھٹی بحال کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی، لیکن موجودہ وزیر اعظم
نے اس اسلامی ملک کو یہ سب سے پہلا تحفہ دیا۔ فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

موجودہ حکومت نے اپنی ابتدا ہی اس منحوس عمل سے کی تو اس سے
اچھے نتائج کی کیا توقع رکھی جاسکتی ہے؟ چنانچہ جو حالات گزر رہے ہیں، ان کو دیکھ
کر ہر شخص کی زبان پر ہے:

"انجام گلستان کیا ہوگا"

(ماہنامہ بینات کراچی رجب ۱۴۱۸ھ)

عدلیہ، انتظامیہ اختلافات

قادیانی، عیسائی گٹھ جوڑ کا نتیجہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

علمائے امت نے روزِ اول سے واضح کیا تھا کہ قادیانی اسلام اور ملک دشمن ہیں، وہ کسی مذہب کے پیروکار نہیں بلکہ اپنے سفید آقاؤں کے مقاصد کے لئے کام کرتے ہیں۔ ایک صدی تک ان علمائے حقانی کی صدائے احتجاج پر کان نہیں دھرے گئے، ہزاروں مسلمانوں کی قربانی اور مسلسل کئی تحریکوں کے بعد انتظامیہ اس کے لئے مجبوراً آمادہ ہوئی اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قانوناً اس استعماری گروہ کو خلاف اسلام قرار دیا گیا، تاہم ابھی بعض نام نہاد "وسیع النظر" سیاسی بزرجمہر قادیانیوں کو ملکی وفادار سمجھتے اور اس قانون کو غالباً ظالمانہ کہتے رہے۔ ۱۹۸۴ء کے امتناع قادیانیت آرڈی نینس کے بعد سے قادیانی سربراہ مرزا طاہر نے کھل کر اپنے مقاصد کا اظہار شروع کیا اور نہایت تعلّی آمیز دعوے کئے، اور انہیں حقیقت کا روپ دینے کے لئے ملکی سطح پر کئی ایک بحران کھڑے کرنے کی کوشش کی۔ موجودہ حکومت اور عدلیہ کی جنگ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ روزنامہ "نوائے وقت کراچی" ۷ دسمبر ۱۹۹۷ء کی خبر ملاحظہ ہو:

"ربوہ (نامہ نگار) قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے کہا ہے کہ اگر احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے والا آئین نہ ٹوٹا تو ملک ٹوٹ جائے گا- جمعہ کے روز ڈش پر لندن سے براہ راست اپنے خطاب میں انہوں نے کہا کہ مظلوم قادیانیوں کو توقع تھی کہ آئندہ جمعہ تک اہل دانش کو ہوش آجائے گا اور ظلم و تعدی پر مبنی موجودہ آئین سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے مگر خدا کی طرف سے تاخیر ہو گئی- انہوں نے کہا کہ بحران ابھی ٹلا نہیں بلکہ جاری ہے کیونکہ بہت سی بلائیں ابھی باقی ہیں- انہوں نے کہا کہ پاکستان میں فسق و فجور اور فساد کا جو سیلاب بڑھتا چلا جا رہا ہے بالآخر وہ سپریم کورٹ کو بھی لے ڈوبے گا- وہ آئین جس نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے رکھا ہے یقیناً اس سیلاب کی نذر ہو جائے گا اس آئین کا توڑا جانا ملکی سالمیت، بقا، تعمیر و ترقی اور خوشحالی کے لئے ضروری ہے، بصورت دیگر ملک ٹوٹ جائے گا- انہوں نے کہا کہ موجودہ آئین نہ تو قائداعظم محمد علی جناح کے فرمودات، نظریات اور ترجیحات کے مطابق ہے اور نہ ہی پاکستان کی تعمیر و ترقی و خوشحالی، سالمیت و بقا کا ضامن ہے- اس آئین کو ہر حالت میں ٹوٹنا ہے- یہ آئین ردی کاغذ کا ایک پرزہ ہے- انہوں نے کہا کہ پاکستان کے ارباب حل و عقد کو

چاہئے کہ ایسا آئین بنائیں جو تمام شہریوں کے لئے حق
وانصاف پر مبنی ہو۔ مرزا طاہر احمد نے کہا کہ میں یہ بات
یقین محکم سے کہتا ہوں کہ اگر یہ آئین و قانون اسی طرح
ہمارے حقوق کو چاٹتا رہا تو یہ آئین ملک کو اسی طرح چاٹ
جائے گا جس طرح قادیانیوں کے حقوق چاٹے گئے۔انہوں
نے کہا کہ مظلوم احمدیوں نے یہ توقع کرلی تھی کہ آئندہ جمعہ
تک پاکستان کے اہل دانش کو ہوش آجائے گا اور وہ اس آئین
کی قباحتوں کا خلوص سے مطالعہ کرتے ہوئے اس سے چھٹکارا
حاصل کرلیں گے لیکن یہ ان کی بد قسمتی کہا جائے یا خدا تعالیٰ
کی مشیت کہ اس معاملہ میں کچھ تاخیر ہے''۔

(روزنامہ نوائے کراچی ۷ دسمبر ۱۹۹۷ء)

مرزا طاہر اور قادیانی امت جمعہ تک آئین کے ختم ہونے کی منتظر کیوں
نہ ہوتے کہ انہوں نے اپنے تئیں ایسے تمام انتظامات کرلئے تھے، اور اس مقصد
کے لئے انہوں نے ۳۲ کروڑ امریکی ڈالر کی بھاری رقم خرچ کی تھی، مگر قادیانی
مکر پر تقدیر الٰہی غالب آئی اور مرزا طاہر کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور انشاء
اللہ کبھی نہیں ہوگا۔ ایک طرف قادیانیوں کی اس قدر منظّم سازش، تیاری
اور منصوبہ بندی کہ ملکی عدلیہ اور انتظامیہ کو باہم دست و گریبان کرادیا
اور دوسری طرف ٹھیک انہی دنوں آرچ بشپ آف کنٹر بری (برطانیہ) کا
پاکستان آکر یہ کہنا کہ ''قانون توہین رسالت میں ترمیم کی جائے ''کسی گہری

سازش کی نشاندہی کرتا ہے- نہ صرف یہی بلکہ آرچ بشپ مسلمانوں کی غیرت ایمانی کو للکارتے ہوئے نعوذ باللہ مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کو عیسائی بننے کی آزادی ملنی چاہئے- چنانچہ روزنامہ "جنگ لاہور" میں ہے:

"لندن (ریڈیو رپورٹ) آرچ بشپ آف کنٹربری جارج کیری نے مسلمانوں سے کہا ہے کہ جو افراد اپنا مذہب تبدیل کرنا چاہیں انہیں ایسا کرنے کی آزادی ہونی چاہئے- انہوں نے کہا کہ جس طرح عیسائیوں کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں، مسلمانوں کو بھی مسیحی مذہب اختیار کرنے کی آزادی ہونی چاہئے، گو انہوں نے تسلیم کیا کہ یہ ایک بڑا متنازعہ موضوع ہے، بعض اسلامی ملک مذہب تبدیل کرنے والوں کو مرتد قرار دیتے ہیں جس کی سزا موت ہے- بی بی سی کے مطابق آرچ بشپ نے یہ باتیں اسلام آباد میں انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی میں ایک تقریر کے دوران کہیں- انہوں نے دونوں مذہبوں پر زور دیا کہ وہ انصاف کے فروغ کے لئے مل کر کام کریں اور کہا کہ وہ نئی عبادت گاہوں کی تعمیر میں ایک دوسرے کی مدد کریں-"

(روزنامہ جنگ لاہور ۶ دسمبر ۱۹۹۷ء)

مرزا طاہر کے بیانات اور آرچ بشپ کی پاکستان آمد اور اس کی اس قسم کی ہرزہ سرائی کھلے طور پر اس کی نشاندہی کرتی ہے کہ قادیانی، عیسائی گٹھ جوڑ کوئی

شکل دی گئی ہے اور ایک دوسرے کے مفادات کے لئے کھل کر کام کرنے کی حکمت عملی اپنانے کا فیصلہ ہو چکا ہے، ورنہ ممکن نہیں کہ کسی ملک کا عیسائی راہنما کسی اسلامی ملک کے مذہبی اور قانونی معاملات میں دخل اندازی کرے۔ مرزا طاہر اور آرچ بشپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان چاہے عملی طور پر کتنے ہی کمزور ہوں، مگر آقائے نامدار ﷺ کی عزت و ناموس پر اپنی جان نچھاور کرنا اور اسلام و مذہب پر کٹ مرنا اپنے لئے سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں، آرچ بشپ صاحب کو اپنی زبان کو لگام دینا چاہئے، انہیں بحیثیت مہمان، میزبان قوم کے مذہبی جذبات اور قوانین کا مکمل احترام کرنا چاہئے اور انہیں مسلمانوں کی ملی غیرت کو للکار کر اپنے لئے مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہئے۔

ارباب اقتدار کو مرزا طاہر کے بیان کے مضمرات پر غور کرنا چاہئے!

مرزا طاہر نے اپنے اس بیان میں پاکستان اور آئین پاکستان کے خلاف اعلان بغاوت کیا ہے، وہ آئین پاکستان کو "ردی کاغذ کا ٹکڑا" سمجھتا ہے، اس نے مسلمانوں کو دھمکی دی ہے کہ ہم آئین پاکستان کو توڑ کر رہیں گے، اسے ٹوٹنا ہے کہ وہ قادیانی مفادات کا حامل نہیں۔ اس سے وہ یہ بھی باور کرانا چاہتا ہے کہ اگر اس آئین کو ختم نہ کیا گیا تو پاکستان ختم ہو جائے گا، اسی طرح اس نے پاکستان کی مقننہ اور عدلیہ دونوں کو صفحہ ہستی سے نابود کرنے کی دھمکی دی ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ قادیانی نہایت جرات و بے باکی سے آئین کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ہماری اطلاعات کے مطابق بعض اعلیٰ عہدوں پر فائز دین دار افسران نے اپنے اعلیٰ افسران کو باقاعدہ رپورٹ کی ہے کہ قادیانی افسران

ہر شعبہ میں ہمارے لئے مشکلات پیدا کر رہے ہیں، ان کا سدباب کیا جائے-ان حالات وواقعات میں حکومت اور بر سر اقتدار طبقہ کو قادیانیت کے مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اور مرزا طاہر پر بغاوت کا مقدمہ قائم کرنا چاہئے اور قادیانیوں کی سرگرمیوں، خصوصاً ان کے ڈش انٹینا کے پروگراموں کی خصوصی روک تھام کرنا چاہئے۔

مرزا طاہر کے حالیہ اخباری بیانات سے بر سر اقتدار طبقہ کی یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہئے کہ قادیانی پاکستان کے وفادار ہیں- قادیانی ملکی سالمیت کو کبھی برداشت کرنے کے روادار نہیں رہے -انہیں پاکستان سے نہیں قادیانیت سے محبت ہے، انہیں ختمی مرتبت ﷺ سے نہیں، غلام احمد قادیانی سے عقیدت ہے وہ مکہ اور مدینہ کے بجائے قادیان سے محبت کا دم بھرتے ہیں-وہ پاکستان میں رہتے ہوئے حکومت وانتظامیہ کے احکامات کے نہیں اپنے مذہبی راہنما کے احکامات کے پابند ہوتے ہیں -انہیں آپ ﷺ کی عزت وحرمت عزیز نہیں، اپنے امام کی عزت ان کے ہاں سب سے زیادہ عزیز ہے-کوئی قادیانی چاہے کسی بھی شعبہ میں کام کرتا ہو وہ اپنے سفید آقاؤں کا جاسوس، ان کے مفادات کا محافظ ہوتا ہے-ہم سمجھتے ہیں موجودہ بحران یا اس سے قبل ملک میں پیدا ہونے والے بحرانوں کے پیچھے اس ملک دشمن لابی کا ہاتھ ہے - ان صفحات میں باربار لکھا جاچکا ہے کہ کراچی کے فسادات میں قادیانی ملوث تھے، ہیں اور رہیں گے -اسلام اور ملک دوستی کا تقاضا ہے کہ قادیانی عناصر کو تمام کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے، انہیں فوج، سول اور عدلیہ میں کوئی ایسا منصب نہ سونپا جائے جس سے

وہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کر سکیں۔اور ایسے افراد جو اس قسم کی سازشوں میں ملوث پائے جائیں، ان کو نوکریوں سے برخاست کر کے کھلی عدالت میں ان پر غداری کا مقدمہ چلایا جائے تاکہ آئندہ اس قسم کی ملک دشمنی کی جرات کوئی نہ کر سکے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ بینات کراچی رمضان وشوال ۱۴۱۸ھ)

صدرِ پاکستان
رفیق تارڑ کی خدمت میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد:

ملک میں جب بھی کوئی تبدیلی آتی ہے قوم خوشی کا اظہار کرتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اب ملک کی حالت سنبھلے، لیکن جب کچھ عرصہ بعد سابقہ حالت ہی رہتی ہے، بلکہ ملک کی حالت مزید ابتر ہو جاتی ہے تو قوم میں مایوسی طاری ہو جاتی ہے۔ محترم نواز شریف کے بھاری اکثریت سے اقتدار میں آنے کے بعد ملک کے دینی ذہن کے لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا تھا، اور ان سطور کے ذریعہ ہم نے بھی خوشی کا اظہار کیا تھا، لیکن جمعہ کی تعطیل ختم کر کے نواز شریف نے دینی حلقوں کو اس حد تک مایوس کیا کہ بعض اہل علم حضرات کی زبانی میں نے سنا کہ اس سے خیر کی توقع نہیں۔ نواز شریف کی پالیسیوں نے ملک کو ابتری کی اس حد تک پہنچا دیا کہ ملک کے تمام ادارے خطرہ میں پڑ گئے اور صبح و شام اداروں کی تباہی کی باتیں ہونے لگیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ملک میں کوئی سنجیدہ شخصیت نہیں اور نہ ہی اس ملک کے استحکام سے کسی کو دلچسپی ہے۔ آخر کار اس بحران کے نتیجے میں عدالت عظمیٰ کی سب سے بڑی اور باوقار شخصیت چیف جسٹس اور ملک کا سب سے معزز شخص جو ملک کی بقا کا ضامن ہوتا ہے رخصت ہوئے اور اس طرح پاکستان کی تاریخ میں ایک باب کا اور اضافہ ہوا۔ بہر حال اس کے بعد ملک

میں صدارتی انتخابات کا اعلان ہوا اور ملک کی سب سے بڑی جماعت مسلم لیگ نے پہلی مرتبہ ایک ایسی شخصیت کو صدارت کے لئے امیدوار نامزد کیا جو ظاہری طور پر شرعی وضع قطع سے متصف تھی اور اس کی زندگی کو دینی زندگی کا نام دیا جاسکتا تھا ۔زندگی بھر اس شخصیت نے دیانت وامانت کا دامن تھامے رکھا اور اس کی شہرت ایک دین دار شخص کی تھی- یہی وجہ ہے کہ جب اس شخصیت کا نام صدارتی امیدوار کی حیثیت سے پیش ہوا تو ملک اور بیرون ملک کی تمام لادین قوتیں اس کے خلاف صف آرا ہو گئیں-پی پی کی چیئرپرسن سے لے کر قادیانیوں تک نے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا کہ یہ شخصیت صدر کی حیثیت سے ایوان صدر میں نہ پہنچے - پہلے اس کو الیکشن کے لئے نااہل قرار دینے کی کوشش کی اور جب عدالت عالیہ سے اس کے حق میں فیصلہ آگیا تو مختلف پروپیگنڈوں کے ذریعہ اس کو ناکام بنانے کی کوشش کی گئی - چھوٹے صوبے اور بڑے صوبے کا شوشہ چھوڑا گیا- سب سے زیادہ مخالفت قادیانیوں اور امریکہ کی جانب سے ہوئی- قایادنی اس کو اپنے لئے سب سے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے کیونکہ نوجوانی میں جناب رفیق تارڑ صاحب نے قادیانی فرقے کی بھیانک صورت قوم کے سامنے پیش کی تھی اور بحیثیت رضاکار ختم نبوت، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کو اپنی خدمات پیش کیں تھیں، ایک طرف یہ مخالف قوتیں تھیں تو دوسری طرف دینی حلقے اس کوشش میں تھے کہ جناب رفیق تارڑ صاحب کو کامیاب بنایا جائے تاکہ شرعی وضع قطع کی حامل شخصیت ایوان صدر میں پہنچنے کی روایت قائم ہو - الحمد للہ پاکستان میں پہلی مرتبہ یہ کوشش کامیاب ہوئی

اور جناب رفیق تارڑ صاحب صدر اسلامی جمہوریہ منتخب ہو کر ملک کے سب سے باوقار عہدے پر فائز ہوئے۔ اس طرح پہلی مرتبہ ایک باریش شخصیت صدر کے عہدے پر فائز ہوئی۔ صدر پاکستان اگرچہ روایتی طور پر مولوی نہیں اور بقول ان کے وہ تنگ نظر اور قدامت پسند نہیں، بلکہ انہوں نے اپنے پہلے انٹرویو میں اس کی وضاحت کر دی کہ خواتین پریشان نہ ہوں وہ لبرل ہیں اور بعض مقامات پر انہوں نے عورتوں کے ہمراہ تصاویر اتروا کر اس کا بھی ثبوت دے دیا کہ وہ مخلوط طرز زندگی کے مخالف نہیں۔ لیکن بہر حال اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک دینی ذہن والے شخص ہیں اور وضع قطع کے لحاظ سے وہ ایک مسلمان شخص ہیں اس لئے ہر دین دار شخص کو ان سے توقع ہے کہ وہ ملک کے اس اہم عہدہ کو ذاتی مفادات کے حصول کے بجائے دینی فوائد کا ذریعہ بنائیں گے۔

جناب رفیق تارڑ صاحب کی تمام زندگی عدالتی قوانین کی موشگافیوں میں گزری ہے اور موجودہ تمام قوانین پر ان کو خاصی دسترس ہے اور اسلامی قوانین سے بھی وہ ناواقف نہیں۔ اپنی زندگی میں دین پر عمل کرنے کی وجہ سے وہ اس بات کا یقین رکھتے ہوں گے کہ موجودہ دور میں اس پر عمل کرنا مشکل نہیں۔ انہوں نے مختلف مجالس میں اس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ موجودہ وزیر اعظم بھی نفاذ شریعت کے لئے بہت مخلص ہیں۔ تحریک پاکستان کے لئے کے لئے مسلم لیگ نے "پاکستان کا مطلب کیا، لاالہ الااللہ" کا سلوگن دیا تھا اور مسلمان بھی اس ملک میں اس لئے آئے تھے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے دین پر عمل کریں۔

ان تمام حالات کو سامنے رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ نفاذ شریعت کے لئے اس وقت ان کے سامنے کوئی ایسی رکاوٹ نہیں جس کا عذر پیش کر کے وہ اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دے سکیں، اس پس منظر کی روشنی میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی خدمت میں چند گزارشات پیش کی جائیں :

سب سے پہلے وہ سوچ لیں کہ یہ اقتدار دائمی چیز نہیں اور نہ ہی دنیاوی فائدہ کی چیز ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، مسلمان کے لئے حاکمیت اعلیٰ رب کائنات کی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں واضح اعلان فرمارہے ہیں :

"ان الحکم الاللّٰہ "۔ترجمہ "(بے شک حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے)۔

"وماکان لمومن ولامومنة اذاقضی اللّٰہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة"

ترجمہ "کسی مومن اور مومنہ کو اس بات کا اختیار نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول (ﷺ) کا حکم آجائے تو وہ چوں چرا کرے"

اللہ تعالیٰ کی اس امانت کا جس حکمران نے حق ادا کیا وہ دنیا میں بھی سرخرو ہوا، اور آخرت میں بھی اس کیلئے انعامات تجویز ہوتے ہیں۔ اس زمین پر ایسے بڑے بڑے بادشاہ بھی تھے جن کے دبدبے کے آگے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی لیکن آج ان کا نام لینے والا کوئی نہیں۔

ایوان صدر میں آج سے پہلے جتنے حکمران آئے ان کا حشر جناب صدر کو اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے اور سوچ لینا چاہئے کہ اس جگہ سے کچھ دنوں بعد انہوں نے چلے جانا ہے اور پھر اس کے لمحہ لمحہ کا حساب دینا ہے۔

خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسوۂ حسنہ پیش نظر رہے کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو بیت المال سے حاصل کردہ معمولی وظیفہ بھی واپس کر دیا۔ جب یہ امانت خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچی تو آپ بے ساختہ رُو پڑے اور فرمایا ابوبکر! آپ نے اپنے بعد میں آنے والوں کو مشکلات میں ڈال دیا۔ حکمرانی پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں کی وادی ہے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "اے عمر! اگر برابر سرابر بھی تیرا حساب ہو گیا تو فائدہ میں رہے گا"۔

امانت کے اس احساس کے ساتھ فریضے کی ادائیگی حکمرانی کا اہم فریضہ ہے۔ قرآن کریم میں رب کائنات نے حکمرانوں کیلئے لائحہ عمل تجویز کیا ہے:

"الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوة وآتوا الزکوة وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔" (الحج: ۴۱)

ترجمہ: "وہ لوگ کہ اگر ہم انکو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے"۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئك هم الکافرون-" (المائدہ:۴۴)

ترجمہ: "اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں"-

اگر ایک دین دار شخص کی موجودگی میں احکامات خداوندی نافذ نہیں ہوتے تو اس کی انفرادی عبادت سے قوم کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا-

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کے لئے عذاب تجویز کر کے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس بستی کو ختم کر دیں- فرشتے نے عرض کیا کہ اس بستی میں ایک ایسی ہستی موجود ہے جو ہر وقت تیری یاد میں مشغول رہتی ہے-رب کائنات نے فرمایا چونکہ اس نے قوم کو کبھی برائی سے روکنے کی کوشش نہیں کی اس لئے اس کو بھی ان کے ساتھ ختم کر دو-

اگر آپ کی حکمرانی کے دور میں برائی اور فحاشی کا عمل ایسے ہی جاری رہتا ہے، غیر شرعی امور اسی طرح انجام پاتے ہیں-اگر آپ بھی "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد" کا مصداق بن جاتے ہیں-ایوان صدر کی کروفر میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی-چوبدار اور ہرکارے اسی طرح آپ کی عظمت اور دبدبے کے گن گانے کیلئے ایستادہ ہوتے ہیں- سرکاری خزانے کو اسی انداز میں خرچ کیا جاتا ہے اور لوٹا جاتا ہے، کسی ایک غیر شرعی حکم کو آپ نہیں روکتے اور قوم آپ کی آمد کے بعد اسلامی نظام کے سلسلے میں کسی قسم کی تبدیلی محسوس نہیں کرتی تو اس عہدہ کے ساتھ آپ نے بددیانتی اور خیانت کا ارتکاب کیا ہے-خدا تعالیٰ اس جرم کو کسی

صورت میں معاف نہیں کریں گے، قیامت کے دن آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کو قوت واقتدار دیا گیا اس دوران آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے نفاذ کے لئے کیا کیا؟ اور یقیناً آپ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔

آپ کے ذہن میں یہ سوال ضرور ہوگا کہ ملک میں کس طرح نفاذ شریعت کا عمل شروع کیا جائے؟ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں، بس جرات اور ہمت کی ضرورت ہے۔ ہمارے حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ نے جنرل ضیاء الحق مرحوم کو فرمایا تھا:

> "نفاذ شریعت کے عمل میں کسی بھی طاقت سے خوف زدہ نہ ہوں اور نہ ہی کسی کی ملامت کی پرواکریں بس ایک اللہ تعالیٰ کی ذات سے ڈریں اور قیامت کی جواب دہی کا احساس کریں۔ ہر کام کرتے وقت یہ سوچیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے یا نہیں؟ اگر یہ روش اپنالی تو پھر انشاء اللہ اپنے مقصد میں کامیابی ہو سکے گی"۔

آپ کیلئے بھی حضرت اقدس کی یہی نصیحت کافی ہے ملک میں ۲۰ سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا اسلامی نظریاتی کونسل قائم ہے اور اس کونسل نے ہر دور میں اسلامی نظام کے حوالے سے بہت کام کیا ہے۔ ایک ایک قانون کی تمام جزئیات کا جائزہ لے کر سفارشات تیار کی گئی ہیں اور پاکستان کے آئین کے مطابق قومی اسمبلی کے لئے ضروری ہے کہ وقت مقررہ پر ان قوانین کو آئین سازی کے سانچے میں ڈھالے اور وہ مدت پوری بھی ہو چکی ہے لیکن تاحال ان کو قومی اسمبلی

میں پیش کر کے آئین سازی سے نہیں گزارا گیا- آپ صاحب اختیار ہیں، فوری طور پر تمام سفارشات کو قومی اسمبلی میں پیش کر کے اس کے مطابق قانون سازی کا حکم جاری فرمائیں اور اس کے مطابق قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا حکم دیں-

قادیانی مسئلہ پر غور کرنے کی طرح موجودہ قومی اسمبلی کو ایک عرصہ کے لئے خصوصی کمیٹی کا درجہ دے کر ایک اسلامی نظام کی تدوین کا کام مکمل کرایا جائے اور اس سلسلے میں تمام دینی جماعتوں کے سرکردہ علما کرام کی خدمات بھی حاصل کی جائیں- اگر عزم ہو تو یہ کام مشکل نہیں بس نیت خالص کی ضرورت ہے-

ملک سے بے حیائی اور فحاشی کو دور کرنے کے خصوصی احکامات جاری کئے جائیں-

آپ کی طرف گزشتہ دنوں ایک ایسا بیان منسوب ہوا جس میں آپ نے قدامت پسندی کی تردید کرتے ہوئے اپنے آپ کو لبرل قرار دیا، جس سے دینی حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی، اس قسم کے بیانات آپ کی شخصیت کو مسخ کرنے کے لئے جاری کئے جائیں گے اس کا خاص خیال رکھیں اور اسلام یا اسلامی تعلیمات پر تبصرہ کرتے ہوئے بہت محتاط رویہ اختیار کریں- یہود و نصارٰی اور قادیانی کسی صورت میں آپ کو برداشت نہیں کریں گے ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے بہت حوصلے کی ضرورت ہے خاص کر قادیانیوں کے مکر و فریب سے اپنے کو بچانے اور ملک کو بچانے کے لئے تدبیر کی ضرورت ہے ان

تمام امور کی طرف دھیان دینا بہت ضروری ہے کہ ایک دین دار شخص کی ناکامی سے دین کی ناکامی کا تاثر ابھرے گا جس کی تمام تر ذمہ داری آپ پر عائد ہو گی۔ایوان صدر میں آپ کی تشریف آوری سے ایک واضح تبدیلی محسوس ہونا ضروری ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

(ماہنامہ بینات کراچی ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ)

پاکستان کا ایٹمی دھماکہ

بروقت اقدام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

اسلام کی سربلندی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کوشش کرنے کا نام جہاد ہے۔ یہ ہر مسلمان کے دین وایمان کا حصہ ہے، اسی طرح اسلامی ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا بلاشبہ اعلیٰ درجہ کا جہاد ہے۔ آنحضرت ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے فضائل پر مشتمل کئی ارشادات صادر ہوئے ہیں، مشکوۃ شریف میں ہے:

۱:------"جو آنکھ اسلامی سرحدوں کی حفاظت میں جاگ کر اپنی نیند کی قربانی دے، اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ کو حرام قرار دیتے ہیں۔" (مشکوۃ ۳۳۲)

۲:--------"ایک دن یا ایک رات خلوص نیت سے اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنا ایک سال کے روزوں اور نوافل سے بہتر ہے، اور اگر کوئی شخص اس حالت میں مر گیا تو اس کے تمام اعمال برابر اسی طرح لکھے جاتے رہیں گے جس طرح زندگی میں لکھے جاتے تھے اور اسے عذاب قبر سے بھی امن نصیب ہوگا۔"

۳ :--------"ہر آدمی کے اعمال اس کے مرنے کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں مگر اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے کام آنے والے مسلمان کے اعمال اس کی موت سے ختم نہیں ہوتے بلکہ ان میں روزبروز اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اسے عذاب قبر سے بھی محفوظ رکھا جائے گا-"

(مشکوۃ ص ۳۲۹)

۴ :--------"آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک دن یا ایک رات اللہ کی راہ میں اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کرنا دنیا و مافیہا سے افضل ہے-"

اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنا کس قدر اہم ہے ؟ مندرجہ بالا احادیث سے اس کا اندازہ ہوا ہو گا-

آنحضرت ﷺ نے اپنی ۲۳ سالہ حیات نبوت میں امت مسلمہ کو اس کی صرف تلقین ہی نہیں فرمائی بلکہ آپ ﷺ نے غزوات مبارکہ میں بنفس نفیس شرکت فرما کر اس کا عملی ثبوت بھی دیا ہے- قیام پاکستان کے بعد سے اب تک بھارت پاکستان کا بدترین دشمن رہا ہے اور اس نے پاکستان دشمنی کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیا- بھارت اور اس کی حلیف قوتوں روس، امریکہ اور برطانیہ نے پاکستان کو دل سے کبھی تسلیم نہیں کیا-

پاکستان کے معرض وجود میں آتے ہی بھارت اور اس کے حلیفوں نے اسے دنیا کے نقشہ سے مٹا دینے کی کوششیں شروع کر دیں- قادیانیوں نے ان

کے آلہ کار اور جاسوس کا کردار ادا کیا، ملک میں انتشار پیدا کرنے کی کوششیں کی گئیں، دوبار اس پر زبردستی جنگ مسلط کی گئی، دونوں بار امریکہ بہادر نے پاکستانی قیادت کو بے وقوف بنایا اور بھارت کی پیٹھ ٹھونک کر اسے پاکستان پر مسلط کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ مگر ہر بار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور طاغوت کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا۔

۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد اسلام دشمن قوتوں نے اپنی حکمت عملی بدل کر بھارت کو ایٹمی قوت بنانے کا فیصلہ کیا تو بھارت اپنے آقاؤں کے اشارہ پر جوہری ہتھیاروں کی تیاری میں مصروف ہو گیا اور ۱۹۷۴ء میں اس نے پہلا ایٹمی دھماکہ کیا مگر عالمی برادری نے اس پر کسی خاص رد عمل کا مظاہرہ نہیں کیا، تا آنکہ بھارت نے مئی ۱۹۹۸ء میں یکے بعد دیگرے پانچ ایٹمی دھماکے کر ڈالے - بھارت نے ایٹمی دھماکے کر کے جنوبی ایشیا کے امن کو مخدوش کر دیا۔ عالمی برادری خصوصاً امریکہ بہادر نے اس پر بھی ہلکے پھلکے رد عمل کا اظہار کیا اور بھارت پر کسی اقتصادی پابندی وغیرہ کا بل تک پاس نہیں کیا گیا۔ صرف مذمتی قرارداد پر اکتفا کیا گیا۔

بھارت کی بڑھتی ہوئی جارحیت، پاکستانی سرحدوں سے قریب "اگنی" اور "پرتھوی" میزائیلوں کی تنصیب، ہندوستانی افواج کا اجتماع اور بعض اخباری اطلاعات کے مطابق پاکستانی سرحدوں کے قریب اسرائیلی وزیر دفاع کی پراسرار سرگرمیاں کسی بڑے حادثے کی نشاندہی کرتی تھیں۔

ان حالات میں پاکستان کا اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور دشمن کو اس

کی زبان میں جواب دینا ضروری ہو گیا تھا- اس لئے پاکستان کا "غوری" اور "عنزہ" میزائل تیار کرنا اور ایٹمی دھماکے کرنا ملک و قوم اور ملت و مذہب کی سلامتی کے لئے ازحد ضروری ہو گیا تھا- چنانچہ پاکستانی سائنس دانوں، اور حکومت نے بروقت اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے کامیاب ایٹمی دھماکے کئے، اور گاؤماتا کی اولاد کا ذہنی خمار درست کر دیا- اس پر پاکستان کے سائنس دان بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں-

امریکہ بہادر اور سپر طاقتوں کو پاکستان کی خود مختاری اور سلامتی ایک آنکھ نہیں بھاتی، اس لئے وہ اس پر سیخ پا ہو گئے، اور پاکستان پر اقتصادی پابندیوں کی دھمکی کا راگ الاپنا شروع کر دیا- امریکہ کی پاکستان اور اسلام دشمنی کوئی نئی بات نہیں، اور نہ ہی وہ کسی سے ڈھکی چھپی ہے، اس لئے امریکہ کا پاکستان کے خلاف یہ طرز عمل قطعاً غیر متوقع نہیں- مسلمانوں اور خصوصاً حکومت پاکستان کو اس سے متاثر نہیں ہونا چاہئے- امریکہ نے لیبیا اور عراق پر اقتصادی پابندیاں لگا کر ان کا کیا بگاڑ لیا ہے کہ پاکستان کو اس سے ڈرایا جا رہا ہے؟

امریکہ کی اقتصادی پابندیوں کا پاکستان پر یوں بھی کوئی خاص اثر نہیں ہو گا کہ افغانستان-، ایران، چین اور دوسرے ممالک، خصوصاً عرب ممالک پاکستان کی بھرپور مدد کے لئے تیار ہیں جب کہ لیبیا نے پاکستان کو یہ پیش کش کی ہے کہ اگر پاکستان ہمیں ایٹمی توانائی دے تو ہم پاکستان کے تمام قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں-

امریکہ کا بس نہیں چلتا کہ وہ حکومت پاکستان، اور مسلمانوں کو ان کی

اس "بغاوت" پر کس طرح سبق سکھائے؟ پاکستانی مسلمانوں کے ایٹمی دھماکہ کے موقع پر جشن مسرت اور خوشی کو دیکھ کر امریکہ غیض وغضب کی آگ میں جل بھن کر رہ گیا۔ اس کا اندازہ اس امریکی ٹی وی رپورٹ سے لگایا جاسکتا ہے جو روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہوئی ہے:

"پاکستان میں گندم ۱۵ سے ۱۸ روپے کلو ہو جائیگی،

امریکی ٹی وی"

"اخراجات میں کمی جیسے اقدامات کی کوئی حیثیت نہیں، پابندیوں نے اثر دکھایا تو ایٹمی دھماکے کی خوشیاں ماند پڑ جائیں گی"

"لاہور (نمائندہ جنگ) پاکستان پر جوہری دھماکوں کے بعد عائد اقتصادی پابندیوں کے اثرات کیا ہوں گے اس کے بارے میں امریکی ٹی وی کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ حکومت کا موقف ہے کہ کوئی بھی پاکستانی، خطے میں بھارتی بالادستی کی بجائے مزید اقتصادی پابندیاں قبول کرنے کو تیار ہے۔ کئی بڑے صنعت کار بھی صورت حال کو خوش آئند اور ملک کے لئے ایک پوشیدہ خوش بختی قرار دیتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ پابندیوں سے نئی راہیں کھلیں گی اور ملک خود انحصاری کی طرف بڑھے گا۔ رپورٹ

میں بتایا گیا کہ اقتصادی ماہرین کی رائے میں وزیر اعظم کی جانب سے سرکاری اخراجات میں کمی اور پرائم منسٹر ہاؤس چھوڑنے جیسے اقدامات ناکافی اور محض علامتی حیثیت رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جب گندم کی قیمت ۱۵ سے ۱۸ روپے فی کلو گرام ہو گی اس وقت لوگوں کو صورت حال کی نزاکت کا اندازہ ہو گا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ حکومت کا موقف ہے کہ ۶ ماہ تک پابندیوں کا اثر نہیں ہو گا مگر اس کے بعد جب اثرات سامنے آئیں گے اور لوگوں کو اقتصادی گھونسہ پڑے گا تو پھر ان کی ایٹمی دھماکے کی خوشیاں اور جوش و خروش ماند پڑ جائیں گے۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ص ۳-۱۸ جون ۱۹۹۸ء)

امریکی ٹی وی رپورٹ اور اس کی مزعومہ دھمکی کے جواب میں ہم صرف یہی کہیں گے: "موتوا بغیظکم" (اپنے غیض و غضب کی آگ میں جل کر مر جاؤ)۔ اس لئے کہ حرب اور آلات حرب کی تیاری مسلمانوں کا دینی، ملی اور اسلامی فریضہ ہے، ارشاد ربانی ہے:

"واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم۔" (انفال ۶۰)

ترجمہ: "اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے، سامان درست رکھو

، کہ اس کے ذریعہ تم (اپنا) رعب جمائے رکھو، ان پر جو کہ
(کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اورر تمہارے دشمن
ہیں۔"

صرف یہی نہیں بلکہ ملکی دفاع کے لئے ہتھیار تیار کرنا مسلمانوں کی
نجات اخروی کا ذریعہ ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"ایک تیر تین آدمیوں کو جنت میں لے جائے گا (۱)---جس نے
خلوص نیت سے اسے بنایا، (۲)---جس نے وہ تیر (میدان جہاد میں)
چلایا، (۳)---جس نے تیر انداز کو وہ تیر اٹھا کر دیا۔"

اس لئے امریکہ بہادر ہو یا یورپی برادری، روس ہو یا اس کے
حلیف، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان اپنے تحفظ وبقاء اور عقیدہ وایمان کے
معاملہ میں خود مختار ہیں وہ کسی کے اصول وقوانین کے پابند نہیں۔ جنوبی ایشیا
میں ہندو بنئے کو اس کی زبان میں جواب نہ دیا جاتا تو یہ پاکستان کی بزدلی تصور ہوتی
جو پوری اسلامی دنیا کے لئے خفت وشرمندگی کا باعث تھا۔

گزشتہ چند دنوں تک پاکستانی سائنس دانوں کی متضاد خبریں اور نہایت
دل آزار بیانات اخبارات کی زینت بنتے رہے ہیں کچھ حضرات کا خیال تھا کہ ایٹمی
دھماکوں کا کارنامہ فلاں کا نہیں بلکہ میرا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی
خبریں بھی ملک وملت کے دشمنوں، اوران ماہرین فن کی خدمات کو پیوند خاک
کرنے کی سازشوں کا حصہ ہیں، مسلمان سائنس دانوں کی زبان سے ایسے بیانات

زیب نہیں دیتے، اس معاملہ میں کسی قسم کی کوئی رسہ کشی نہیں ہونی چاہئے اور یہ تاثر کہ یہ کارنامہ میرا ہے، فلاں کا نہیں، خلوص واخلاص کے منافی ہے۔ ہم سب مسلمان ہیں اور مسلمان ایک دوسرے کیلئے بمنزلہ جسم واحد کے ہیں، ایک کا کارنامہ سب کا کارنامہ اور کسی ایک کی توہین سب کی توہین وتنقیص کے مترادف ہے۔

ہمارے ایسے غیر ذمہ دارانہ بیانات سے ہماری ہوا اکھڑ جائے گی، قرآن کریم میں ہے:

"ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم۔"

ترجمہ: "آپس میں نہ لڑو، بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔" (انفال: ۴۶)

پاکستان کے موجودہ حالات اور بین الاقوامی قوتوں کے تیوروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید پاکستان پر اقتصادی پابندیاں لگائی جائیں، اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے پاکستان اور مسلمانوں کو انشاء اللہ نقصان کے بجائے کچھ نفع ہی ہوگا۔ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کو خود انحصاری کی پالیسی پر بھرپور انداز سے کاربند ہونا ہوگا۔ ہمارے ہاں تقریباً فیشن سا بن گیا ہے کہ ہم پاکستانی مصنوعات کے استعمال کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور ہمارے گھروں کا زیادہ تر انحصار برآمد شدہ اشیاء پر ہوتا ہے، اسی طرح ہمارے یہاں کے بڑے لوگ اپنی بیماری کے علاج ومعالجہ کے اخراجات پر قومی خزانہ کو پانی کی طرح بہاتے اور بے

دریغ خرچ کرتے ہیں - ایک ایسے ملک کے لئے جس کا شمار غریب ممالک میں ہوتا ہے اور جس کے امور سلطنت چلانے کے لئے بیرونی قرضوں کا سہارا لیا جاتا ہے، قطعاروا نہیں کہ اس کے ایک صوبائی سطح کے اہل کار کے بیرون ملک علاج پر ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ بیس ہزار روپے کی خطیر رقم خرچ کی جائے، روزنامہ جنگ کراچی میں ہے:

"(کراچی اسٹاف رپورٹ) صوبائی بجٹ ۹۹-۱۹۹۸ء کے مطابق سابق سیکریٹری صحت محمد شفیع قریشی کے امریکہ میں ہونے والے علاج پر ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ بیس ہزار روپے کے اخراجات آئے، جو صوبائی حکومت نے ادا کئے"۔ (روزنامہ جنگ ۱۸ر جون ۱۹۹۸ء)

اگر ان شہ خرچیوں پر کنٹرول نہ کیا گیا تو امریکہ اور اس کے حواری ہماری معاشی بد حالی پر شادیانے بجائیں گے۔

حکومت کو چاہئے اس سلسلہ میں سیاسی راہ نماؤں، عوام اور خصوصاً تاجر برادری کو اعتماد میں لے کر ملک کی اقتصادی پالیسی وضع کرے اور عوام پر مزید ٹیکسوں کا بوجھ لادنے کی بجائے حکومتی ارکان کے بے جا اور غیر ضروری اخراجات پر کنٹرول کرے۔ اگر قومی خزانہ کی رقم کو سلیقہ سے خرچ کیا گیا تو انشاء اللہ حکومت کو کسی قسم کی کوئی مشکل کا سامنا نہیں ہوگا۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین-

(بینات، ربیع الاول ۱۴۱۹ھ)

معاشی بحران کا ذمہ دار کون؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی:

گزشتہ دنوں پاکستان نے ہندوستان کی مسلسل بڑھتی ہوئی جارحیت اور ایٹمی پھیلاؤ کو روکنے اور پاکستان کے تحفظ وبقا کے پیش نظر کامیاب ایٹمی دھماکے کئے- ان دھماکوں سے ملکی استحکام کے ساتھ ساتھ ملک میں اقتصادی ومعاشی عدم استحکام نے بحران کی شکل اختیار کرلی- جس سے عوام میں فکری انتشار کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے، حزب اقتدار و حزب اختلاف ایک دوسرے کو اس صورت حال کا ذمہ دار قرار دے رہے ہیں- دوسری طرف اخبارات اور میڈیا نے اس کو اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ملک دیوالیہ ہونے کو ہے- جب کہ ماہرین اقتصادیات اور تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ ملکی معیشت اتنی خراب نہیں ہے جتنا اسے اچھالا جارہا ہے-

بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ بین الاقوامی سازش، عالمی منافع خوروں، یہودی سٹے بازوں اور ملک دشمن عناصر کی چال ہے- وہ پاکستان کو کامیاب ایٹمی تجربات اور ایٹمی قوت بننے کی سزا دینا چاہتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان

معاشی طور پر دیوالیہ ہو جائے اور مسلمانوں کی عزت وناموس کو سر عام پامال کیا جائے۔ پاکستان کی موجودہ صورت حال پر پاکستان دشمنوں کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی، چنانچہ بھارتی سیکریٹری خارجہ کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ:

"ہمیں پاکستان کی خراب اقتصادی صورت حال پر شدید تشویش ہے اور بھارت پاکستانی معیشت کو استحکام دینے کے لئے مدد کرنے کو تیار ہے"۔(روزنامہ جنگ کراچی ۱۴جولائی ۱۹۹۸ء)

ایک تاثر یہ ہے کہ ملک میں معاشی بحران بین الاقوامی اقتصادی پابندیوں کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے لیکن بنظر غائر دیکھنے سے معاملہ اس سے مختلف نظر آتا ہے اس لیے کہ :

الف :----پاکستان پر اقتصادی پابندیاں محدود پیمانہ پر لگائی گئی ہیں اور وہ بھی محض ڈھیلی ڈھالی سی۔

ب :----پھر ان ڈھیلی ڈھالی پابندیوں کے مسودہ قانون پر کاروائی مکمل نہیں ہوئی۔

ج :----بالفرض اگر اقتصادی پابندیاں لگ چکی ہیں، اس کا قانون بھی پاس ہو گیا، تب بھی اس کے اثرات مرتب ہونے میں ابھی دیر ہے۔ کیونکہ امریکی ٹی وی رپورٹ کے مطابق "حکومت پاکستان کا موقف بھی یہی ہے کہ اقتصادی پابندیوں کا اثر چھ ماہ تک ہوگا"۔ اس لیے ہمارے خیال میں ملک کی موجودہ اقتصادی صورت حال اور معاشی بحران کے ذمہ دار جہاں ملک دشمن عناصر، عالمی

منافع خور، یہودی سٹہ باز اور بین الاقوامی لابیاں ہیں، اس سے کہیں زیادہ اس کے ذمہ دار ہمارے ارباب اقتدار ہیں، یہ ان کی غلط حکمت عملی اور سوء تدبیر کا نتیجہ ہے، اس سلسلہ میں وزیر خزانہ پاکستان جناب سرتاج عزیز کا درج ذیل اعتراف اخبارات میں شائع ہو چکا ہے:

"فارن کرنسی اکاؤنٹ پر پابندی لگانا غلطی تھی، سرتاج عزیز"۔

(جدہ شاہد ندیم- نمائندہ خصوصی) وزیر خزانہ سرتاج عزیز نے کہا ہے کہ حالیہ اقتصادی بحران عارضی ہے اور یہ حکومت کی اقتصادی پالیسیوں میں ناکامی نہیں، جدہ کانفرنس پیلس میں پاکستان جرنلسٹس فورم میں بات چیت اور جنگ کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اہل صحافت اقتصادی بحران کو ہوا دینے کے ذمہ دار ہیں، غلط خبریں شائع کر کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی، انہوں نے اعتراف کیا کہ فارن کرنسی اکاؤنٹس پر پابندی لگانا غلطی تھی-"۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۱۵ جولائی ۱۹۹۸ء)

ملک میں موجودہ افراط زر اور پاکستانی کرنسی کے تیزی سے گرنے کے دوسرے وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ملک میں موجودہ فارن کرنسی اکاؤنٹ پر پابندی کے غلط قانون سے غیر ملکی کرنسی کی مانگ میں اضافہ ہوا تو عوام کا پاکستانی کرنسی سے اعتماد اٹھ گیا اور انہوں نے پاکستانی کرنسی کی بجائے

غیر ملکی کرنسی لے کر اپنا سرمایہ محفوظ کرنے کی کوشش کی، اس پر عالمی منافع خوروں، یہودی سٹے بازوں اور ملک دشمن لابیوں کی چاندی ہو گئی، یوں دیکھتے ہی دیکھتے ڈالر ۴۶روپے سے بڑھ کر ۶۵ روپے تک اور پاؤنڈ ۷۵روپے سے ۹۶روپے تک پہنچ گیا حتیٰ کہ پاکستانی کرنسی بنگلہ دیشی کرنسی سے بھی گر گئی۔

اگر حکومت پاکستان اور اس کے ماہرین اقتصادیات عقل و شعور اور احساس ذمہ داری، سلیقہ مندی اور فرض شناسی سے کام لیتے اور اصول جہانبانی سے واقف ہوتے تو انہیں موجودہ صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑتا، بلکہ وہ ان ممکنہ خطرات سے نمٹنے کے لئے پہلے سے پیش بندی کرتے، ان کا حل سوچتے اور پہلے سے منصوبہ بندی کرتے۔ ان حالات میں جب کہ ملک کو اندرونی اور بیرونی مخالفت کا سامنا ہے حکومت کو پھونک پھونک کر قدم اٹھانے اور درج ذیل پہلوؤں پر خصوصی توجہ کی ضرورت تھی:

☆ ورلڈ بینک سے بھیک مانگنے کی بجائے اپنے ملک کے بااثر خزانہ چوروں اور ڈاکوؤں سے کھربوں روپے کے قرضے واپس لیے جاتے۔

☆ مستقل طور پر ایسی قانونی پیش بندی کی جاتی کہ ان ارب پتی مستحقین زکوۃ کے قرضے معاف نہ ہو سکتے۔

☆ گزشتہ ایک عرصہ سے سرکاری بیت المال سے پلنے والی باشوہر بیواؤں اور باپدر یتیموں کی جانچ پڑتال کی جاتی، اور آئندہ قومی دولت کے ضیاع کا سدباب کیا جاتا۔

☆ محض زبانی کلامی دعوؤں کے بجائے میدان عمل میں اتر کر عوام کو

اعتماد میں لیا جاتا۔

☆بے جا خرچ ہونے والی سرکاری رقوم پر کنٹرول کر کے سرکاری قرضوں کی وصولی کو یقینی بنایا جاتا، تو ہمیں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جتنا قرض دیتا ہے اس سے کہیں زیادہ ہمارے پاس سرمایہ جمع ہو جاتا اور آج ہم دیوالیہ پن کی قعر مذلت کے دھانے پر کھڑے نہ ہوتے بلکہ عزت و وقار سے سر اٹھا کر چلنے اور اپنے فیصلے خود کرنے کی پوزیشن میں ہوتے۔ امریکہ بہادر اور ہندو بنئے ہماری معیشت پر خندہ استہزا بلند کرنے کا موقع نہ ملتا۔

ان سب سے ہٹ کر اس صورت حال کی تمام تر ذمہ داری وزیر اعظم پاکستان جناب نواز شریف صاحب پر عائد ہوتی ہے کہ اتنا بھاری عوامی مینڈیٹ حاصل کرنے کے باوجود انہوں نے نفاذ اسلام کے لئے کچھ نہیں کیا، اگر وہ چاہتے تو سب کچھ کر سکتے تھے، ان کو اس کی قانون سازی کا مکمل اختیار تھا مگر انہوں نے اسلام نافذ کرنے کا غالباً ارادہ ہی نہیں کیا۔ اگر وہ صدق دل سے اسلام نافذ کرنا چاہتے تو ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ انتخابی مہم میں کئے گئے وعدوں پر عمل کرتے ہوئے اگر وہ نفاذ اسلام کا اعلان کر دیتے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانیاں پیدا فرما دیتے۔ اور نفاذ اسلام کی برکت سے ملک اقتصادی اور معاشی بحران کے بجائے خوشحالی سے سرفراز ہوتا، قرآن کریم میں ہے :

"ولو انهم اقاموا التوراة والانجيل وما انزل اليهم من ربهم لاكلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم۔" (مائدہ:٦٦)

ترجمہ :"اور اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو

اور اس کو جو کہ نازل ہوا ان پر ان کے رب کی طرف سے

تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے -"

(ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اسی طرح اگر وہ نظام سود کو ختم کر کے زکوۃ و عشر اور اسلامی ٹیکسوں کے نظام کو نافذ کرتے اور حدود و قصاص اور قانون جرم وسزا کو رواج دیتے تو انہیں آج یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا-

جناب نواز شریف صاحب کو اللہ تعالیٰ نے متعدد بار قوم و ملک اور دین وملت کی خدمت کے زرین مواقع عطا فرمائے مگر شومئی قسمت کہ انہوں نے ہر بار ان سنہری مواقع کو ضائع کر دیا- اسی طرح موصوف پر قوم نے متعدد بار اعتماد کیا مگر انہوں نے ہر بار قوم کو مایوس کیا-مثلاً :

الف :..... قوم نے ان پر اعتماد کر کے "قرض اتارو، ملک سنوارو" اسکیم کے موقع پر ایک معتدبہ رقم مہیا کی مگر تاحال قرض جوں کا توں ہے اور قومی خزانہ خالی ہے-

ب :..... قوم سے نفاذ اسلام کا وعدہ کیا مگر تاحال اس کے نفاذ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا-

ج :..... انہوں نے ملکی معیشت کو سود سے پاک کرنے کا نقارہ اس زور سے پیٹا کہ ان کے اس "اعلان حق" پر اعتماد نہ کرنے والوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا، مگر ابھی تک سودی نظام میں ذرہ برابر تبدیلی برداشت نہیں کی گئی-

د :..... اخباری اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ ایک عشرہ میں بااثر شخصیات نے بینکوں اور مالیاتی اداروں سے چودہ ارب انہتر کروڑ اٹھاون لاکھ روپے (۱۴۶۹۵۸۰۰۰۰۰) کے قرضے اپنے اثر ورسوخ سے معاف کرائے ہیں، لیکن وزیراعظم صاحب اور اس کی حکومت نے اس کا کوئی ایکشن نہیں لیا۔

ہ :..... اسی طرح اخباری اطلاع ہے کہ ہمارے وی آئی پی حضرات پر اب بھی دو کھرب روپے (۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) کے قرضے واجب الادا ہیں مگر مسلم لیگ حکومت اس سے صرف نظر کئے ہوئے ہے۔

بلاشبہ موجودہ کرپشن حکمرانوں کی سرپرستی اور شراکت سے پروان چڑھ کر عروج کو پہنچی ہے اور ملک کو بد عنوان عناصر اور افسر شاہی نے بالکل ہی کھوکھلا اور نہایت ہی کمزور کر دیا ہے - اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ حکمرانوں اور ان کی سیاسی اولاد کا ملک کی معاشی تباہی و بد حالی میں سب سے بڑا ہاتھ ہے۔

بہر حال اب بھی وقت ہے کہ ملکی معیشت کو سنبھالا دیا جائے، اور سنجیدگی سے روپے کی گرتی ہوئی قدر کو روکا جائے، اس کے لیے سادگی، اور کفایت شعاری کو رواج دیا جائے اور ملک و قوم کی خیر خواہی کے جذبہ کے تحت قومی خزانہ کو امانت سمجھتے ہوئے اس کے تحفظ کے لیے ممکنہ اقدامات کیے جائیں، برادر مسلم ممالک سے تجارت و تعاون کا ہاتھ بڑھایا جائے۔ایسے ملک دشمن عناصر جو پاکستانی روپے کی قدر گرنے اور ڈالر کی قدر بڑھنے سے قبل اپنے اعزہ کو اس صورت حال سے آگاہ کر کے مالیاتی ایمر جنسی سے فائدہ اٹھا کر بینکوں سے

کروڑوں ڈالر نکلوا کر بیرون ملک منتقل کرنے کے جرم کے مرتکب ہوئے ہوں انہیں ان کے مناصب سے الگ کر کے قرارواقعی سزادی جائے اور ان پر غداری کا مقدمہ چلایا جائے۔

بین الاقوامی تجارت کے لئے مسلمانوں کو ڈالر پر انحصار کرنے کی بجائے اسلامی ممالک کے اتفاق رائے سے الگ کوئی کرنسی متعین کرنی چاہئے۔

اللہ کے حضور توبہ کر کے ملک کو سود سے پاک کرنے کا اعلان کرنا چاہئے ،اوربلا تاخیر نفاذ اسلام کا اعلان کر نادینا چاہئے - ان اقدامات سے انشاء اللہ ،اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی ،اور دشمنوں کے عزائم خاک میں ملیں گے۔

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا
محمد وآله واصحابه اجمعين –

(ماہنامہ بینات ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ)

اسلامی نظام کی برکات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی !

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا، اس کے لئے مسلمانوں نے جان ومال، عزت وآبرو اور گھربار کا نذرانہ پیش کیا، ہزاروں دینی مراکز، مساجد اور تاریخی یادگاریں چھوڑ آئے، جو آج ہندو کے ہاتھوں اپنے تقدس کی پامالی اور ہماری بے حسی پر نوحہ کناں ہیں، ہزاروں ایسی گمنام مسجدیں مندروں کا روپ دھار چکی ہیں، جو کبھی قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی صداؤں سے معمور تھیں- کئی ایک ایسی ہیں جن کو ہندو اپنے دیوتاؤں کی جنم بھومی کے نام سے مسمار کر چکے ہیں- کچھ ایسی ہیں جو ان جنونی ہندوؤں کے نشانہ پر ہیں- الغرض اسلام کے نام پر لاکھوں جانیں، ہزاروں عزتیں ضائع ہوئیں، بچے یتیم ہوئے، سہاگ لٹے اور کروڑوں کی املاک تباہ ہوئیں، ملک عزیز حاصل کر لیا گیا مگر اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے ملک میں اسلام نہیں آسکا، مسلمانوں نے نہایت خلوص واخلاص سے پاکستان میں نفاذ اسلام کی متعدد بار کوششیں کیں، مگر بے سود- پاکستان سے لادین طبقہ کی بالادستی ختم کرنے، یہودی، عیسائی اور قادیانی

مہروں کو ہٹانے کے لیے تحریکیں چلائی گئیں، جانوں کا نذرانہ پیش کیا گیا، "قرارداد مقاصد" کو دستور پاکستان کا حصہ بنانے کے لئے دباؤ ڈالا گیا، اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی گئی، علمانے اس میں بھرپور جدوجہد کی اور حکمرانوں کی راہ نمائی کی، آئین میں اسلام سے متصادم دفعات کو اسلامی بنانے کی مخلصانہ مساعی کی گئیں، ۷۳ء کا آئین بنایا گیا اس میں علماحق نے بھرپور راہ نمائی کی، علمانے شریعت بل پیش کیا اور ارباب قتدار نے اس کو رائے عامہ کے لئے مشتہر کردیا، مسلمانوں نے بھرپور انداز میں اس کے حق میں رائے دہی کی۔ مرحوم ضیاء الحق نے اسلامی شوریٰ قائم کی، علما سے تعاون مانگا، علمانے محض جذبۂ اخلاص سے اس میں بھی تعاون کیا، مگر "زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد" کے مصداق آج تک پرنالہ وہیں کا وہیں ہے۔ یہاں جتنے بھی حکمران آئے انہوں نے حصول اقتدار کے لئے نفاذ اسلام کے بلند وبالا نعرے ضرور لگائے مگر لیلائے اقتدار سے ہمکنار ہونے کے بعد سب سے پہلے انہوں نے مظلوم اسلام ہی پر تیشہ زنی کی مشق ناز فرمائی۔ اسکندر مرزا سے میاں نواز شریف تک کوئی حکمران ایسا نہیں گزرا جس نے حصول اقتدار کے لئے اسلام کا نام نہ لیا ہو؟ لیکن صرف نام کی حد تک، ورنہ درپردہ اسلام اور دین کے نام پر لادینی، فحاشی، عریانی، اور ناچ گانوں کو رواج دیا گیا۔ اسلام اور اسلامی اقدار کی پامالی کی گئی، اسلام دشمن قوتوں اور تحریکوں کی سرکاری سطح پذیرائی بلکہ سرپرستی کی گئی، مسلمانوں نے جب کبھی ان دریدہ دہنوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو انہیں بزور قوت خاموش یا ختم کردیا گیا۔ ملک وملت کے غم خواروں نے جب کبھی ارباب

اقتدار کو ان کے نفاذ اسلام کے دعوے اور وعدے یاد دلائے تو "مشکلات" اور "بحرانوں" کا عذر پیش کر کے جان چھڑانے کی کوشش کی گئی- سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کے نام پر دھوکا دیا گیا، انہیں دین و مذہب کے نام پر بے وقوف بنایا گیا اور اللہ و رسول کے نام پر ان کو لوٹا گیا، ناخدایان قوم اگر اپنے دعوے میں مخلص اور سچے ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور سرخرو فرماتے، اور اسلامی نظام کے نفاذ میں ان کی مدد نصرت فرماتے- اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

"والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسین-"

ترجمہ "اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب (ثواب یعنی جنت) کے راستے ضرور دکھادیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ (کی رضا رحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے-"

الغرض ہمارے حکمرانوں نے ملک میں نفاذ اسلام کا ارادہ ہی نہیں کیا ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے اس خواب کو ضرور شرمندۂ تعبیر فرمادیتے- یہ اسی کی نحوست ہے کہ آج ملک طرح طرح کے مسائل کا شکار ہے، اس پر نسلی اور وطنی عصبیت کے منحوس سائے منڈلا رہے ہیں، آدھا ملک ہاتھ سے چلا گیا ہے دوسرے آدھے کو توڑنے کی سازش کی جارہی ہے، اور باوجود سب کچھ ہونے کے ملک دیوالیہ ہونے کو ہے-

اس کے برعکس پڑوسی ملک افغانستان ہے جو گزشتہ سترہ سال سے

حالت جنگ میں ہے، معاشی اور اقتصادی اعتبار سے تباہ حال تھا، جس کی اخلاقی حالت پاکستان سے کسی اعتبار سے بہتر نہیں تھی، خلق و پرچم پارٹیوں اور روسی استعمار نے جلتی پر تیل کا کام کیا، لیکن جب اللہ کے چند بااخلاص بندوں نے اعلاء کلمۃ اللہ اور نفاذ اسلام کا عزم کرلیا تو روس اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے باوصف اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہو گیا اور وسط ایشیا کی گیارہ ریاستیں آزادی کا پھریرا لہرانے لگیں۔

افغانستان کی اس بھرپور جنگ اور آزادی کے بعد خلقی، پرچمی لادین وکمیونسٹ پھر سے میدان میں آگئے اور پہلے سے بڑھ کر ملک میں جنسی بے راہ روی بے حیائی و فحاشی کو رواج دینے لگے، اور ہر ایک نے اپنے طور پر خود مختاری کا بگل بجادیا، جگہ جگہ غنڈہ ٹیکس اور زناکاری کے اڈے کھل گئے، مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کردیا گیا، مقصد جہاد فوت ہو گیا، مسلمان روسی استعمار کو بھول گئے، جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لالے پڑ گئے، ایسے میں ساٹھ افراد پر مشتمل اللہ کے بندوں کی ایک مختصر سی جماعت اپنے کارکنوں کا معمولی اثاثہ لے کر میدان میں کود گئی، اور دیکھتے ہی دیکھتے ساٹھ نفوس پر مشتمل ابابیلوں کے اس غول نے تحریک طالبان کے نام سے طلبا، علما اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردیا، چند دنوں میں افغانستان کے دو تہائی رقبہ پر اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان فرمادیا اور اب ان کی تین سالہ جدوجہد کے نتیجے میں تقریباً سارے افغانستان پر امارت شرعی قائم ہے۔ یہ اسلامی نظام کی برکت ہے کہ کل کا افغانستان جو ظلم و بربریت کی تصویر تھا آج وہ امن و سکون اور اخوت و ہمدردی کا

گہوارہ ہے، جہاں کسی ماں بہن بہو اور بیٹی کی عزت محفوظ نہیں تھی، جہاں عصمتیں تار تار کی جاتیں، اموال لوٹے جاتے، نمازوں پر پابندی تھی، مساجد کو مقفل کرنے کا پروگرام تھا، جہاں علما کو سرِ عام پھانسی دی جاتی اور دینی مدارس کو تہس نہس کیا گیا، آج وہاں علما ہی قوم وملک کے رکھوالے ہیں آج اس سرزمین میں کسی کو جرات نہیں کسی کی ماں بہن اور بہو بیٹی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔

طالبان کے خلوص واخلاص اور اسلامی نظام کی برکت ہے کہ افغانستان کے تمام سورما رفتہ رفتہ اپنے انجام کو پہنچ رہے ہیں اور اللہ کی مدد اور نصرت ان کے شامل حال ہے۔کوئی ایسی غیر مرئی قوت ہے جو ان کی بھرپور مدد کر رہی ہے، ورنہ بین الاقوامی حالات اور سپر طاقتوں کا بس نہیں چلتا کہ کس طرح اس "باغی ٹولہ" کی سرکوبی کی جائے؟ اور انہیں کس طرح سبق سکھایا جائے؟ دیکھا جائے تو اس وقت پوری بین الاقوامی برادری طالبان کے خلاف ہے انہیں کسی طرح کی امداد و تعاون کا مستحق نہیں سمجھا جاتا، ان کے پاس بظاہر کوئی مادی وسائل نہیں، ملک معاشی اعتبار سے نہایت کسمپرسی کا شکار ہے لیکن فتح وکامرانی ان کے قدم چوم رہی ہے، اس لیے کہ ان پر اللہ کا ہاتھ ہے، ان کے پیچھے فرشتے ہیں ان کا اعتماد اللہ پر ہے، وہ ہتھیار اور آلاتِ حرب پر یقین نہیں رکھتے وہ کسی کی مدد و نصرت کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کو کافی سمجھتے ہیں یہ در حقیقت اسلامی نظام کی برکات ہیں کہ بظاہر دیکھنے میں ان کے پاس کچھ نہیں لیکن حقیقت میں سب کچھ ہے، ان کے مخالفین سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس سب کچھ ہے، وہ اسلحہ سے لیس ہیں، پاکستان ان کی مدد کر رہا ہے، جب کہ پاکستان خود

اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے، خود اپنے اندرونی و بیرونی حالات سے پریشان ہے، انڈیا، ایران، اور امریکہ طالبان کے جانی دشمن ہیں، وسط ایشیا کی ریاستیں ان سے خائف ہیں، غرضیکہ اس وقت اللہ کے سوا ان کا کوئی حامی نہیں ہے۔ محض اسلامی نظام کے نفاذ کی برکتیں ہیں جو انہیں ہر اعتبار سے سرخرو کیے ہوئے ہیں۔

ہم ارباب اقتدار اور ناخدایان پاکستان سے گزارش کریں گے کہ اب بھی وقت ہے کہ وہ توبہ کرلیں اور خالق و مخلوق سے کئے گئے وعدے پورے کریں، اور لاکھوں مسلمانوں کے خون سے غداری نہ کریں جنھوں نے اسلام کے نام پر جام شہادت نوش کیا تھا، اگر اب بھی ان حالات سے سبق نہ سیکھا گیا تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کی پکڑ بڑی ہی سخت ہے، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامیں اور پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کردیں اور اسلامی نظام کے نفاذ کی برکتیں بچشم خود ملاحظہ کریں۔ انشاء اللہ فتح و کامرانی ان کا مقدر ہوگی۔

وصلی الله تعالی علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین

(ماہنامہ بینات جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ)

غریب ممالک کی شاہ خرچیاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بتاریخ ۷ اکتوبر کو ملکہ برطانیہ پاکستان کے چھ روزہ دورے پر تشریف لائیں۔ انہیں اسلام آباد میں شاہ فیصل مسجد کی سیر کرائی گئی، اور صدر مملکت کی جانب سے اس کو ایوان صدر میں عشائیہ دیا گیا۔ لاہور کے شاہی قلعہ میں وزیر اعظم کی طرف سے ملکہ کے اعزاز میں پر تکلف عشائیہ دیا گیا اور آتش بازی، علاقائی رقص، اور موسیقی کا مظاہرہ کیا گیا۔ ہمارے وزیر اعظم، جنہوں نے شادی بیاہ میں کھانوں پر پابندی لگا کر ملک میں غربت کا مقابلہ کرنے کا عزم کیا تھا، انہوں نے ملکہ کے اعزاز میں دیئے گئے عشائیے میں سولہ اقسام کے کھانوں سے مہمانوں کی تواضع فرمائی، جب کہ ملکہ کے لئے پرہیزی کھانا پورے سفر کے دوران لندن سے آتا رہا۔ ملکہ کو اور اس کے شوہر کو "نشان پاکستان" دیا گیا۔ ملکہ نے سینیٹ اور قومی اسمبلی کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کیا، اور پاکستان اور بھارت کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے جھگڑے ختم کر کے ایک دوسرے کے دوست بن جائیں، پاکستانی عوام اپنی ترقی کی رفتار سے مایوس ہیں، اگر شہریوں کو یکساں حقوق دیئے جائیں تو پاکستان ایشین ٹائیگر بن سکتا ہے۔

ملکہ کے اس دورے پر ہماری اعلیٰ قیادت سے لے کر افسران اور انتظامیہ تک جس قدر مصروف رہی، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ پاکستان کے

لئے ملکہ کے اعزاز واکرام سے بڑھ کر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک اندازے کے مطابق ان کے اس دورے پر اس غریب ملک نے پونے دو کروڑ روپے صرف لاہور میں خرچ کئے ہیں۔ کراچی، اسلام آباد، چترال اور مری وغیرہ پر جو مصارف اٹھے، اس کا کوئی اندازہ نہیں۔

کسی ترقی پذیر اور اربوں ڈالر کے مقروض ملک کو یہ شاہ خرچیاں زیب نہیں دیتیں۔ ایک طرف "قرض اتارو اور ملک سنوارو" کے بلند وبالا نعرے اور دوسری طرف ملکی خزانہ اور قومی سرمایہ کا اس فراخ دلی سے ضیاع کم از کم جناب نواز شریف جیسے وزیراعظم کے شایان شان نہیں۔

(ماہنامہ بینات کراچی رجب ۱۴۱۸ھ)

سی ٹی بی ٹی پر دستخط

یعنی ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی کا معاہدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

۲۸ر مئی ۱۹۹۸ء کو پاکستانی سائنسدانوں نے اسلام، مسلمانوں اور خصوصاً پاکستان کی بقا اور تحفظ، اور ہندوستان کی مسلسل بڑھتی ہوئی جارحیت کو روکنے کے لئے کامیاب ایٹمی دھماکے کئے تو عالم اسلام میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی، پڑوسی ملک بنگلہ دیش اور دوسرے اسلامی ممالک کی خوشی و مسرت دیدنی تھی، ایک دوست نے بتایا کہ اس دن ڈھاکہ میں مٹھائی لینے نکلا تو مجھے ناکام گھر لوٹنا پڑا، پوچھا تو معلوم ہوا کہ آج پاکستان نے ایٹمی دھماکے کئے ہیں جن کی خوشی میں مسلمانوں نے اتنی مٹھائی بانٹی ہے کہ بازار سے مٹھائی ناپید ہو گئی، یہی حال دوسرے مسلم ممالک کے مسلمانوں کا تھا- مگر پڑوسی ملک ہندوستان سے مسلمانوں کی یہ خوشی ہضم نہ ہو سکی اور اس کا "معدہ" خراب ہو گیا، امریکہ بہادر سے اس کی "مظلومیت" دیکھی نہیں گئی، وہ دن اور آج کا دن امریکہ نے پاکستان اور مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا، غالباً پندرہویں صدی کے فرعون امریکہ کے

کان میں اس کے حواریوں نے یہ افسوں پھونک دیا ہے کہ پاکستان اسی طرح آزاد رہا اور اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ لگائی گئی تو وہ آپ کے خلاف موسیٰ اور بنی اسرائیل کا کردار ادا کر سکتا ہے، وہ نہتے مسلمان جو روس جیسی سپر طاقت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے ہیں اگر ان کے پاس ایٹمی ہتھیار آگئے تو ان کا مقابلہ کسی کے بس میں نہیں ہوگا، اس لئے امریکہ اور اس کے حواریوں پر رات دن یہی خبط سوار ہے کہ کسی طرح اس "مست ہاتھی" کو قابو کیا جائے، انہوں نے اس کا توڑ اور حل یہ نکالا ہے کہ پاکستان، ہندوستان اور اسرائیل سی ٹی بی ٹی (ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی کے معاہدہ) پر دستخط کر دیں، بھارت اور اسرائیل کو تو صرف وزن بیت کے لئے شامل کیا گیا ہے ورنہ بنیادی طور پر پاکستان کی گردن ناپنا مقصود ہے۔

شروع شروع میں تو ہمارے حکمرانوں نے بڑی جرأت وہمت کا مظاہرہ کیا، ایٹمی دھماکے کئے، اقتصادی پابندیوں کی پرواہ کئے بغیر آگے قدم بڑھاتے چلے گئے حتیٰ کہ "ایک وقت کھانا کھائیں گے مگر ایٹم بم ضرور بنائیں گے" جیسے ہیجان انگیز نعرے لگائے۔ عوام کو مسرور و مسحور کیا، لیکن اب کچھ دنوں سے حکمرانوں کے مزاج اور ان کے تیور بدلے بدلے سے معلوم ہو رہے ہیں، ارباب اقتدار کے بیانات اور اشتہارات سے اب یہی محسوس ہو رہا ہے کہ ہماری حکومت اس معاہدہ پر دستخط کے موڈ میں ہے البتہ اس کا جواز تلاش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ کوئی جواز پیش کر کے دستخط کئے جائیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری حکومت کو اس معاہدہ پر دستخط کرنے کے نقصانات اور مضمرات کا صحیح معنی میں اندازہ نہیں ورنہ شاید وہ قطعاً اس کے لئے آمادہ نہ ہوتی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس

معاہدہ پر دستخط کرنے کے چند ایک ممکنہ نقصانات کی نشاندہی کر دی جائے:

۱:.... پاکستان واحد اسلامی ملک ہے جس نے ایٹمی ہتھیار بنانے میں پہل کی ہے، اس وقت تقریباً تمام اسلامی ممالک کی نظریں پاکستان کی طرف ہیں اگر پاکستان نے اس معاہدہ پر دستخط کر دیئے تو ظاہر ہے کہ آئندہ دوسرے کسی مسلمان ملک کو اس کی جرأت نہیں ہو گی۔

۲:.... بوقت ضرورت پاکستان کسی دوسرے اسلامی ملک کو ایٹمی پروگرام فروخت کر کے اپنے معاشی حالات درست کر سکتا ہے، جیسا کہ لیبیا اور ایران اس قسم کی پیش کش کر چکے ہیں۔

۳:.... اگر پاکستان نے اس معاہدہ پر دستخط کر دیئے تو پاکستان اس کا پابند ہو گا کہ اپنے ایٹمی پروگرام کو روک دے بلکہ اس معاہدہ پر دستخط کے بعد وہ پہلے کے بنائے ہوئے ایٹم بم بھی نہیں رکھ سکے گا۔

۴:.... اس سے ہماری عسکری اور حربی قوت ہندوستان کی نسبت کمزور ہو جائے گی۔

۵:.... اگر ہم نے اس معاہدہ پر دستخط کر دیئے تو ہم اپنے تمام تر ایٹمی ری ایکٹر اور اسلحہ کے ذخائر امریکہ بہادر کو دکھلانے کے پابند ہوں گے، بلکہ وہ اگر چاہے تو ایوان صدر، وزیر اعظم ہاؤس اور دوسری تمام اہم جگہوں کی تلاشی لے سکتا ہے۔ اور ہم اس کے خلاف احتجاج بھی نہیں کر سکیں گے۔ اس سلسلہ میں عراق کا حشر ہمارے سامنے ہے۔

۶:.... اسی طرح پاکستان کسی دوسرے اسلامی ملک کی معاونت نہیں کر سکے گا۔

اور نہ ہی کسی دوسرے ملک کو یہ ٹیکنالوجی منتقل کر سکے گا۔

۷ :.... پاکستان اس معاہدہ پر دستخط کرنے کی شکل میں آئندہ امریکہ بہادر اور دوسری بڑی قوتوں کا باج گزار اور دست نگر بن کر رہ جائے گا۔

۸ :.... سب سے زیادہ اور تباہ کن امر یہ ہے کہ ہم اس معاہدہ پر دستخط کرنے کی صورت میں ارشاد خداوندی: ''واعدوالهم مااستطعتم'' کے مقابلہ میں امریکہ کے احکام کی تعمیل کی وجہ سے غضب الٰہی کے مورد نہ بن جائیں۔

ان تمام وجوہ کے پیش نظر حکومت کو اس معاہدہ پر دستخط کرنے کی غلطی کر کے اپنی تباہی کو دعوت نہیں دینی چاہئے، اگر خدانخواستہ موجودہ حکومت نے یہ غلطی کرلی تو یہ ملکی تاریخ کی بدترین غلطی ہو گی اور قوم وملت ان کے اس جرم کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

....

۹/ اکتوبر ۱۹۹۸ء بروز جمعہ قومی اسمبلی نے نفاذ شریعت کے حوالے سے آئین میں پندرہویں ترمیم کا بل دو تہائی اکثریت سے منظور کرلیا، جس کے مطابق قرآن وسنت پاکستان کا ''سپریم لا'' ہوگا، بل کی حمایت میں ۱۵۱ اور مخالفت میں صرف ۱۶ ووٹ دیئے گئے جب کہ اپوزیشن اور حلیف جماعتوں میں سے بعض ارکان اسمبلی نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا، البتہ پی پی اور اس کے ہمنوا ارکان اسمبلی نے اس بل کی منظوری کے خلاف احتجاج کیا اور نو، نو اور شیم شیم کے نعرے لگائے، مگر بایں ہمہ دو تہائی اکثریت سے بل منظور کرلیا گیا، تاہم ابھی تک سینٹ سے منظوری کا مرحلہ باقی ہے۔

ان صفحات میں ہم متعدد بار عرض کر چکے ہیں۔ خصوصاً ماہنامہ بینات کی گزشتہ اشاعت میں پاکستان میں نفاذ شریعت اور شریعت بلوں کی تاریخ، علما کی مساعی اور حکومت کے اقدامات کا مفصل جائزہ لے چکے ہیں، یہاں اسے دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں، البتہ موجودہ حکومتی شریعت بل کی اسمبلی سے منظوری کے حوالہ سے چند غلط فہمیوں کے ازالہ کی طرف توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے، مثلا:

صرف شریعت بل کا قومی اسمبلی اور سینٹ سے منظور ہو جانا کافی نہیں، اس سے قبل قرارداد مقاصد کو دستور پاکستان کا حصہ بنایا گیا۔ جنرل محمد ضیاالحق نے اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کیا، اور خود میاں صاحب نے اپنے پہلے دور اقتدار میں شریعت بل پیش کیا اور قومی اسمبلی نے اسے منظور بھی کرلیا، اسلامی نظریاتی کونسل نے نہایت عرق ریزی سے دستور پاکستان میں رائج ان تمام قوانین کی نشاندہی کی، مگر حکومت نے عملی طور پر ان میں سے کسی چیز کو قابل توجہ نہیں گردانا، بلکہ نہایت بھونڈے انداز میں اس کے نفاذ و ترویج سے پہلو تہی کا مظاہرہ کیا اور اسے غیر موثر بنانے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کئیے، حکومت کی اس دوغلی پالیسی سے اسلام دشمن قوتوں کے عزائم کی تکمیل ہوئی اور ان کو یہ موقع فراہم ہوا کہ انہوں نے حکومت پر تنقید کی آڑ میں اسلامی نظام اور شریعت کو اپنی تنقید کا نشانا بنایا، انہیں یہ کہنے کا موقع ملا کہ حکومت نفاذ اسلام میں مخلص نہیں، وہ اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے شریعت کو ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہی ہے، نتیجہ اب عام تاثر بھی یہی ہے کہ حکومت

نفاذِ اسلام میں مخلص نہیں ہے بلکہ حسب سابق وہ اسلام کو اپنے اقتدار کو تحفظ دینے کے لئے ڈھال کے طور استعمال کر رہی ہے۔ اس لئے نفاذ اسلام کے نعروں کی بجائے عملی اقدام کی ضرورت ہے۔

قانون اپنی جگہ کتنا ہی موثر، مفید، کارآمد اور زریں اصولوں پر مبنی کیوں نہ ہو، وہ اس وقت تک افادیت سے محروم اور بے اثر رہتا ہے جب تک اس کے پیچھے قوت نافذہ، خلوص واخلاص کی تڑپ، جذبۂ عمل اور ایثار و قربانی کی سپرٹ نہ ہو۔ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اور قیام پاکستان کو پچاس سال ہو گئے مگر آج تک اس میں اسلام نہیں آسکا، بلکہ اس کی ملی، معاشی اور معاشرتی اصلاح کی بجائے بگاڑ میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، اصلاح احوال کی طرف ذرہ بھر پیش رفت نہیں ہوئی، کیونکہ برسر اقتدار طبقہ نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی، جو طبقہ برسر اقتدار آتا ہے وہ اپنا وقت پورا کرتا اور اپنے مفادات کے لئے نفاذ شریعت کے بلند و بالا نعرے لگاتا ہے، اور اپنے مقاصد کی تکمیل کر کے چلا جاتا ہے یوں اس ملک کو مفاد پرستوں نے دونوں ہاتھوں سے لوٹا تو ہے مگر نفاذ اسلام کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ ارباب اقتدار کو چاہئے کہ وہ اسلامی نظام کے عملی نفاذ کے لئے جرأت مندانہ اور انقلابی اقدامات کر کے قوم و ملک سے وفاداری کا ثبوت دیں اور مسلمانوں کے اعتماد کو بحال کریں۔

محض نفاذ اسلام کے اعلان سے حالات خود بخود ٹھیک نہیں ہوں گے، اس کے لئے قرآن و سنت کے قوانین، حدود و قصاص اور اسلامی تعزیرات کے فلسفہ پر عمل پیرا ہونا ہوگا، اور عمل کی ابتدا اپنی ذات اور اپنے گھر سے کرنا

ہو گی، کیونکہ جب تک ہم خود کسی قانون کی پابندی نہیں کریں گے، کسی اور سے اس کی توقع رکھنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ ہمارے ہاں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ ہم اپنے بجائے دوسروں سے عمل کی ابتدا کے خواہش مند ہوتے ہیں، الغرض اعلان کی بجائے عمل کی ضرورت ہے۔

....

وزیر اعظم نواز شریف کے بیرون ملک مبینہ اثاثوں اور جائیدادوں کے بارہ میں ۲۷ ستمبر ۱۹۹۸ء کو لندن سنڈے آبزرور میں سابق ایڈیشنل ڈائیریکٹر ایف آئی اے رحمان ملک کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جس طرح بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری نے حکومت واقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بیرون ملک سرمایہ منتقل کیا ہے اور بیرون ملک ان کے کاروبار، جائیدادیں، اور مکانات ہیں، ٹھیک اسی طرح موجودہ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کے بھی لندن میں مکانات اور جائیدادیں ہیں۔ جب کہ ان کا کاروبار صرف ملک کے اندر ہے۔ اگر بیرون ملک سرمایہ منتقل کرنا آصف علی زرداری اور بے نظیر بھٹو کے لئے ناجائز اور جرم ہے تو میاں صاحب کے لئے کیونکر جائز ہو گیا؟ اخباری اطلاعات کے مطابق ایوان صدر نے بھی اس کی تصدیق کی ہے کہ اس قسم کی رپورٹ ایوان صدر میں آئی تھی مگر چند وجوہات کی بناء پر اس پر کارروائی نہیں کی گئی۔

اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو بلا شبہ ہمیں ڈوب مرنا چاہئے کہ جو کام اپوزیشن لیڈر اور اس کے شوہر سے سرزد ہونے پر وہ قابل گردن زدنی قرار پاتے ہیں تو

میاں صاحب کے حق میں وہ کیوں جائز ہو جاتا ہے ؟ خدانخواستہ اگر آبزرور کی رپورٹ صحیح ہے اور جیسا کہ اس نے تعلی آمیز دعویٰ بھی کیا ہے کہ میاں صاحب ہمارے خلاف دعویٰ کریں ہم عدالت میں ان کا سامنا کریں گے۔ تو میاں صاحب کو اپنے دامن سے اس غلاظت کے چھینٹے کو صاف کرنا ہوگا۔ قوم ان سے پوچھنے کا حق رکھتی ہے کہ اگر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے بھری مسجد میں ایک مسلمان ان کے کرتے کے بارہ میں پوچھنے کا حق رکھتا ہے اور امیر المومنین اپنے آپ کو احتساب سے ماورا نہیں سمجھتے تو میاں صاحب سے کیوں نہیں پوچھا جا سکتا؟ میاں نواز شریف صاحب کو چاہئے کہ اس موقع پر وہ اپنی پوزیشن واضح کریں، صرف زبانی کلامی وضاحت کافی نہیں ہوگی بلکہ اپنی برأت و صفائی کا مروجہ طریق کار اپنا کر اس اخبار کے خلاف دعویٰ کریں اور ان الزامات کا سامنا کریں اگر وہ اپنے اندر اس کی جرأت نہیں پاتے تو انہیں چاہئے کہ الٹے سیدھے بہانے تراشنے اور باتیں بنانے سے بہتر ہے کہ وہ لیلائے اقتدار سے الگ ہو جائیں، اور ملک و قوم کو مزید کسی آزمائش میں نہ ڈالیں۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ أجمعین ۔

(بینات رجب ۱۴۱۹ھ)

سودی نظام کو یکسر ختم کرنے کا

لائق تحسین فیصلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سود اور ربا حرام ہے، اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، قرآن وسنت اور فقہائے امت کی واضح نصوص اس پر شاہد ہیں، سود، سودی نظام اور سود خوری کے نتائج وعواقب کو قرآن کریم میں جس تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اس کے لئے درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

"الذین یاکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس ذلك بانهم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل الله البیع وحرم الربوا فمن جآء ہ موعظة من ربه فانتهٰی فله ماسلف وامره الی الله ومن عاد فاولئك اصحب النار هم فیها خلدون– یمحق الله الربوا ویربی الصدقات والله لایحب کل کفار اثیم– ان الذین آمنوا وعملوا الصّلحٰت واقاموا الصلوة واتوا الزکوة لهم اجرهم عند ربهم ولاخوف علیهم ولاهم یحزنون– یایها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین– فان لم

تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله وان تبتم فلكم رؤس اموالکم لا تظلمون ولاتظلمون –"

(بقرہ: ۲۷۵تا۲۷۹)

ترجمہ :"جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیئے ہوں جن نے لپٹ کر، یہ حالت ان کی اس واسطے ہو گی کہ انہوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا، حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو، پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آگیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا، اور معاملہ اس کا اللہ کے حوالہ ہے، اور جو کوئی پھر سود لیوے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو، اور اللہ خوش نہیں کسی ناشکر گناہگار سے، جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور قائم رکھا نماز کو اور دیتے رہے زکوۃ، ان کیلئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے پاس، اور نہ ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے، اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر تم کو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا، پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے، اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا، نہ تم کسی پر

ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر۔" (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

ان آیات میں مختلف انداز سے سود کی حرمت، نجاست اور قباحت وشناعت کو بیان فرمایا گیا ہے، سود کے دنیاوی نقصانات کے علاوہ اخروی تباہ کاریوں کو بھی واضح فرمایا گیا ہے، اور یہ بتلایا گیا ہے کہ جو شخص سود جیسی لعنت کو نہیں چھوڑتا اس کے خلاف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے کھلا اعلان جنگ ہے۔

اس لئے سود اور سودی بکاری معاشی نظام کیلئے نہایت مہلک اور تباہ کن ہے، مگر شومئی قسمت کہ ہمارے ارباب اقتدار یہود و نصاریٰ کی تقلید میں اس قدر آگے جا چکے ہیں کہ ان کی ہی آنکھ سے دیکھتے، اور ان کے دماغ سے سوچتے ہیں، وہ جو کچھ کہتے ہیں یہ اس پر فوراً سر تسلیم خم کرتے ہیں، حتیٰ کہ انکی دیکھا دیکھی ہر جائز وناجائز کو اپنے لئے ذریعہ فوز و فلاح اور کلید سعادت سمجھتے ہیں۔

قیام پاکستان سے لے کر آج تک مملکت خداداد پاکستان میں انگریز کا جاری کردہ سودی نظام رائج تھا، متعدد بار علما کی کوششوں کے باوجود برسر اقتدار طبقہ اسے چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوا، اسلامی نظریاتی کونسل نے سود اور اس کی تباہ کاریوں کی نشاندہی کی تو اسے بھی خاطر میں نہیں لایا گیا۔ ۱۹۹۱ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کی روشنی میں وفاقی شرعی عدالت نے سود کو غیر اسلامی قرار دیا اور اپنے فیصلہ میں لکھا کہ سودی نظام کو فوراً ختم کیا جائے۔ اس لئے کہ یہ غیر اسلامی، ناجائز اور حرام ہے اور اللہ تعالیٰ سے کھلی بغاوت اور اعلان جنگ ہے، لیکن اس وقت کے وزیر اعظم جناب میاں نواز شریف اور پاکستانی بینکوں نے اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی اور یہ کوشش کی کہ وفاقی شرعی

عدالت کا یہ فیصلہ تبدیل کیا جائے- میاں صاحب کو قرآن وسنت کی واضح خلاف ورزی اور اللہ تعالیٰ سے کھلی جنگ اور بغاوت سے بہت روکا گیا- چنانچہ ان صفحات میں بھی متعدد بار ان سے یہ اپیل واپس لینے کو کہا گیا، مگر شاید اس کے مقدر میں یہ سعادت نہیں تھی، اور وہ مکافات عمل اور اپنے کیئے کی پاداش میں ۱۲ر اکتوبر ۱۹۹۹ء کو بیک بینی ودو گوش نہ صرف اقتدار سے الگ کر دیئے گئے بلکہ اپنے کردار و عمل کے نتیجہ میں پابند سلاسل بھی ہیں-

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے سپریم کورٹ کے معزز اراکین اور مقتدر جج حضرات کو جنہوں نے نہایت عرق ریزی سے یہ محقق ومدلل فیصلہ دے کر مسلمانان پاکستان کو سود جیسی لعنت سے نجات دلائی، اور اپنے فیصلہ میں حکم دیا کہ ۸ر مارچ ۲۰۰۱ء تک بلاسودی اقتصادی نظام متعارف کرایا جائے-

انشاء اللہ اس فیصلہ سے ملک میں سود سے پاک معیشت کے قیام کی راہ ہموار ہو گی- جناب جسٹس خلیل الرحمٰن، جناب جسٹس منیر اے شیخ، جناب جسٹس وجیہہ الدین احمد اور جناب جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب پر مشتمل سپریم کورٹ کے اپیلٹ بنچ نے ملک کی ۵۲ سالہ تاریخ میں یہ پہلا طویل ترین اور نہایت دوررس نتائج کا حامل فیصلہ دیا ہے جس میں جناب نواز شریف صاحب اور بنکوں کی اپیلوں کو خارج قرار دیتے ہوئے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کو برقرار رکھا گیا ہے-

موجودہ فوجی حکومت کو چاہئے کہ عدالت کی ۲۰۰۱ء کی دی ہوئی تاریخ سے پہلے ہی اس فیصلہ کو نافذ کر کے جلد از جلد قوم کو اس لعنت سے نجات دلائے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد کی مستحق بنے- اس فیصلہ کی رو سے انشاء اللہ ملک جہاں

اندرونی طور پر سود کی لعنت سے محفوظ اور مضبوط معاشی نظام سے سرفراز ہو گا وہاں اسے بیرونی سودی قرضوں سے بھی یکسر نجات مل جائے گی۔ اس فیصلہ پر ہم پوری قوم کی طرف سے سپریم کورٹ کے معزز اراکین کو مبارکباد پیش کرتے ہیں، اور چیف ایگزیکٹو سے سفارش کرتے ہیں کہ اس فیصلہ کو سراہتے ہوئے فوراً اس کو نافذ کیا جائے۔

عدل وانصاف کا خون

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

آج سے تقریباً ڈیڑھ دو سال قبل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم جناب حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اور استاذ حدیث حضرت مولانا عبد السمیع اور ڈرائیور محمد طاہر کو جامعہ علوم اسلامیہ کے قریب فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا- سفاک قاتلوں کے خلاف پورا شہر بلکہ پورا ملک سراپا احتجاج بن گیا، انتظامیہ نے حسب دستور پیشہ وارانہ چستی دکھائی اور قاتل گرفتار ہو گئے، چشم دید گواہوں نے انہیں شناختی پریڈ میں شناخت کیا، اور انسداد دہشت گردی کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور بالآخر اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ "انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت نے اس گھناؤنے جرم کے مجرم ملزمان کو موت کی سزا کا مستحق قرار دے دیا ہے-" یہ فیصلہ اپنی جگہ نہایت معقول اور قرین قیاس تھا، اس سے مظلوموں کی اشک شوئی اور ظالموں او رمجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں خاصی مدد ملنے کی توقعات تھیں، مگر کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس فیصلہ میں عدل وانصاف کے تقاضے کس قدر پورے کئے گئے؟ عدالتی کاروائی میں کہاں تک امانت ودیانت کا پاس کیا گیا؟ صحیح معنی میں اس

کا اندازہ اس وقت ہوا جب چند دن بعد مجرموں نے ہائی کورٹ میں سزائے موت کے خلاف اپیل دائر اس وقت یہ عقدہ کھلا کہ پاکستان میں مظلوموں کی مدد کی بجائے ظالموں کی سرپرستی کی جاتی ہے- یہاں عدالتیں انصاف کی نہیں ظلم کی تربیت گاہ ہیں، یہاں ظلم سستا اور انصاف مہنگا ہے، ان جگہوں میں انسانیت و شرافت کا قتل ہوتا ہے، عدل وانصاف کی کرسی پر بیٹھنے والے یہ مہذب لٹیرے قانون اور دستور کی دھجیاں اڑاتے ہیں، انہیں مظلوموں کی اشک شوئی سے زیادہ اپنی تجوریوں کا خیال ہے، انہیں یتیموں اور بیواؤں سے زیادہ قاتلوں کی اولاد سے تعلق خاطر ہے-

چنانچہ ہائی کورٹ نے جب اس فیصلہ کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ نام نہاد فاضل جج نے بھرپور انداز میں ملزموں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی ہے- جس کی بنا پر یہ فیصلہ غیر مؤثر ہے اور اس کو کسی طرح برقرار نہیں رکھا جا سکتا جیسا کہ روزنامہ جنگ کراچی میں ہے:

"کراچی (اسٹاف رپورٹر) سندھ ہائیکورٹ کے مسٹر جسٹس عبدالحمید ڈوگر اور مسٹر جسٹس غلام نبی سومرو پر مشتمل ڈویژن بنچ نے بنوری ٹاؤن کے ناظم اعلیٰ اور ممتاز عالم دین ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، مفتی عبدالسمیع اور مولانا محمد طاہر کو قتل کرنے کے الزام میں سزائے موت کا حکم پانے والے سلیم حسین جعفری اور تنویر عباس رضوی کی اپیل منظور کرلی اور ان کی سزائیں کالعدم قرار دیدیں- فاضل عدالت

نے ملزمان کے خلاف کسی اور عدالت میں مقدمہ چلانے کا حکم دیا ہے- فاضل عدالت نے اپنے حکم میں کہا ہے کہ انسداد دہشت گردی کی عدالت کے جج حاکم علی عباسی نے سماعت کے دوران سنگین غلطیاں کی ہیں، سزا کو برقرار نہیں رکھا جاسکتا، فاضل جج نے وفاقی حکومت سے سفارش کی ہے کہ مذکورہ جج کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جائے- عدالت عالیہ نے ماتحت عدالت کے جج حاکم علی عباسی کو طلب کیا جج حاکم علی عباسی نے وکلأ کی موجودگی میں تسلیم کیا کہ ان سے مقدمہ کی سماعت کے دوران غلطیاں ہوئی ہیں- فاضل جج نے کہا کہ انہیں ٹیلی فون پر دھمکیاں مل رہی تھیں اور ان پر سخت دباؤ تھا جس کی وجہ سے غلطیاں سرزد ہوئیں-

جمعرات کو جب اپیل کی سماعت شروع ہوئی تو ملزمان کے وکلأ سید ناصر حسین جعفری، سید وقار نقوی نے نشاندہی کی کہ ماتحت عدالت نے مقدمہ کے فیصلے پر کوئی تاریخ درج نہیں کی ہے اور فیصلہ کے ہر صفحہ پر جج کے دستخط نہیں ہیں، ملزمان کے بیانات پر جج کے دستخط نہیں ہیں، فاضل جج نے ملزمان کو سرٹیفکیٹ بھی جاری نہیں کیا کہ ملزمان نے ہوش وحواس میں اپنے بیانات قلمبند کرائے اور بیان اپنی مادری زبان میں سمجھنے کے بعد دیا، اور یہ بھی نہیں

لکھا کہ بیان عدالت کے سامنے ریکارڈ ہوا ہے، مقدمہ کی فائل پر، بیشتر دستاویزات پر نمبر نہیں لگے ہوئے ہیں، وہ بیان جو جج نے اپنے قلم سے لکھے ہیں ان پر بھی ان کے دستخط نہیں ہیں- مفرور ملزم رضا امام نقوی کو اخبارات کے ذریعے اشتہاری ملزم قرار دینے کے لئے جو اشتہار شائع ہوا ہے اس میں مفرور ملزم کا نام نہیں ہے، اس طرح ملزم کو اشتہاری قرار دینے کی کارروائی بھی بے اثر ہو گئی-"

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۲ مارچ ۱۹۹۹ء)

"فاضل جج" کا یہ کہنا کہ مجھ پر دباؤ تھا اور میں نے فیصلہ کرنے میں غلطیاں کی ہیں، اس لئے غلط ہے کہ اگر ان کے لئے فیصلہ کرنا ناممکن تھا تو فیصلہ سے انکار کر دیا جاتا، پھر اگر کوئی دباؤ تھا تو اس دباؤ کا پورا پورا فائدہ ملزمان ہی کو کیوں پہنچایا گیا؟ یعنی اس پورے فیصلہ میں کوئی تو ایسی شق بھی ہوتی جس سے مظلوموں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہوتا-

یہی وجہ ہے کہ عدالت عالیہ نے بھی جج کے اس عذر لنگ کو قبول نہیں کیا بلکہ اسے دانستہ اور سنگین غلطی قرار دیا ہے اور اس جج کے خلاف تادیبی کارروائی کا مطالبہ کیا ہے اور مقدمہ از سر نو انسداد دہشت گردی کی عدالت میں سماعت کے لئے بھیج دیا گیا ہے-

انسداد دہشت گردی کے نام نہاد جج کی اس جانبداری کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے- عدل وانصاف کے اس مقدس شعبہ سے منسلک ایسی کالی

بھیڑوں کے طرز عمل سے ظلم وبربریت کو رواج ملتا ہے اور قتل وغارت گری، مار دھاڑ کی آبیاری ہوتی ہے، معاشرہ میں انارکی پھیلتی ہے، اور ملک وملت کی بین الاقوامی سطح پر بدنامی ہوتی ہے، حکومت اور انتظامیہ کو اس کا سنجیدگی سے نوٹس لینا چاہئے- اور اس فیصلہ کے اسباب وعوامل اور محرکات کا سراغ لگانا چاہئے-

ملکی اخبارات میں اس فیصلہ کے کالعدم ہونے کی خبریں شائع ہوئیں تو مسلمانوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی، فوراً جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں کراچی کے مقتدر علما اور دینی جماعتوں کا نمائندہ اجلاس طلب کیا گیا، اس ظالمانہ اور جانبدارانہ کارروائی اور ظلم کے خلاف بھرپور احتجاج کیا گیا، آئندہ کے لیے لائحہ عمل پر غور کیا گیا اور کیس کا مفصل جائزہ لینے کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کے ذمہ لگایا گیا کہ وہ گورنر سندھ، چیف سیکریٹری اور ہوم سیکریٹری سے ملاقات کر کے انہیں طلبہ، علماً اور ملک بھر کے مسلمانوں کے رد عمل سے آگاہ کرے-

اور طے کیا گیا کہ اگر حکومت اور عدلیہ نے ہمارے ساتھ تعاون نہ کیا تو ہم راست اقدام کا حق محفوظ رکھتے ہیں چنانچہ اس اجلاس کے بعد فوری طور پر اخبارات کو جو خبر جاری کی گئی یہ ہے :

> ”کراچی (پ ر) سواد اعظم اہل سنت پاکستان کے سیکریٹری جنرل مولانا محمد اسفندیار خان کی صدارت میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں کراچی کے مقتدر علماً اور مذہبی جماعتوں کا ایک نمائندہ اجلاس ہوا، جس میں سانحۂ

بنوری ٹاؤن کیس کے ملزمان کی سزائے موت کالعدم قرار دینے سے پیدا ہونے والی صورت حال پر تشویش کا اظہار کیا گیا- اجلاس میں کیس کا مفصل جائزہ لینے کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو گورنر سندھ، چیف سیکریٹری اور ہوم سیکریٹری سے ملاقات کر کے انہیں علماء، عوام اور طلبہ کے رد عمل سے آگاہ کرے گی- اس موقع پر حکومت کو متنبہ کیا گیا کہ سانحۂ بنوری ٹاؤن کیس میں کسی قسم کا دباؤ قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر اس سلسلے مین کوئی شبہ پیدا ہوا تو اس کے خلاف احتجاج کیا جائے گا، اجلاس میں کراچی کے حالات کے پیش نظر عوام کو پرامن رہنے کی تلقین کی گئی اور ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ سانحۂ بنوری ٹاؤن کیس کو انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت میں کسی باکردار جج کے پاس بھیجا جائے-

اجلاس میں مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا سید سلیمان بنوری، مولانا زرولی خان، مولانا انور بدخشانی، مولانا عبد الکریم عابد، مولانا عبد الغفور ندیم، قاری محمد عثمان، مولانا فیض اللہ آزاد، مولانا فیض محمد فیض نقشبندی، قاری عبد المنان، مولانا محمد منصور الرحمٰن خان، مولانا معاویہ، مولانا مشتاق احمد، مولانا عاصم زکی، مولانا

قاسم عبد اللہ، مولانا ثناء اللہ، مولانا قاضی عبید اللہ احرار، مولانا فضل محمد، مولانا مفتی انعام الحق، مولانا عادل، مولانا طلحہ رحمانی، مولانا عنایت اللہ، قاری اقبال، مولانا زکریا، مولانا غلام مصطفےٰ فاروقی، مولانا امان اللہ طاہر ملک، مولانا عبد الرزاق، مولانا شبیر احمد، مولانا مشتاق، مولانا محمد ہمایوں اور مولانا امجد خان نے شرکت کی"۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۵/ مارچ ۱۹۹۹ء)

اس اجلاس کے بعد حسب پروگرام علمأ کمیٹی نے ہوم سیکریٹری اور متعلقہ حکام سے ملاقات کی اوراس مقدمہ کے سلسلہ میں اپنے خدشات کا اظہار کیا اور اس کھلی جانبداری پر بھرپور احتجاج کیا اور اس کو علما کے خلاف ایک کھلی سازش قرار دیا، توانہوں نے یقین دہانی کرائی کہ ہم ہر حال میں آپ کو انصاف مہیا کریں گے، اور ظالم انشاء اللہ کیفر کردار کو پہنچیں گے، اور مقدمہ پھر سے نئ قائم ہونے والی انسداد دہشت گردی کی عدالت میں چلایا جائے گا، اس بات کو تین ماہ ہونے والے ہیں مگر تاحال اس سلسلہ میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی جس سے علمأ، طلبہ اور عوام اور دینی حلقوں میں روز بروز تشویش میں اضافہ ہورہا ہے۔ خصوصاً اب جب کہ ۱۱/ مئی ۱۹۹۹ء سے کراچی میں انسداد دہشت گردی کی چھ عدالتوں نے کام شروع کردیا ہے اور ابتدائی طور پر ان میں تین تین مقدمات بھی بھیجے جاچکے ہیں اور ملزمان کو پیش کرنے کے لئے انتظامیہ کو ہدایت بھی دے دی گئی ہے، مگر ان مقدمات میں مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ شہید اور اساتذہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے

کیس کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں (ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ کراچی ۱۲؍ مئی ۱۹۹۹ء)

اس سے مسلمانان پاکستان، خصوصاً علماً اور شہداً کے وارثوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے، اس بسلسلہ میں انتظامیہ خصوصاً ہوم سیکریٹری، چیف سیکریٹری اور گورنر سندھ اور صدر پاکستان کو ذاتی دلچسپی لے کر اس قضیہ کو حل کرنا چاہئے، تاکہ ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جا سکے۔

اگر انتظامیہ اور حکومت نے اس سلسلہ میں سرد مہری یا مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کیا تو اس کے نتائج انتظامیہ، عدلیہ اور قوم وملک کے حق میں نہایت خطرناک ہوں گے۔ کائنات کا نظام ہی عدل وانصاف سے وابستہ ہے، نظام عالم کے لئے عدل وانصاف سے بڑھ کر اور کوئی چیز ضروری نہیں اور تجربہ شاہد ہے کہ ملوک وسلاطین کا ظلم ہی سب سے پہلے اس عالم کی تباہی وبربادی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اہل دانش کا قول ہے کہ کفر کے ساتھ تو حکومت چل سکتی ہے مگر ظلم واستبداد کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اس لئے حکمرانوں اور عدلیہ کو اپنے اور قوم کے حال پر ترس کھانا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے ظلم واستبداد کا عذاب ووبال پوری قوم کو بھگتنا پڑے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه أجمعين

(بینات صفر ۱۴۲۰ھ)

بجٹ اور اسلامی نظریہ

کسی ملک کا بجٹ صرف حکومت کی سالانہ آمد و خرچ کے تخمینے کا نام نہیں!
بلکہ وہ قوم کے فکر کی سوچ کا اندازہ اور اس کی ترقی یا زوال کی نشاندہی بھی کرتا ہے اور اس کے آئندہ لائحہ عمل کی سمت بھی متعین کرتا ہے۔ اسلام اور پاکستان دونوں لازم و ملزوم ہیں اور اسلامی قدروں کے تنزل کے ساتھ پاکستان کی ترقی کا خواب کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے جو چیز سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے بجٹ میں اسلامی قدروں کو کہاں تک ملحوظ رکھا؟ اسلام نے عوام کی فلاح و بہبود کی جو عظیم ذمہ داری حکومت پر ڈالی ہے اس کو کس حد تک پیش نظر رکھا گیا ہے، عام آدمی کی بہتری و خوش حالی کے لئے کیا پروگرام بنایا گیا ہے؟ صنعتی وزراعتی پیداوار میں اضافہ کے لئے کیا اقدامات تجویز کئے گئے؟ دولت کی منصفانہ تقسیم اور سرمائے کی مفید گردش کے لئے کیا طریقہ کار سوچا گیا؟

اسلام ریاست اور عوام دونوں پر یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ ان کی آمدنی کا ایک ایک پیسہ جائز اور حلال ذریعہ سے حاصل ہونا چاہئے اور پھر اسے خدا کی امانت سمجھ کر نہایت احتیاط اور ایمانداری سے ضرورت کے موقعوں پر ضرورت کے مطابق خرچ کیا جائے، افسوس ہے سابقہ ادوار میں اسلام کی اس ہدایت کو بالکل نظر انداز کیا جاتا رہا، چنانچہ آمدنی کے لئے حلال اور جائز ذریعوں پر انحصار نہیں کیا گیا، بلکہ ذرائع آمدنی کی فہرست میں ان چیزوں کو بھی شامل کیا گیا جو اسلام کی نظر میں حرام ہیں، اور پھر حلال و حرام، جائز و ناجائز کی جو رقم قومی خزانے میں جمع ہوئی اسے غیر مفید مدوں

میں اس طرح اڑایا گیا گویا وہ قومی امانت نہیں بلکہ لوٹ کا مال تھا، کچھ سرکاری افسروں کی عیاشی کی نذر ہوا، کچھ سرکاری دفتروں کی آرائش پر اڑایا گیا، کچھ سرکاری تقریبات کی شاہ خرچیوں پر لگادیا گیا، کچھ ثقافتی طائفوں کے سفر خرچ پر اٹھا دیا گیا، کچھ بالکل بے معنی اور بے مقصد چیزوں میں برباد ہوا، اور جب قومی خزانہ خالی ہوتا نظر آیا تو ہر سال ٹیکسوں میں اضافہ کیا جاتا رہا، اس سے مہنگائی بڑھتی گئی، عوام ٹیکس اور گرانی کے دو پاٹوں کے بیچ میں پس کر رہ گئے، مگر سرکاری شہزادوں کی شاہ خرچیوں میں کمی نہیں آئی بلکہ ان کے اخراجات دن بدن بڑھتے ہی چلے گئے، ان کی تنخواہوں میں اضافہ ہوتا گیا، اسے پورا کرنے کے لئے نئے نئے ٹیکس لگائے جاتے رہے، اس کا نتیجہ آج ہم سب کے سامنے ہے۔

ہم مارشل لاء حکومت سے سفارش کریں گے کہ نئے بجٹ میں اسلامی تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ اول تو آمدنی کے ان تمام ذرائع کو خارج کرنے پر مجبور کیا جائے جو اسلام کی نظر میں ناجائز اور حرام ہیں، اس سے حکومت کی آمدنی میں کچھ کمی ضرور ہوگی مگر جو روپیہ جمع ہوگا وہ ناجائز سرمایہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ پاک اور جائز ہونے کی وجہ سے برکت کا موجب ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ قومی خزانے کی رقوم کو نہایت اہم اور ناگزیر ضرورت کے موقع پر صرف کیا جائے۔ سرکاری افسروں کی فضول خرچی، دفتروں میں آرائش، اور دیگر تمام غیر ضروری اخراجات کو ختم کیا جائے، اسلام کی سادگی اور کفایت شعاری کی تعلیم کا سرکاری افسروں کو عادی بنایا جائے کہ وہ اپنا معیار زندگی ذرا کم اور سادہ بنا کر دوسروں کے لئے مثالی نمونہ پیش کریں الغرض تمام غیر ترقیاتی اخراجات کو کم سے کم کرنے کی کوشش کی جائے۔

عوام کی فلاح و بہبود کی جو ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے اسے پورا کرنے پر خاص توجہ دی جائے، عام آدمی میں اب مزید ٹیکسوں کا بوجھ برداشت کرنے کی سکت بالکل نہیں رہی، انھیں مزید ٹیکسوں سے بچایا جائے، سامان تعیش، ائیرکنڈیشنر، کاریں، وی سی آر وغیرہ کی درآمد پر پابندی لگائی جائے، رہن سہن میں سادہ اسلامی طریقہ اختیار کیا جائے۔

افراط زر اور گرانی پر قابو پانے کے لئے زرعی و صنعتی پیداوار میں اضافہ ضروری ہے، ہماری لاکھوں ایکڑ زمین سیم اور تھور کی وجہ سے ناکارہ ہوچکی ہے، اسے دوبارہ قابل کاشت بنانا ہمارا قومی فرض ہے۔

ہمارا معیشت و ترقی کا زیادہ انحصار غیرملکی سودی قرضوں پر رہا ہے، اس کا سلسلہ آہستہ آہستہ ختم کیا جائے۔ ہمیں سچ مچ ایک خوددار قوم کی حیثیت سے ترقی کرنی ہے تو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور اپنے وسائل پر انحصار کرنے کا چلن سیکھنا ہوگا اس کے لئے اسلام کی اخلاقی تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنسی اور فنی تعلیم پر مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اندرون ملک حکومت جو سودی قرضے جاری کرتی ہے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بھی مناسب نہیں ہے، قومی بجٹ کی تیاری میں جہاں حکومت دیگر ماہرین کی خدمات حاصل کرتی ہے اور ان کے مشوروں اور تجاویز پر غور کرتی ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی قانون کے ماہرین سے مشورہ کیا جائے، تاکہ حکومت کا کوئی اقدام اسلامی تقاضوں کے منافی نہ ہو۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۳رجون ۱۹۷۸ء)

مسلمان ملک کا قادیانی وزیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قائداعظم محمد علی جناح کے وقت سے قادیانی اس مملکت پر مسلط ہیں چنانچہ قادیانی وزیرخارجہ خود قائداعظم نے مقرر کیا تھا۔ (یا صحیح لفظوں میں بڑی طاقتوں نے مقرر کروایا تھا) بعد میں قادیانیوں کے خلاف تحریک چلی، دس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اور بیس سال کے لئے تحریک دب گئی لیکن وہ چنگاری دلوں میں سلگتی رہی یہاں تک کہ ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا، مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ہرچند کوشش کی کہ ان کو اقلیت قرار نہ دیا جائے مگر یہ نوشتۂ تقدیر تھا جو پورا ہو کر رہا۔ اس وقت سے قادیانی غیر مسلم ہیں لیکن تمام مراعات ان کو مسلمانوں سے بڑھ کر حاصل ہیں، اس کے باوجود قادیانیوں کو شکایت ہے کہ ہمارے حقوق ادا نہیں کئے جا رہے ہیں اور ہمارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ چنانچہ آئین اور قانون کے مطابق انہوں نے اپنے فرقہ کو ایک اقلیتی فرقہ تسلیم نہیں کیا جس کا تازہ ترین ثبوت درج ذیل خبر ہے :

"احمدیوں نے الیکشن سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا"

" ربوہ (پی پی اے) ملک خالد مسعود ناظر امور عامہ صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے الیکشن ۱۹۹۷ء سے لاتعلقی کا اعلان جاری کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ چیف الیکشن کمشنر کو مطلع کیا جا چکا ہے کہ قومی و صوبائی اسمبلیوں کی احمدیوں کے لئے مخصوص نشست پر انتخاب میں حصہ لینا احمدی اپنے اعتقاد اور ضمیر کے خلاف سمجھتے ہیں اس لئے انتخابی فہرستوں میں احمدیوں نے اپنے ووٹ درج نہیں کروائے اگر کسی کا نام درج ہوا تو اس کی اطلاع و رضامندی کے بغیر ہوا ہے ایسے ووٹوں کو

منسوخ کیا جانا چاہئے ان حالات میں جو کوئی بطور احمدی انتخابات میں حصہ لیتا ہے اسے جماعت احمدیہ نمائندہ تسلیم نہیں کرتی۔ (روزنامہ جنگ ۲۸ دسمبر ۱۹۹۶ء)۔

نگراں حکومت سندھ نے ایک معروف قادیانی کو ہم پر وزیر مقرر کیا ہے یہ صاحب پہلے ڈپٹی کمشنر رہ چکے ہیں پھر ان کی ترقی ہوئی تو ان کو چیف سیکریٹری سندھ مقرر کیا گیا اور مسلمانوں کے شدید احتجاج پر ان کو سیکریٹری کے عہدہ سے ہٹایا گیا اور جب حکومت معزول ہوئی تو اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ وزیر باتدبیر منظر عام پر آ گئے۔ صدر لغاری وعدہ کر چکے ہیں کہ ان کو ہٹا دیں گے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن طاقتوں نے قائداعظم سے ظفر اللہ خاں کو وزیر بنوایا تھا وہی طاقتیں اب پاکستان کو ختم کرنے کے لئے اس نگراں حکومت کو استعمال کر رہی ہیں ۔ ان کو سیاست اور اقتدار سے کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ ان کی اصل دلچسپی یہ ہے کہ پاکستان یا تو رہے نہیں اور اگر رہے تو ان کا دم چھلہ بن کر۔ ہم صدر لغاری اور ان کے اعوان و انصار کی خدمت میں گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ اگر پاکستان کو رکھنا منظور ہے تو کنور ادریس کو فوراً ہٹا دیا جائے ورنہ پاکستان کے توڑنے والوں میں آپ حضرات کا نام بھی آئے گا۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیرٍ خلقہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ واصحابہ اجمعین۔

لائق تحسین اقدام

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی:

"لاہور این این آئی، صوبائی وزیر مال چوہدری شوکت داؤد نے کہا ہے کہ ۱۲/دسمبر ۱۹۹۸ کو جاری کئے گئے ایک نوٹیفکیشن کے تحت ربوہ کا نام تبدیل کر کے نواں قادیاں رکھا گیا تھا، مختلف فقہ کے علماکرام کے پرزور اصرار پر نوٹیفکیشن مورخہ ۴/فروری ۱۹۹۹ء کے تحت نواں قادیاں کا نام بھی تبدیل کر کے "چناب نگر" رکھ دیا گیا ہے، کمشنر فیصل آباد ڈویژن نے علاوہ تمام متعلقہ سرکاری محکموں میں بذریعہ فیکس یہ اطلاع کردی گئی ہے تاکہ ریکارڈ درست رہے۔"

(روزنامہ خبریں ۹ فروری ۱۹۹۹ء)

پنجاب حکومت اور انتظامیہ نے سرکاری طور پر ربوہ کا نام تبدیل کر کے نہایت لائق تحسین اور قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ مسلمانوں کا شروع سے یہ مطالبہ تھا کہ غلام احمد قادیانی کی ذریت کو اسلامی شعائر اور اسلامی اصطلاحات کے

استعمال سے روکا جائے اور انہیں مسلمانوں کی دل آزاری سے باز رکھا جائے۔ مگر مسلمانوں کے اس مطالبہ پر توجہ نہیں دی گئی۔ حکومت پنجاب نے اس جرأت مندانہ اقدام سے مسلمانوں کا ایک دیرینہ مطالبہ پورا کیا ہے جس پر وہ بجا طور پر مبارک باد کی مستحق ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت کا خمیر، اور ان کے عناصر کی ترکیب اس انداز کی ہے کہ وہ اپنے ہر قول و عمل سے امت مسلمہ کو ایذا پہنچانا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ مرزا قادیانی نے اسی منطق کے پیش نظر اپنے تمام دعوؤں یعنی مجدد، مہدی، مسیح اور نبی وغیرہ ہر مرحلہ پر مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے اور انہیں مشتعل کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے، اپنے مرکز قادیان کو نعوذباللہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے افضل قرار دیا اور وہاں کے قادیانی عبادت خانہ کو خاکم بدہن مسجد اقصیٰ اور بیت اللہ سے افضل باور کرانے کی ناپاک کوشش کی، اور قادیانی قبرستان کو نعوذباللہ بہشتی مقبرہ کا نام دیا اور اسے جنت البقیع سے افضل قرار دیا۔

مثل مشہور ہے کہ سکھ کام کر کے سوچتا ہے اور مسلمان قبل از وقت مشورہ اور غور و فکر کرتا ہے، مرزا غلام احمد قادیانی چونکہ سکھوں کے شہر میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے، جوان ہوئے اور انہیں سے متاثر تھے، اس لئے مزاجاً وہ سکھوں کی طرح کسی کام کو کرنے کے بعد اس کے عواقب و نتائج کو سوچتے، چنانچہ اس نے جو دعویٰ بھی کیا وہ اس کے گلے میں اٹک گیا، اپنی غلطی معلوم ہونے پر شرمندگی اور خفت سے دوچار ہوتے، ہدایت مقدر میں ہوتی

تو توبہ کر لیتے مگر بے حیائی اور ڈھٹائی طرۂ امتیاز تھا اس لئے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے اسے سو سو تاویلیں کرنا پڑیں- یہ بھی امت مسلمہ پر اللہ کا احسان ہے کہ جھوٹے نبی کا جھوٹ آشکارا کرنے کے لئے مسلمانوں کو کسی محنت کا سامنا نہیں ہوا اور پنجابی نبی خود اپنے ہاتھوں رسوا ہوا- ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

۱:------مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو اسے یاد دلایا گیا کہ جناب! آسمان سے نازل ہونے والا مسیح تو بن باپ کے ہوگا جب کہ آپ تو غلام مرتضٰی کی صلب ناہموار کی پیداوار ہیں، ان کی ماں کا نام حضرت مریم ہوگا اور خیر سے آپ چراغ بی بی عرف گھسیٹی کے پیٹ سے برآمد ہوئے ہیں؟ مرزاجی اس پر ذرا بھر پریشان نہیں ہوئے بلکہ نہایت ڈھٹائی سے اپنے آپ کو مریم باور کیا، اپنے حمل کا اعلان کیا اور دس ماہ تک اپنے تئیں حمل کی تکالیف سے دوچار رکھا- یوں نہایت صفائی سے خود ہی مریم سے مسیح ابن مریم بن گئے-

۲:------اسی طرح جب یہ بتلایا گیا کہ مسیح ابن مریم تو جامع مسجد دمشق کے منارہ پر نازل ہوں گے اور چشم بددور آپ تو سکھا شاہی کے مرکز ضلع گورداس پور کی بدبودار گلیوں کے آوارہ ماحول کا نتیجہ ہیں، تو مرزاجی نے دعویٰ مسیحیت کے بعد منارۃ المسیح کی تعمیر کر کے اپنی اس خفت کو مٹانے کی کوشش کی-

۳:------تقسیم ہند کے بعد جب قادیانی ذریت پاکستان آئی تو دریائے چناب کے کنارہ چنیوٹ سے متصل ایک بستی کو اپنا مرکز بنایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے مقام رہائش سے متعلق ارشاد الٰہی :

وآوینهما الی ربوة ذات قرار ومعین — (المومنون: ۵۰)

ترجمہ: "اوران کو ٹھکانہ دیاایک ٹیلہ پر جہاں ٹھرنے کا موقع اور پانی تھا نتھرا"۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

سے سرقہ کر کے نعوذباللہ قادیانی بستی کا نام ربوہ رکھ لیا، جوبلاشبہ نہایت بے شرمی اور ڈھٹائی تھی۔ مسلمانوں نے اس نام پر اس وقت بھی احتجاج کیا اور اس کی تبدیلی کا مطالبہ کیا مگر شنوائی نہیں ہوئی۔ یہاں بھی قادیانی امت نے نام رکھنے میں حسب معمول اپنی جہالت اور مسلمانوں کی ایذارسانی کا مظاہرہ کیا کیونکہ قرآن کریم میں جس جگہ کو "ربوہ" قرار دیا گیا ہے اس سے مرادیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے یا پھر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لڑکپن کے دور کے ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے:

"شاید یہ وہی ٹیلہ یا اونچی زمین ہو جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں چنانچہ سورہ مریم کی آیات "فناداها من تحتها ان لاتحزنی قد جعل ربك تحتك سريا وهزی اليك بجزع النخلة تساقط عليك رطبا جنيا" دلالت کرتی ہیں کہ وہ جگہ بلند تھی، نیچے چشمہ یا نہر بہہ رہی تھی، اور کھجور کا درخت نزدیک تھا (كذافسره ابن كثيررحمه الله) لیکن عموماً مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح کے بچپن کا واقعہ

ہے، ایک ظالم بادشاہ ہیر دوس نامی نجومیوں سے سن کر کہ حضرت عیسیٰ کو سرداری ملے گی، لڑکپن ہی میں ان کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم الہام ربانی سے ان کو لے کر مصر چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام واپس چلی آئیں۔ چنانچہ انجیل "متی" میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رود نیل کے ہے، ورنہ غرق ہو جاتا اور "ماء معین" رود نیل ہے۔

بعض نے "ربوۃ" (اونچی جگہ) سے مراد شام یا فلسطین لیا ہے، اور کچھ بعید نہیں کہ جس ٹیلہ پر ولادت کے وقت موجود تھیں وہیں اس خطرہ کے وقت بھی پناہ دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

بہر حال اہل اسلام میں کسی نے "ربوہ" سے مراد کشمیر نہیں لیا نہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کشمیر میں بتلائی۔ البتہ ہمارے زمانہ کے بعض زائغین نے "ربوۃ" سے کشمیر مراد لیا ہے اور وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتلائی ہے، جس کا کوئی ثبوت تاریخی حیثیت سے نہیں، محض کذب و دروغ بافی ہے، محلہ "خان یار" شہر سری نگر میں جو قبر "یوز آسف" کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت تاریخ اعظمی کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ "لوگ اس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا

اور دوسرے ملک سے یہاں آیا تھا" اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بنانا پرلے درجے کی بے حیائی اور سفاہت ہے۔ ایسی انکل پچو قیاس آرائیوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو باطل ٹھہرانا بجز خبط اور جنون کے کچھ نہیں۔ اگر اس قبر کی تحقیق مطلوب ہو اور یہ کہ "یوز آسف" کون تھا تو جناب منشی حبیب اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ دیکھو جو خاص اسی موضوع پر نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھا گیا ہے، اور جس میں اس مہمل خیال کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں "فجزاہ اللہ تعالی عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء"۔

قادیانی جہالت وڈھٹائی اور دجل کا اندازہ لگایئے کہ انہوں نے حسب معمول پہلے قادیانی نبی کو قادیان میں دفن کیا اور بعد میں چناب کے کنارے پر ربوہ دریافت کیا۔

اس اعتبار سے اس دجل وتلبیس کے پس منظر میں جھانک کر دیکھا جائے تو قادیانی امت کا مسلمانوں کی دل آزاری کے سوا دوسرا کوئی مقصد نہیں، ورنہ اصولاً اگر ان کو "مرزائی مریم زوجہ غلام مرتضٰی" کے لئے کسی ربوہ کی ضرورت تھی تو وہ قادیان کے ارد گرد اس کی زندگی میں تلاش کر لیتے مگر افسوس کہ اس وقت ان کو خیال نہیں آیا، بہر حال مقام شکر ہے کہ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(بینات کراچی ذی القعدہ ۱۴۱۵ھ)

تحریک پاکستان میں
علمائے دیوبند کا کردار
اور
قائداعظم کی مسلم لیگ کے بارے میں حضرت تھانویؒ کے تاثرات!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ' اما بعد :

تقسیم کے وقت مسلم اکثریتی صوبوں کو الگ کرنے کی جو تجویز "مطالبہ پاکستان" کے نام سے مسلم لیگ نے شروع کی تھی اس میں علما دیوبند کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک جماعت مطالبہ پاکستان کی حامی تھی اور اسی کو مسلمانان ہند کی فلاح و بہبود کی کلید سمجھتی تھی' اس کے برعکس دوسرا گروہ ہندوستان کے بٹوارے کو اسلامیان ہند کے لئے نقصان دہ سمجھتا تھا۔ پہلے فریق میں حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ' شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی' مولانا اطہر علی ڈھاکہ' اور دیگر بہت سے اکابر تھے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ :

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جو اپنے دور میں تمام علمائے

دیوبند کے سرتاج تھے، تحریک پاکستان کے زبردست حامی و موید تھے۔ حضرت تھانویؒ کی اس تائید و حمایت پر بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح کو بھی فخر تھا۔ منشی عبدالرحمٰن چھلیک مرحوم لکھتے ہیں:

"حضرت تھانویؒ کے خطوط کی فائل قائد اعظم کے پاس محفوظ تھی، چنانچہ جب مجلس دعوۃ الحق بمبئی کے ارکان قائد اعظم کے پاس بسلسلہ تبلیغ گئے، اور ان سے شکوہ کیا کہ جماعت علما آپ کی تائید میں نہیں، تو قائد اعظم فوراً اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئے، اور ایک فائل لاکر ان کے سامنے کھولی، اور فرمایا آپ پہچانتے ہیں یہ کس کی تحریر ہے؟ انھوں نے فوراً تحریر کو پہچان کر کہا کہ یہ تو حضرت تھانوی کی تحریر ہے" اس پر قائد اعظم نے بڑے جوش سے فرمایا:

"ہاں! یہی شخص اس زمانے میں سب سے بڑا عالم ہے" تم کن کو علما سمجھتے ہو......

مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم وتقدس و تقویٰ اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور تمام علما کا علم وتقدس و تقویٰ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو اس کا پلڑا بھاری ہوگا، وہ مولانا اشرف علی تھانوی ہیں، جو چھوٹے قصبے میں رہتے ہیں، مسلمانوں کو ان کی حمایت کافی ہے، اور کوئی موافقت کرے یا نہ کرے ہمیں پروا نہیں"۔

(تعمیر پاکستان و علما ربانی (معماران پاکستان ص۲۲۶)

حضرت تھانویؒ کی طرف سے تحریک پاکستان کی حمایت مولانا احمد رضا خان

صاحب کی جماعت کو بے حد کھٹکتی تھی اور وہ حضرت حکیم الامت کی حمایت اور علما دیو بند کی شراکت کو مسلم لیگ کے کفر وارتداد کے ہم معنی سمجھتے تھے۔ "الجوابات السنیتہ علی زہاء السوالات اللیگیہ" کے نام سے ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء میں مولانا اولاد رسول محمد میاں صاحب قادری برکاتی مارہری کا ایک فتوی "مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری" کے نام سے شائع ہوا تھا اس میں تحریر فرماتے ہیں :

" اور جب خود لیگی فخر سے کہتے ہیں کہ کیا حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی لیگ کے حامی نہیں"۔

(وحدت ۳۰ جنوری ۱۹۳۹ء)

"اور تو اور اکثر علما دیو بند لیگ میں موجود ہیں۔"

(وحدت ۸ر فروری ۳۹ء)

"اور جب لیگی جلسے میں "حضرت مولانا اشرف علی زندہ باد" کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔"

(الامان ۵ر اپریل ۱۹۳۸ء)

اور جب لیگ کی خاص کمیٹی میں تھانوی کو عملاً یہ امتیاز خصوصی دیا جاتا ہے کہ وہ اس میں بذریعہ نمائندہ شریک ہو"۔

(وحدت ۷، دسمبر ۱۹۳۸ء)

" اور تھانوی پر اہل سنت کے علمائے کرام حرمین مطہرین وعرب وعجم کا یہ متفقہ فتوی ہے کہ "من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر"۔ (جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے)۔ اعلی حضرت اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ نے " الطاری الداری" میں فرمایا مرتدین کی فاتحہ خوانی کفر ہے۔" (صفحہ ۶-۷)

اسی سال ۱۳۵۸ھ میں "الجوابات السنیہ علی زہاء السوالات اللیگیہ" کے نام سے ایک اور فتوی شائع ہوا جس میں مولانا اولاد رسول صاحب مولانا آل مصطفیٰ صاحب، اور مولانا حشمت علی خان صاحب نے مسلم لیگ کے کفروارتداد کے وجوہ میں حضرت تھانویؒ اور دیگر علمائے دیوبند کی شرکت کو بھی شمار فرمایا ہے۔ اسی رسالہ کے آخر میں "فتوائے مبارکہ مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند لاہور" بھی ملحق ہے، جس میں مولانا ابو البرکات صاحب فرماتے ہیں :

> " لیگی لیڈروں کے افعال واقوال سے ان کی گمراہی مہرنیم روز سے زائد روشن ہے۔ مرتد تھانوی کو لیگیوں کی تقریروں میں شیخ الاسلام اور حکیم الامت کہا جاتا ہے۔ "اشرف علی زندہ باد" کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ مسٹر محمد علی جناح کو قائد اعظم، سیاسی پیغمبر، ہندو مسلم اتحاد کا پیغامبر، بتایا جاتا ہے۔ ۱۹۲۰، ۱۹۲۱ء کے خلافتی دور گاندھویت والے اسلام کش اور ایمان سوز ہندو مسلم اتحاد کی یاد میں ترانے گائے جاتے ہیں، مسٹر جناح کو قائد ملت، رہبر اعظم، رہنمائے محترم، مخدومنا، ذات گرامی، "تم سلامت رہو ہزار برس"۔ "مسلم ہے ترا غمخوار جناح، رہبر ہے ترا سردار جناح"۔ وغیرہ کہا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ جو ساڑھے تیرہ سو برس والے اصلی سچے مذہب اہل سنت پر قائم ہیں وہ اس مسلم لیگ کی شراکت و ممبری کیونکر روا رکھ سکتے ہیں"۔

اس فتوی پر "دارالعلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند لاہور" کی مہر اور مولانا

ابو البرکات کے دستخط بایں الفاظ ثبت ہیں :

"حقیر فقیر و راندہ از نفس شریر ابو البرکات سعید احمد غفرلہ۔

ناظم دار العلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند لاہور"۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کی حیثیت ایک سیاستدان کی نہیں، بلکہ ایک مصلح ربانی اور مرشد برحق کی تھی، حضرتؒ چونکہ مسلمانوں کی الگ تنظیم کو مفید سمجھتے تھے اس لئے کانگریس کے بجائے مسلم لیگ کے حامی تھے، آپ جہاں اس کی تائید و حمایت فرماتے تھے، وہاں اپنے منصب اصلاح و ارشاد کے لحاظ سے مسلم لیگ کی خامیوں اور کوتاہیوں کی اصلاح کے لئے کوشاں رہتے تھے، ذیل کے ارشاد سے مسلم لیگ اور کانگریس کے بارے میں حضرت کے نکتہ نظر کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے، ۱۵ ستمبر ۱۹۳۸ء کا ارشاد ہے :

"میں نے جو اعلان شائع کیا ہے اس میں مسلم لیگ کی حمایت کی ہے، مگر صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں جماعتیں قابل اصلاح بلکہ واجب الاصلاح ہیں، ہاں مسلم لیگ نسبتاً کانگریس سے اچھی اور بہت اچھی ہے، لہٰذا اس میں اصلاح اور درستی کی نیت سے شریک ہونا چاہئے۔ میں کانگریس کو اندھے کے مشابہ سمجھتا ہوں اور مسلم لیگ کو کانے کے مشابہ، اور ظاہر ہے کہ اندھے کو کانے پر ترجیح ہوگی، مثلاً اگر کسی کو نوکر رکھنے کی ضرورت ہو اور اتفاقاً دو نوکر ہیں، ایک اندھا، ایک کانا، اب فرمائیے وہ کس کو نوکر رکھے گا؟ اندھے کو یا کانے کو؟ یقیناً کانے ہی کو رکھے گا، بس اسی بنا پر مسلم لیگ کا حامی ہوں"۔ (ملفوظات اسعد الابرار بحوالہ حیات اشرف ص ۲۸۱)

چونکہ حضرتؒ دل سے چاہتے تھے کہ مسلم لیگ صحیح معنوں میں ظاہرا وباطنا اور قلبا وقالبا اسلام کی نمائندگی کرنے والی ہو اس لئے حضرتؒ نے لیگ کی قیادت کو اصلاحی مشورے دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی' بار بار وفود بھیجے' خطوط لکھے' اور پوری ہمدردی ودل سوزی اور حکمت ودانائی کے ساتھ اصلاح طلب امور کی جانب توجہ دلائی۔ ان امور کی تفصیل یہاں موجب طوالت ہوگی' اسے منشی عبدالرحمان صاحب کی کتابوں' معماران پاکستان' تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی اور مشاہدات واردات' میں ملاحظہ فرمالیا جائے۔ یہاں حضرت تھانویؒ کا ایک طویل مکتوب گرامی نقل کیا جاتا ہے جس سے حضرتؒ کے ذوق' طریقہ اصلاح اور مسلم لیگ کے آمادۂ اصلاح نہ ہونے پر حضرتؒ کے رنج وشکوہ کا اندازہ کیا جاسکے گا۔

آنریری سیکریٹری پنجاب پراونشل مسلم لیگ آرگنائزنگ کمیٹی کی معرفت سر سکندر حیات خان وزیر اعظم پنجاب نے حضرت تھانویؒ کو مسلم لیگی امیدوار شیخ صادق حسین کی حمایت حاصل کرنے کے لئے خط لکھا' حضرت رحمہ اللہ نے اسکے جواب میں تحریر فرمایا :

> "السلام علیکم ورحمتہ اللہ' الطاف نامہ صادر ہوا' احقر تو مسلم لیگ کا ہمیشہ حامی ہے' اور وہ حمایت الحمد للہ کسی غرض کی وجہ سے نہیں ہے' بلکہ مسلمانوں کی دنیوی اصلاح میں اس وقت مسلم لیگ ہی میں شامل ہونے میں سمجھ رہا ہوں' اور کانگریس میں داخل ہونے میں دینی ودنیوی دونوں کا نقصان خیال کرتا ہوں' لیکن ہر مسلمان جانتا ہے کہ دنیا سے دین مقدم ہے' اور تاریخی واقعات وشواہد سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب تک

مسلمان دین اور مذہب پر قائم رہے اور اس قدر پختگی سے قائم رہے کہ لوگ ان کو مجنون سمجھتے تھے' ان کو دین کے ہر چھوٹے بڑے حکم کی تعمیل کی دھن تھی' اس وقت تک دنیوی اعتبار سے بھی مسلمان ہر طرح کامیاب رہے اور تمام دنیا میں ان سے آنکھ ملانے والا کوئی نہ تھا' اور جب سے اس میں کمی آئی' اسی وقت سے ذلیل ہوتے ہوتے اب ان کی ذلت کی انتہا ہو چکی ہے' اور تمام سمجھ دار حضرات اپنی تقریروں اور تحریروں میں فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے ماضی کی طرف لوٹنا چاہئے' مگر نہ معلوم اس کا مفہوم کیا سمجھ لیا ہے' کہ اس کو فرماتے سب ہیں جانتے سب ہیں مگر دین کی باتوں سے گریز ہے۔ کہتے ہیں' مگر عمل نہیں کرتے۔ سو اگر حضرات لیگ دینداری کی طرف توجہ فرماتے' تو آج لیگ کی ترقی سے تمام اقوام خائف ہوتیں' مگر نہ معلوم کون سی چیز مانع ہے کہ اس طرف نہیں آتے۔ میں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ پٹنہ میں ایک پیام بھیجا تھا' جو وہاں پڑھا بھی گیا تھا' اور سب حضرات کو تقسیم بھی کیا گیا تھا۔ اس میں صرف دو چیزوں کی طرف میں نے توجہ دلائی تھی۔ اول نماز کی پابندی کو لیگ کے مقاصد میں شامل کیا جائے۔ دوسرے وضع اسلامی کو لیگ کے ہر ممبر پر لازمی قرار دیا جائے۔ نماز کا ارکان اسلام میں اہم ترین رکن ہونا ہر مسلمان کو معلوم ہے اور وضع خاص رکھنا تو ایسی چیز ہے کہ دنیا کے تمام سیاست دان اس کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ جرمنی کا لباس الگ ہے جاپان کا الگ

ہے، فرانسیسی کا الگ، وعلی ہذا۔ اور فوجی وردی تو لازمی طور پر الگ ہوتی ہے۔ اگر جرمنی سپاہی مثلاً انگریزی وردی پہن کر جرمن فوج میں شامل ہو، اور ویسے ہر طرح وفادار اور مستعد ہو، لیکن صرف وردی کی تبدیلی کی وجہ سے وہ مستوجب سزا کا ہوگا، وعلی ہذا۔ تو کیا مسلمانوں کے لیے جو حق تعالیٰ کی فوج ہے، کوئی خاص وضع اور امتیاز ضروری نہیں ہے؟ ہے اور ضروری ہے۔

لیکن افسوس کہ حضرات لیگ نے ان دونوں باتوں کی طرف توجہ نہ فرمائی، اگر ان باتوں کی طرف توجہ فرماتے، تو دین کی اور باتیں بھی جو ترقی دنیا میں بھی موثر ہیں۔ میں اور بتلاتا۔ مگر مجھے واقعی حضرات لیگ سے یہ شکایت ہے کہ مولویوں کو صرف الیکشن کے وقت پوچھا جاتا ہے اور ان کے فتووں پر عمل کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اور پھر ان کی بات کی طرف کوئی کان نہیں دھرتا، ہم اگر ذاتی منافع کے لیے کچھ بھی لکھیں تو بے شک نہ سنئے، نہ مانئے، لیکن اگر ان حضرات کو ہم پر اعتماد ہے، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم فتویٰ صحیح دیتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ وہ الیکشن ہی کے لیے صحیح ہوتا ہے، دوسرے وقت وہ قابل عمل نہیں ہوتا۔ میری غرض لیگ کی حمایت سے یہی تھی کہ اس میں بحمد اللہ سمجھ دار عالی دماغ مسلمان ہیں تو ان حضرات سے جب دینداری کے لیے کہا جائے گا تو بہت جلد مان لیا جاوے گا، تو گویا لیگ کی حمایت دین کی حمایت تھی اور جب میں دیکھتا ہوں کہ اصل چیز یعنی دین ہی سے بے تعلقی اور بے توجہی ہے تو بجز

خاموشی کے اور کیا کروں؟ آپ ہی انصاف فرمادیں کہ اب میرا کیا جی چاہے! یہاں تک تو وہ امور عرض کیے تھے جن کی طرف حضرات لیگ کو متوجہ کرچکا ہوں اور پھر بھی انہوں نے عمل نہیں کیا۔

اب دو نئی چیزیں پیدا ہوئی ہیں جن سے میں بہت پریشان ہو رہا ہوں ایک تو لیگ کا علامہ مشرقی سے تعاون اور دوسرا ذمہ داران لیگ کا علما کے وقار اور ملا ازم کے برباد کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ مشرقی کی کتابیں میں نے دیکھی ہیں اور جہاں تک ہو سکا میں نے اس کے اقوال کی تاویل بھی کی، مگر وہ انتہا کو پہنچا ہوا ہے، اور اس کے عقائد جن کی رفتہ رفتہ وہ خاموشی سے تبلیغ کررہا ہے، صریح کفر ہیں، اور چونکہ مسلم لیگ اس وقت تک مسلمانوں میں مقبول جماعت ہے، مگر خاکساروں کی جماعت کی وجہ سے لوگ لیگ سے بھی بدظن ہو رہے ہیں، جس کا مجھے اس طرح علم ہے کہ اکناف ہند سے ان لوگوں کے سوالات میرے پاس آرہے ہیں، جو اب تک مسلم لیگ کے سرگرم اور حامی ممبر تھے، وہ سوال کرتے ہیں کہ لیگ جب خاکساروں سے تعاون کرتی ہے، تو اب مسلم لیگ میں داخل رہنا جائز ہے یا نہیں؟ غرض ان خاکساروں سے ملنے کی وجہ سے بھی بدنام ہو رہی ہے، اور جو شخص اب لیگ کی جدید حمایت کرے گا وہ بھی بدنام ہو گا۔

دوسری چیز لیگ والوں کا بلا کسی استثنا کے علما کے وقار کو تباہ کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ اگر کانگریسی علما سے بچایا جاتا تو یہی

سمجھا جاتا کہ اختلاف مسلک کی وجہ سے کیا جاتا ہے، مگر بلا کسی استثنا کے علما کے اثر کو مٹانے کی سعی کے معنی تو مذہب کو مٹانے کی سعی کرنا ہے، اور جو جماعت دین کو مٹانے کی فکر میں ہو، آپ ہی انصاف فرمادیں کہ اس سے میں کہاں تک تعاون کر سکتا ہوں؟

مجھے بھی افسوس ہے کہ مجھے جناب سے نیاز حاصل نہیں ہے اور سر سکندر حیات خاں صاحب کے ارشاد کے بعد مجھے ایک ایسی تحریر لکھنا پڑی جو بظاہر خلاف تہذیب ہے، مگر مسلمانوں کی اصل تہذیب چونکہ دین ہے، اور دین کی خیر خواہی مجھے مجبور کرتی ہے، کہ ان حالات میں میں اس ارشاد کی تعمیل سے عذر کروں۔ اس لیے مجھے امید ہے وہ معاف فرمادیں گے، اور اگر ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے تو شاید وقت آجائے اور لیگ خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام پر عمل کرنا شروع کردے، تو میں لیگ کا ہر وقت خادم ہوں، خیر میں ایک دم تنزل کر کے عرض کرتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں اور وزیر صاحب کی خدمت میں بھی جن سے مجھ کو ان کے غائبانہ اوصاف خصوصی اسلامی حمیت سن کر مدت سے خاص محبت ہے، وہ عرض یہ ہے اگر پابندی شرع وضع کو مقاصد لیگ کا جزو بنانا کسی دنیاوی مصلحت کے خلاف کہا جاوے، یا ہمت سے بالاتر خیال کیا جائے، تو کم از کم ان چیزوں کو تو ممنوع قرار دیا جاوے جن سے لیگ کی دنیوی قوت کو یا بہ لفظ دیگر اسلامی مفاد

کو صدمہ یا ضعف پہنچتا ہو' جن کی طرف میں نے اس خط میں اشارہ کیا ہے' اور اگر خدانہ کرے یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر میں کسی کی آزادی میں خلل ڈالنا نہیں چاہتا' مگر یہ درخواست ضرور کروں گا کہ پھر میری آزادی میں بھی خلل نہ ڈالا جائے' اور مجھ کو اجازت دی جائے کہ اپنے لیے جو طریق کار مناسب سمجھا جاوے تجویز کرلوں۔

میں جانتا ہوں کہ اس خط میں بہت سے ایسے امور عرض کئے گئے جو اصل سوال سے زائد ہیں' مگر اس کا باعث صرف یہ ہوا کہ آپ کے خط سے اسلامی ہمدردی کی جھلک محسوس ہوتی تھی' پھر جناب وزیر صاحب کی توجہ بھی' اس لیے توقع ہوئی کہ شاید یہ توجہ کچھ ترقی کرکے اصلاح میں موثر ہو جاوے' لیکن اگر یہ بے محل سمجھا جائے تو آپ سے اور جناب وزیر صاحب سے معافی کا خواستگار ہوں' اگر توجہ صرف نہ کی جاوے تو جواب کی تکلیف نہ فرمائی جاوے۔ باقی دعا ہر حال میں اپنا فریضہ ہے :

(مشاہدات واردات صفحہ ۲۰۵ تا ۲۰۷ بحوالہ بیس بڑے مسلمان ص ۳۶۴)

نواز شریف کی
اقتدار سے محرومی کے اسباب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی:

پاکستان کی یہ بد قسمتی رہی ہے کہ اس میں - الا ماشاء اللہ - ہمیشہ انگریزی سوچ و فکر کے حامل، لادین قوتوں کے آلۂ کار سرمایہ دار، جاگیر دار اور وڈیرے برسر اقتدار رہے ہیں، اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ یہ لوگ ہمیشہ سے مسلمانوں کو بے وقوف بناتے ہیں، اور حصول اقتدار کے لئے اسلام اور اسلامی قوانین کے نفاذ کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے رہے، لیکن مسند اقتدار پر فائز ہونے کے بعد جتنا اس طبقہ نے اسلام، اسلامی اقدار اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا، غالباً برطانوی استعمار نے بھی مسلمانوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا ہوگا - چونکہ یہ لوگ اسلام، اسلامی اقدار اور علما کو اپنی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے، اس لیے انہوں نے حیلوں بہانوں سے علما کو قتل کرنے، دینی مدارس کو بدنام اور مسلمانوں کو دین اور اہل دین سے بد ظن کرنے کے لئے فرقہ واریت کو ہوا دی، صدیوں سے ایک ساتھ رہنے والے مسلمانوں کو اپنے مخصوص مقاصد کے لیے باہم دست و گریبان کیا، طبقاتی کشمکش کو پروان چڑھایا، اور اپنے اقتدار کو طول دینے کے

لیے قومی عصبیت کے طاغوت کی سرپرستی کی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی قوت قاہرہ کو جوش آیا تو وہ سب کے سب اپنے آقاؤں کی طرح اقتدار کی بساط لپیٹ کر چلتے بنے اور ان میں سے کچھ تو ہمیشہ کے لئے نمونۂ عبرت بن گئے۔

....

۱۹۹۷ء کے عام انتخابات میں میاں نواز شریف بھاری اکثریت سے کامیاب ہو کر جب دوسری بار ملک کے وزیر اعظم منتخب ہوئے، تو عام تأثر یہ تھا کہ اس بار میاں صاحب پہلے سے کہیں زیادہ فعال و متحرک ہو کر اپنے سابقہ تجربات سے فائدہ اٹھائیں گے اور ملک و قوم کے مفاد میں بے حد مؤثر، دیرپا اور نہایت انقلابی قدم اٹھائیں گے، سابقہ حکمرانوں کی غلط روش سے عبرت حاصل کریں گے اور ملک کی خراب اقتصادی و معاشی حالت کو سنبھالا دیں گے۔ شروع شروع میں ان کی تقریروں اور دعووں سے بھی یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس ملک کی قسمت بدل دیں گے، اس تأثر کو اس وقت مزید تقویت ملی جب انہوں نے یہ نعرہ بلند کیا کہ: ''ہم دو وقت کے بجائے ایک وقت کھائیں گے مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائیں گے، غیر ملکی امداد کے کشکول توڑ پھینکیں گے''۔ اسی طرح انہوں نے بڑے زور و شور سے یہ صور پھونکا کہ: ''قرض اتارو اور ملک سنوارو'' مگر شومئی قسمت کہ انکے دعوے صرف زبانی کلامی نعروں سے آگے نہ بڑھ سکے، ان نعروں سے صرف عوام کو بے وقوف بنایا گیا، حقیقت سے اس کا دور تک کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ بھولی بھالی عوام نے کروڑوں روپے ملکی خزانہ میں جمع کرائے کہ کسی طرح ملک اس مشکل مرحلہ میں ساحل مراد تک پہنچ جائے، لیکن میاں

صاحب اپنے وزیروں، مشیروں اور "بہی خواہوں" کے حصار میں ایسے محصور ہوئے کہ انہیں ملک و قوم اور عوام سے کئے گئے اپنے سارے وعدے بھول گئے ، ملکی معیشت کو سنبھالا دینے کی بجائے اس کو ابتری کی ذلدل میں مزید آگے لے گئے تا آنکہ وہ بھی غیر ملکی آقاؤں کی زبان بولنے لگے۔

میاں صاحب اسلام کے نام سے کرسیٔ اقتدار پر پہنچے تھے، مگر ان کے دور اقتدار میں اسلام کا مذاق اڑایا گیا، دین اور اہل دین کی تضحیک کی گئی، اسلامی اقدار کو پس پشت ڈالا گیا، اسلامی معیشت کے زریں اصولوں کو اپنانے کی بجائے سودی نظام کو رواج دیا گیا، علماٗ دشمنی کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے گئے، اسلامی اقدار کے محافظ اور قرآن وسنت کی تعلیم کے مراکز دینی مدارس کو ختم کرنے کی سازشیں کی گئیں، مسلمانوں کو فرقہ واریت کے نام سے لڑایا گیا، زور وشور سے "انا ولا غیری" کا صور پھونکا گیا، غرور و نخوت کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے گئے، افواج پاکستان میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی، علاقائی عصبیت کو ہوا دی گئی، علما کا قتل عام کیا گیا، دنیا میں قائم واحد اسلامی حکومت افغانستان، جس میں صحیح معنی میں قرآن وسنت کی حکمرانی ہے، کے خلاف ریڈیو اور ٹی وی پر نہایت مذموم پروپیگنڈہ کیا گیا، اسے دہشت گرد باور کرایا گیا، ملکی امن وسلامتی کو داؤد پر لگایا گیا، حتیٰ کہ کسی کی جان ومال محفوظ نہیں تھی، اسلام دشمن عناصر کو شریک اقتدار کر کے مسلمانوں کے جذبات پر نمک پاشی کی گئی، اور احتساب کی چھتری کے نیچے نام نہاد ارباب احتساب کے ذریعہ ملکی خزانہ کو بے دردی سے لوٹا گیا، چنانچہ اخباری اطلاعات کے مطابق "احتساب" کے نگران موصوف نے ملکی خزانہ

کے ۲۲ ارب روپے ہضم کر لئے، اور خود میاں صاحب اور ان کے متعلقین ملکی خزانہ پر بوجھ بن گئے تو اللہ کی لاٹھی حرکت میں آئی اور میاں صاحب اپنے بھرپور مینڈیٹ سمیت مکافات عمل کی بھینٹ چڑھ گئے اور ۱۲ اکتوبر کی شام کو ان کے اقتدار کا سورج غروب ہو گیا اور فوج نے اقتدار سنبھال لیا۔ اس سے اگلے دن ۱۳ اکتوبر کو راقم الحروف، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم اور دیگر علما کی طرف سے میاں صاحب کے اقتدار سے محروم ہونے کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے درج ذیل بیان اخبارات کو جاری کیا گیا:

"دینی مدارس اور طالبان دشمنی نواز شریف کو لے ڈوبی"

"ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا محمد یوسف لدھیانوی،
مفتی نظام الدین کے تاثرات"

"کراچی (پ ر) جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، نائب رئیس مولانا سلیمان بنوری، شیخ الحدیث مفتی نظام الدین شامزی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا سعید احمد جلال پوری، مفتی محمد جمیل خان، مولانا حماد اللہ شاہ، مولانا مشتاق احمد عباسی نے ایک بیان میں کہا کہ نواز شریف کو علماء دشمنی، دینی مدارس دشمنی اور طالبان دشمنی لے ڈوبی۔ گزشتہ کافی عرصہ سے نواز شریف پر جس طرح فرعونیت چھائی ہوئی تھی اس سے اہل بصیرت بخوبی اندازہ

لگا چکے تھے کہ جلد ہی خدا کی لاٹھی اپنا کام دکھانے والی ہے،
اور آخر کار غرور و تکبر کا سر نیچا ہوا اور فرعون وقت اقتدار سے
ذلت کے ساتھ الگ کر دیا گیا- ان علماً کرام نے افواج
پاکستان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ ملک کی
سرحدات کے تحفظ اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے
جذبے کے تحت ایسے افراد پر مشتمل حکومت قائم کی جائے
جس سے ملک و ملت کا وقار بلند ہو سکے"

ملک کے نئے سربراہ اور چیف آف آرمی اسٹاف جناب پرویز مشرف صاحب نے جن حالات میں ملکی اقتدار سنبھالا ہے پوری قوم نے اجماعی سکوت کے طور پر ان کا ساتھ دیا ہے، اور پوری قوم ان سے ملک و قوم کی خدمت کے بارہ میں نیک توقعات رکھتی ہے، اس لئے انہیں درج ذیل امور کا بطور خاص اہتمام کرنا چاہئے:

الف:.....انہیں سابقہ حکمرانوں کی روش سے سبق لینا چاہئے- خلوص و اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ ملک کی جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ ساتھ اس کی نظریاتی سرحدوں کی بھی بھرپور حفاظت کرنی چاہئے، اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ اسلام دشمن عناصر، سابق حکمرانوں کی طرح ان کو چکمہ دے کر شریک اقتدار نہ ہو جائیں-

ب:.....اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ عارضی طور پر آئین کی معطلی کا بہانہ بنا کر سارقین نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی کی ذریت اپنی سازشوں اور

سرگرمیوں کو پروان نہ چڑھائیں، اس قسم کے لوگوں کی بطور خاص نگرانی کرنی چاہئے۔

ج:..... اسی طرح انہیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ ان کی قائم کردہ موجودہ کونسل میں کوئی اسلام دشمن یا بیرونی طاقتوں کا آلۂ کار شامل نہ ہونے پائے۔

د:..... موجودہ انتظامیہ نے ایک بار پھر "احتساب" کا نعرہ مستانہ بلند کیا ہے، خدا کرے وہ اس کو عملی جامہ پہنا کر عوام کی لوٹی ہوئی رقم حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے، ورنہ گزشتہ کئی سال سے یہ نعرہ سن سن کر عوام کے کان پک گئے ہیں اور اب یہ لفظ اپنی افادیت کھو چکا ہے۔

خدا کرے کہ موجودہ حکومت اس نعرہ اور لفظ کی عظمت رفتہ بحال کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اگر اس بار موجوذہ حکومت نے کوئی مؤثر قدم نہ اٹھایا تو پاکستانی عوام کا ان سے بھی اعتماد اٹھ جائے گا۔ افواج پاکستان واحد ادارہ ہے جس پر قوم کو ابھی تک اعتماد ہے۔ جناب آرمی چیف صاحب کو چاہئے کہ وہ عوام کے اعتماد پر پورے اتریں اور نادہندگان سے ہر حال میں قرضے وصول کر کے ملکی خزانہ میں جمع کرائیں، مختصر یہ کہ احتساب کو صرف نعرہ کی حد تک نہ رکھا جائے بلکہ حقائق پر مبنی شفاف احتساب کر کے قوم کو ان ملک دشمن عناصر سے نجات دلائی جائے جو ملکی خزانہ کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر رہے ہیں۔

ہ:..... جناب آرمی چیف صاحب کو اس کا بھی جائزہ لینا چاہئے کہ وہ کون سی وجوہات تھیں جن کی بدولت میاں نواز شریف اقتدار سے محروم ہو گئے اور ملکی معیشت روبہ زوال ہوئی؟ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اس کے پس پشت جہاں

دیگر اسباب و عوامل تھے، وہاں سب سے بڑا سبب اسلامی قوانین کے نفاذ سے پہلو تہی اور سودی نظام معیشت کی ترویج، دین دشمنی، اور دینی مدارس کی مخالفت اور برادر اسلامی ملک افغانستان کے خلاف بیرونی آقاؤں کی شہہ پر معاندانہ رویہ تھا۔ اس لئے جناب آرمی چیف صاحب کو فوراً سودی نظام کے خاتمہ اور ملک میں اسلامی آئین کے نفاذ کا اعلان کردینا چاہئے، اسی طرح دینی مدارس کے تحفظ اور پڑوسی ملک افغانستان کے ساتھ خیر سگالی کے تعلقات کو فروغ دینا چاہئے۔

ہماری خواہش ہے کہ جناب آرمی چیف صاحب اس ملک کو تباہی سے بچانے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات سے راہ نمائی اور ثقہ علما اور دینی درد رکھنے والے صحیح العقیدہ مسلمانوں سے مدد حاصل کریں، اور لادین قوتوں کے پروپیگنڈہ سے ذرہ بھر متاثر نہ ہوں، اور دنیا بھر کے پسماندہ اور ستم رسیدہ مسلمانوں کی اخلاقی مدد کرتے رہیں تو انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائیں گے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین

(بینات شعبان ۱۴۲۰ھ)

دو قومی نظریہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

تحریک پاکستان کے دوران دو اصطلاحیں ایسی نافذ ہوئیں جن سے نہ صرف اس وقت کی فضا گونج اٹھی تھی، بلکہ اب بھی کبھی کبھار ان کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ان میں سے ایک اصطلاح "متحدہ قومیت" کی تھی اور دوسری اصطلاح "دو قومی نظریہ" کی۔

جیسا کہ یہ اظہر من الشمس ہے کہ تقسیم کے مسئلہ میں سارا اختلاف اس نکتہ میں تھا کہ اسلامیان ہند کے مجموعی مفادات کے حق میں کون سی صورت بہتر ہے، ملک سے اپنے حصے کا خطہ الگ کر لینا؟ یا ملک میں رہتے ہوئے اپنے حصہ رسدی مساوی حقوق وصول کرنا؟

جو حضرات تقسیم کو مفید سمجھتے تھے ان کا استدلال یہ تھا کہ ہندو اور مسلمان نہ صرف دین مذہب کے اعتبار سے بلکہ تہذیب و معاشرت کے لحاظ سے بھی دو الگ الگ قومیں ہیں اور یہ دونوں یکجا نہیں رہ سکتیں، اس لئے ہر ایک کا حصہ الگ کر دیا جانا ضروری ہے۔ اس کو "دو قومی نظریہ" سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

اس کے برعکس جو حضرات تقسیم کے حق میں نہیں تھے ان کا کہنا یہ تھا

کہ یہ دو قومیں سینکڑوں برس سے یکجا رہ رہی ہیں، اور یہ ناممکن ہے کہ پورے ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو الگ الگ خطوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ مسلم علاقوں میں کوئی ہندو نہ ہو، اور ہندو علاقے میں کوئی مسلمان نہ ہو۔ اس لئے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ملک کی تقسیم غیر فطری ہوگی، اور اس سے دونوں خطوں میں الجھنیں پیدا ہوں گی۔ یہ حضرات اپنے اس نظریہ کو "متحدہ قومیت" کے عنوان سے تعبیر کرتے تھے۔

قوم کا اطلاق کبھی ہم جدّی لوگوں پر ہوتا ہے جیسے شیخ، سید، مغل، پٹھان وغیرہ۔ قرآن کریم نے "وجعلکم شعوبا وقبائل لتعارفوا" کہہ کر نہ صرف اس قومیت پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے بلکہ اس کی حکمت بھی ارشاد فرمائی ہے اور وہ ہے اپنے دور و نزدیک کے اہل قرابت کا تعارف۔ البتہ اس قومیت پر تفاخر کو روا نہیں رکھا، اور نہ کسی نسلی و خاندانی انتساب کو موجب کرامت وفضیلت تسلیم کیا ہے، اس لئے شعوب و قبائل کی اس قدرتی و فطری تقسیم کو بیان کرکے معابعد یہ بھی فرمادیا: "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" جس میں اس پر متنبہ فرمایا گیا کہ محض خاندانی مجد و شرف کسی کے لئے فوقیت وبرتری کا معیار نہیں، بلکہ خدا تعالیٰ کی نظر میں کرامت وشرافت کا معیار تقویٰ ہے۔

قوم کا اطلاق کبھی ہم وطنوں پر ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ: "وماارسلنا من رسول الا بلسان قومه" میں "قوم" سے مراد ہم وطن لوگ ہیں، اور اسی بنا پر تمام انبیاءؑ کرام، کفار ومشرکین کو بار بار "یا قوم" (اے میری قوم) کہہ کر خطاب فرماتے ہیں۔

قوم کا اطلاق قرآن کریم میں مردوں پر بمقابلہ عورتوں کے بھی کیا گیا ہے، جیساکہ آیت کریمہ ہے: "لایسخر قوم من قوم....... ولانساء من نساء"

اس اطلاق کے مطابق "قوم" صرف مردوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے، عورتوں کو نہیں۔

قوم کا اطلاق کبھی ہم مذہب لوگوں کی جماعت پر بھی ہوتا ہے، اور اس اطلاق کے اعتبار سے دو سگے بھائی الگ الگ قوم میں شمار ہوں گے، جب انکا دین اور عقیدہ الگ الگ ہو۔

"متحدہ قومیت" کا لفظ ان حضرات کی اصطلاح میں ہم وطنی کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا، اور اس کا مفہوم یہ تھا کہ بحیثیت ہندوستانی کے، ہندوستان کے تمام باشندے مساوی حقوق رکھتے ہیں، اور ان میں سے کسی گروہ کو ذات پات، نسل برادری اور مذہب و عقیدہ کی بنا پر ان حقوق وطنیت میں کسی دوسرے فریق پر ترجیح نہیں۔

بلحاظ عقیدہ و مذہب کے ہندو اور مسلمان بلاشبہ دو الگ الگ قومیں ہیں، مگر بلحاظ ملکی شہری کے وہ سب ایک قوم ہیں، جیساکہ دو بھائی اگر الگ الگ عقیدے کے معتقد ہوں تو بلحاظ عقیدہ کے اس کی قوم جدا ہے، اور اس کی جدا، مگر بلحاظ نسل و خاندان کے وہ دونوں ایک قوم کے کہلاتے ہیں۔

اس مختصر سی وضاحت سے معلوم ہوا کہ "متحدہ قومیت" کی اصطلاح کوئی دینی عقیدہ نہیں تھا، بلکہ ایک سیاسی نظریہ تھا، اور ہندوستان کی مختلف

المذاہب قوموں کے سیاسی حقوق کے تعین کا ایک فارمولا تھا اور واقعتاً اس فضا کی سیاسی الجھن کا ایک معتدل اور متوازن حل اس کے سوا اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا، مگر چونکہ یہ تجویز حامیان تقسیم کی سیاسی تجویز کے خلاف تھی اس لئے اس "متحدہ قومیت" کا مفہوم مسخ کر کے اسے کفر کے مرادف گردانا گیا اور پروپیگنڈے کی پوری طاقت سے اسے اپنا رنگ دے کر مسلمانوں کو یہ باور کرایا گیا کہ یہ حضرات ہندو اور مسلمان کو ایک قوم کہتے ہیں، کیا مسلم اور کافر ایک قوم ہو سکتے ہیں؟ اور پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ ان بزرگوں پر نہ صرف "رموز دین سے بے خبر" ہونے کے سیاسی فتوے صادر فرمائے گئے، بلکہ ان کے بارے میں ناگفتنی فقرے بھی چست کئے گئے، لیکن:

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ، شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

بعد از خرابیٔ بسیار "دو قومی نظریہ" والوں کو بھی اسی سطح پر۔ بلکہ اس سے بھی نیچے کی سطح پر۔ آنا پڑا، جو یہ بزرگ فرماتے تھے: "یہ دل خراش داستان چوہدری خلیق الزمان کی زبانی سنئے! وہ لکھتے ہیں:

> "اب سوال رہ جاتا ہے، ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے دور میں مسلمان کیا تھے؟ کوئی ایک نیشن یا قوم۔ سر سید مرحوم نے انہیں ہمیشہ ایک قوم کے لفظ سے یاد کیا ہے جس کے معنی یہ تھے کہ وہ ایک ملت ہیں جو کسی غیر قوم میں ضم نہیں ہو سکتے۔ اس لئے سر سید کے بعد نواب محسن الملک نے

جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کر کے اسے برٹش گورنمنٹ سے قبول کروالیا۔ گو مسٹر جناح جداگانہ انتخاب کی ۱۹۳۵ء تک ہمیشہ مخالفت کرتے رہے، مگر ۱۹۴۰ء میں انہوں نے بھی مسلمانوں کو ایک علیحدہ نیشن کہنا شروع کیا، اس کا کوئی خاص فرق ہندوستانی سیاست میں اس وقت تک نہ پڑا جب تک انگریزی اقتدار قائم رہا، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس سے غیر ممالک میں مسلم لیگ کا مطالبہ زائد صحیح بنیاد پر نظر آنے لگا مگر اس کا اتنا مہلک اثر مسلم اقلیتوں پر تقسیم ہند کے بعد پڑا کہ اللہ کی پناہ! یعنی ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو چار کروڑ مسلمان ہندوستان میں نہ پاکستانی تھے اور نہ ہندوستانی۔ مختلف مذہبی اقلیتیں تو ایک ملک میں رہ سکتی ہیں مگر مختلف نیشنل اقلیتیں بہ حیثیت شہری کے ملک میں نہیں رہ سکتی تھیں، اور تمام صوبوں کے مسلمان فوراً تقسیم کے بعد اس کسمپرسی میں مبتلا ہو گئے تھے، جب مسٹر جناح نے پاکستان کو دس کروڑ مسلمانوں کا ہوم لینڈ یا وطن کہا تھا تو انہیں مسلمانوں کے ہندوستان سے انخلا کا سامان بھی مہیا کر لینا تھا چہ جائیکہ تقریبا نصف مسلم آبادی کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا۔

یہ دو نیشن نظریہ (قوم نہیں بلکہ نیشن اپنے تمام وسیع معنوں میں) تقسیم ہند کے بعد ان چار کروڑ مسلمانوں

کے لئے جو ہندوستان میں رہ گئے ہیں بڑا ہولناک ثابت ہوا،
کیونکہ ۱۴-۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو وہ نہ پاکستانی نیشن رہ گئے اور
نہ ہندوستانی- جس کی وجہ سے ان پر بدترین مصائب نازل
ہوئے- یکم اگست ۱۹۴۷ء کو مسٹر جناح نے ہندوستان کے
اقلیتی نمائندوں سے رخصت ہونے کے لئے ان کو بلوایا-
اس موقع پر سید رضوان اللہ سیکریٹری یوپی مسلم لیگ اور
ممبر کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی نے اقلیتی نمائندوں کے مستقبل
کے متعلق جناح صاحب سے کچھ بہت ٹیڑھے سوالات
کئے جن سے وہ بہت پریشان نظر آئے، اس سے پہلے انہیں
اس قدر پریشان میں نے نہیں دیکھا تھا- گفتگو کی یہ نوعیت
دیکھ کر میں نے اسے ختم کرانا ہی مناسب سمجھا اور رضوان
اللہ سے کہا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا، اب اس کا اعادہ کرنا
ضروری نہیں ہے، اس کے بعد ہم سب ان سے رخصت
ہو کر چلے آئے، اس گفتگو کا اثر مسٹر جناح پر اتنا گہرا اور عمیق
پڑا کہ گیارہ اگست ۱۹۴۷ء کو بہ حیثیت ہونے والے گورنر
جنرل پاکستان اور پاکستان کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے پریذیڈنٹ
کے انہوں نے اولین موقع پر دو قومی نظریہ کو اپنی ایک
تقریر کے ذریعہ بالکل ختم کر دیا، ان کی تقریر یہ تھی :

"اب اگر ہم پاکستان اسٹیٹ کو فراغت اور خوش دیکھنا چاہتے

ہیں تو ہم کو کلیتہً عوام کی خصوصاً غربا کی خدمت میں لگ جانا
چاہئے، اگر ہم سب گزشتہ واقعات کو بھلا کر اور اختلاف کو ختم
کر کے متحدہ طور سے کام میں مشغول ہو جائیں تو ہم ضرور
کامیاب ہوں گے، اگر ہم اپنا ماضی بدل ڈالیں اور سب مل کر
یک جہتی سے کام شروع کردیں، خواہ تم کسی قوم کے ہو، خواہ
تمہارے آپس کے تعلقات پہلے کچھ ہی رہے ہوں، خواہ
تمہارا رنگ، ذات اور دین کچھ ہی رہا ہو، مگر وہ اب ہر صورت
سے پاکستان کا شہری ہے، جس کے تمام وہی حقوق اور وہی
ذمہ داریاں ہیں جو کسی اور کے ہیں، میں اس سے زائد اور اس
پر زور نہیں دے سکتا، ہم کو اسی جذبہ سے کام کرنا ہے اور
تھوڑے عرصہ میں اکثریت اور اقلیت ہندو قوم اور مسلم قوم
کے قصے ختم ہو جائیں گے، کیونکہ خود مسلمانوں میں پٹھان،
پنجابی اور شیعہ سنی وغیرہ ہیں، اور اسی طرح ہندوؤں میں
برہمن، ویش کھتری اور بنگالی اور مدراسی وغیرہ یہ سب دور
ہو جائیں گے اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو حقیقت یہ ہے کہ
ہندوستان کی آزادی میں یہی مختلف حالات ہارج رہے ورنہ
ہم بہت پہلے آزاد ہو گئے ہوتے، آپ کسی مذہب، ذات یا
عقیدے کے ہوں، اس کو اسٹیٹ کے کام سے کوئی واسطہ
نہیں ہے"۔

یہ واضح اور روشن تبدیلی ہمارے سیاسی مسلک میں ایسے وقت آئی جب کہ لاکھوں مسلم جانیں جاچکی تھیں، اور لاکھوں کی نوبت آرہی تھی اور اس سے زائد یہ کہ لاکھوں خاندان اور افراد اپنے آبائی وطن اور ماحول کو خیرباد کر کے پاکستان کی طرف چل پڑے تھے"۔ (شاہراہ پاکستان ص ۹۴۲ھ، ۹۴۳-۹۴۴)

تقسیم ہند سے اختلاف کرنے والے اکابرؒ کے خدشات! ماضی اور حال کے آئینہ میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

ہندوستان کی تقسیم کے سلسلہ میں اکابر علما دیوبند کی دورائیں ہوگئی تھیں، ایک جماعت تقسیم ہند کو مسلمانوں کے مستقبل کے لئے مفید اور الگ اسلامی ریاست قائم ہونے کا ذریعہ سمجھتی تھی، جب کہ دوسرے حضرات ہندوستان کی تقسیم کو مسلمانوں کے لیے بے حد مضر اور نقصان دہ تصور کرتے تھے، جو حضرات تقسیم ہند کو مسلمانوں کے دین و مذہب اور معاش و معاشرت کے لیے مہلک تصور کرتے تھے ان کو ملک کی تقسیم کی صورت میں نہایت بھیانک قسم کے خطرات محسوس ہوتے تھے، اور وہ اپنی چشم بصیرت سے تقسیم ملک کی صورت میں ہونے والی تباہی کو آفتاب نصف النہار کی طرح دیکھ رہے تھے۔

اس لئے وہ کسی طرح تقسیم ملک کی صورت میں ہونے والی مسلمانوں کی

اس تباہی وبربادی پر آمادہ نہ تھے - چنانچہ بعد میں پیش آنے والے حالات وواقعات نے بھی ثابت کر دیا کہ موخر الذکران اکابرین کا موقف صحیح اور درست تھا، کیونکہ انہوں نے جن جن خدشات کا اظہار کیا تھا، ایک ایک کر کے وہ سب صحیح ثابت ہوئے- تقسیم ملک کو مسلمانوں کے لئے مضر سمجھنے والے حضرات کو جو شبہات تھے، ان میں چند ایک درج ذیل ہیں :

اول :..... جو حضرات تقسیم ملک کے خلاف تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ اس سے اسلامیان ہند کا نقصان ہوگا ان کا اندیشہ یہ تھا کہ :

انگریز ہندوستان میں مسلمانوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا، اور اس کی پالیسی ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی رہی- انگریز کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اس نے دنیا بھر میں مسلمانوں کو کمزور کرنے کی کوشش کی، انگریز کی یہ روایت ہمیشہ سے چلی آئی تھی کہ اس نے اپنے زیر اقتدار ممالک کو اس وقت تک آزاد نہیں کیا جب تک کہ وہاں کے باشندوں کو لڑا کر ان ملکوں کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم نہیں کر دیا- چنانچہ اس سلسلہ میں "کردار قائد اعظم" کے مصنف لکھتے ہیں :

> "تاریخ نے ہمیں برعظیم ہندوستان سے کہیں چھوٹے ایسے جغرافیائی خطے بھی دکھائے ہیں جو اگرچہ ایک ہی ملک کہلائے مگر جن کو اتنی ہی ریاستوں میں تقسیم کیا گیا جتنی وہاں قومیں آباد تھیں، مثلاً جزیرہ نمائے بلقان میں سات آٹھ خود مختار ریاستیں ہیں، اسی طرح جزیرہ نمائے اریٹریا، اسپین اور

پرتگال منقسم ہے"۔
(کردار قائداعظم ص ۱۴۲)

ان حضرات کو بجا طور پر یہ اندیشہ لاحق تھا کہ ہندوستان کی تقسیم یہاں کے دس کروڑ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو منتشر اور مفلوج بنا دینے پر منتج ہو گی، اور مطالبہ تقسیم چونکہ ایسے لوگوں کی طرف سے ہو رہا تھا جو ہمیشہ انگریز کے جانشین رہے اور چوہدری خلیق الزمان صاحب کی روایت کے مطابق جن کے بارے میں مسٹر جناح نے فرمایا تھا:

"مسلم لیگ کے بہت سے لیڈر جو عموماً نوابان اور تعلقہ داران پر مشتمل ہیں، محض انگریز کے اشاروں پر چلتے ہیں، اور جماعت کو اپنے مفادات کا گہوارہ بنائے ہوئے ہیں جن کو قومی مفاد سے کوئی واسطہ نہیں، میں خود ان سے عاجز آ چکا ہوں، حالانکہ آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان کی جنبہ داری کرتا ہوں"۔
(شاہراہ پاکستان ص ۱۲۹)

یہ اندیشہ اس وقت اور بھی قوی ہو جاتا تھا جب وہ دیکھتے تھے کہ ہندوستان کی فضا میں تو تقسیم کا مسئلہ ۱۹۴۰ء کے قریب سنجیدہ غور و فکر کا موضوع بنا، لیکن انگلستان میں برسوں پہلے اس کے لئے ذہن سازی شروع ہو گئی تھی۔ مثلاً ۱۹۳۰ء میں ہندوستان میں ہر سطح پر ولایتی مصنوعات کے مقاطعہ (بائیکاٹ) کی کامیاب تحریک چل رہی تھی، جس نے نہ صرف ہندوستان میں انگریزی اقتدار کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں، بلکہ انگریز کو یہ خطرہ بھی لاحق ہو گیا تھا کہ آزادئ ہند کے بعد ہندوستانی منڈی بھی اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس وقت انگریزوں نے اس نہج پر سوچنا شروع کر دیا تھا کہ:

"مدت سے ہندوستان کی صورت حال قابو سے باہر ہو رہی ہے، ہم (ہندوستان میں) نیم پارلیمنٹری حکومت کا حتمی وعدہ کر چکے ہیں جو برطانوی افسروں کے بغیر نہیں چل سکتی، برطانوی افسر زیادہ عرصہ تک نہیں رہیں گے، سول سروس کے تمام شعبے ہندوستانیوں سے بھر دیئے گئے ہیں یا بھرے جا رہے ہیں، کہ آئندہ چند سال تک ان میں ڈھونڈنے سے بھی انگریز کا نام نہیں ملے گا۔

میں ان حالات میں ہندوستان کے مسئلہ کا ایک ہی حل دیکھتا ہوں کہ اسے ہندو اور مسلمان دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

آئرلینڈ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کا تنازع ختم کرنے کے لئے ۳۵ سال کی مسلسل پارلیمنٹری جنگ کے بعد ایسا ہی کرنا پڑا تھا۔

ہندوؤں نے ہمیں ہندوستان کے ساتھ کاروبار کرنے سے روک دیا ہے، اب ہمیں مالیہ معاف کرنا پڑا ہے تاکہ کاشتکار زندہ رہ سکیں، یہ ایک نہایت ہی یاس انگیز صورت حال ہے، اور اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس تعفن کو پھیلنے سے روکا جائے، اور قدرتی تقسیم کے مطابق ملک کے دو حصے کر دیئے جائیں، اگر ہندو کاروبار تجارت نہیں کریں گے تو بمبئی کی جگہ کراچی شہر بندرگاہ کا کام دے سکتا ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ مزید ۲۵-۳۰ سال کے لئے
ہندوستان پر ہمارا اثر و اقتدار قائم رہے، اب برطانوی حکومت
کے پرانے طریق کار کی طرف عود کرنا ناممکن ہے، ہمارے
پاس اب کارکن اصحاب موجود نہیں، اب ہم دور ماضی کو قائم
نہیں رکھ سکتے، نیز ہم نے اپنا کام بھی کر لیا ہے، کیونکہ
ہندوستان میں ریلیں اور نہریں وغیرہ قائم کی ہیں اب اسے
ایسا طرز حکومت دیدو جو اس کے لئے موزوں اور قدرتی ہو۔
لیکن جب تک ہندوستان میں ہمارا اثر و اقتدار قائم
ہے ہمیں تحریک مقاطعہ کو پورے زور سے روکنا چاہئے۔
خونریزی کو روکنے اور دقیانوسی ہندو سسٹم کا سدباب کرنے
کے لئے ہمیں کراچی اور دہلی سے کام شروع کرنا چاہئے،
جہاں دنیا کی ایک بڑی مسلم حکومت قائم ہو گی، ہم خواہ کچھ
کریں یہ ہو کر رہے گا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اسے جلد از جلد
معرض عمل میں نہ لائیں اور اس کے ساتھ سب سے پہلے
تاجرانہ تعلقات کیوں نہ قائم کریں، جب بحر قزوین اور بحیرۂ
روم کی طرف وسیع ملکوں کا خیال کیا جائے تو بڑے بڑے
امکانات نظر آتے ہیں"۔

یہ ایک سیاسی انگریز کے خط کا اقتباس ہے جسے اخبار "مدینہ بجنور" نے ۲۱/ اگست
۱۹۳۱ء کی اشاعت میں مندرجہ ذیل نوٹ کے ساتھ شائع کیا تھا:
"گزشتہ اخبار میں ہم نے یہ خبر لکھی تھی کہ ہزہائینس سر آغا

خان ایک کروڑ روپے کے سرمائے سے بدیشی پارچہ کو فروغ
دینے کی غرض سے ایک کمپنی قائم کرنے والے ہیں، اخبار
"الامان" سے اب معلوم ہوا ہے کہ نہ صرف ہز ہائینس آغا
خان نے بلکہ ملا سیف الدین طاہر صاحب بوہرہ قوم کے
مقتدا اور اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے اکثر ممبروں نے
دس کروڑ روپے کے سرمائے سے ایک کمپنی قائم کی ہے جس
کا صدر دفتر دہلی ہوگا، اس کمپنی کے قیام کا اصل محرک کون
ہے؟ اور اس کے اصلی مقاصد کیا ہیں؟ اس کے صحیح حالات
اب تک صیغۂ راز میں ہیں، تاہم اس کے قیام پر اس خط سے
کسی قدر روشنی پڑتی ہے، جو مسٹر پلوڈن جج ممالک متحدہ نے
کسی مستفسر کے جواب میں لندن بھیجا تھا، اور اتفاقاً "سنڈے
گرافک" کے ہاتھ پڑ جانے سے شائع ہو گیا، اور اسی غرض
سے ہم اس خط کا متن ذیل میں درج کرتے ہیں"۔

انگریز کی اس سوچ کو سامنے رکھ کر ہم دیکھتے ہیں کہ ادھر ۱۹۳۰ء میں ولایتی مصنوعات کے بائیکاٹ کی تحریک شباب پر ہے، ادھر جب انگریز اس تحریک کو دبانے میں ناکام رہتا ہے تو اسی سال لندن میں گول میز کانفرنس طلب کی جاتی ہے، اور اس میں ہندوستان میں "آئینی اصلاحات" کا تحفہ پیش کیا جاتا ہے، اور خصوصیت سے فرقہ وارانہ نزاع کو اس رنگ میں اٹھایا جاتا ہے کہ نہ صرف گول میز کانفرنس ناکام ہو جاتی ہے، بلکہ یہ فرقہ وارانہ نزاع ہمیشہ کے لئے ہندوستانی سیاست کا ناسور بن جاتا ہے۔ اور بالآخر تقسیم کے ذریعے اس ناسور کا آپریشن کیا

جاتا ہے۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ اسی گول میز کانفرنس میں انگریز کی طرف سے "پاکستان" کے مسئلہ پر مسلم نمائندوں سے سوالات کئے جاتے ہیں، اور وہ اس سے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں لیکن بالآخر ہندوستان کی سیاست اسی رخ پر چلتی ہے جو خطوط انگریز نے ۱۹۳۰ء میں متعین کر دیئے تھے۔

دوم :..... یہ حضرات تقسیم کے اس لئے بھی مخالف تھے کہ انہیں اس تقسیم کے نتیجے میں خون مسلم کی اس ارزانی کا بھی اندیشہ تھا، جو تقسیم کے وقت واقعہ بن کر سامنے آیا، نیز ان کروڑوں مسلمانوں کے بارے میں تشویش لاحق تھی جو ہندوستانی منطقوں میں رہ جاتے تھے، ظاہر ہے کہ اگر مسلمان غیر منقسم آزاد ہندوستان میں رہتے تو خواہ برادران وطن کی طرف سے ان پر کیسی ہی تعدی ہوتی مگر وہ کبھی نفسیاتی فالج کا شکار نہیں ہو سکتے تھے۔وہ خم ٹھونک کر یہ کہہ سکتے تھے کہ یہ ہمارا ملک ہے، اور اس میں ہمارا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا کسی کے باپ کا ہو سکتا ہے اور وہ ایک ایسی زبردست قوم جس کی تعداد دس کروڑ ہو (اور اب تو اس سے بھی زیادہ ہے) اسے غیر منقسم ہندوستان میں نظر انداز کرنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا، وہ متحد ہو کر ملک کے سیاسی دھارے کو بدل سکتی تھی۔ مسلم اکثریتی صوبوں میں تو کسی کی غلامی کا سوال ہی نہ تھا۔ مسلم اقلیتی صوبوں میں بھی ہم اپنے حصہ رسدی حقوق جرأت و آزادی سے حاصل کر سکتے تھے۔اور وفاقی سطح پر اگر ہمیں ہماری تعداد سے زیادہ حقوق نہ ملتے تو کم ملنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

ان حضرات کا خیال یہ تھا کہ جب ہم اسلامیان ہند کے لئے الگ خطۂ وطن مانگ رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہندوستان کی دس کروڑ مسلمان

قوم کو پانچ ایسے حصوں میں بانٹنے کا مطالبہ کررہے ہیں جو آڑے وقت میں ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کرسکیں گے۔

۱:.... پاکستان کا مشرقی حصہ (جو پہلے "مشرقی پاکستان" تھا، پھر بنگلہ دیش بنا)۔

۲:.... مغربی حصہ (آدھا پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان)۔

۳:.... ہندو یونین کے مسلمان۔

۴:.... ہندوستانی ریاستوں کے مسلمان۔

۵:.... خطۂ کشمیر کے مسلمان۔

پاکستانی حصوں کو چھوڑ کر باقی مسلمانوں کی حالت (منتشر اور بے بس اقلیت ہونے کے علاوہ) ایک آزاد قوم کی نہیں ہوگی، بلکہ ایسے لوگوں کی ہوگی جن کے مفادات کو فروخت کرکے ہم ان کی پوری قیمت وصول کرچکے ہیں۔

بانئ پاکستان قائداعظم مسٹر محمد علی جناح بھی اس خطرے سے بے خبر نہیں تھے کہ تقسیم ملک کے معنی کروڑوں غیر پاکستانی مسلمانوں کو فروخت کردینے کے ہیں، لیکن وہ فرماتے تھے کہ:

"اقلیت کے صوبہ والوں (مسلمانوں) پر جو گزرتی ہے گزر جانے دو، لیکن آؤ ہم اپنے ان بھائیوں کو آزاد کرادیں جو اکثریت کے صوبوں میں ہیں، تاکہ وہ شریعت اسلامی کے مطابق وہاں آزاد حکومت قائم کرسکیں"۔

(احمد آباد کی تقریر کا اقتباس۔ پاکستان نمبر "ایمان" لاہور ۲۸ر فروری ۱۹۴۱ء)

لیکن ان بزرگوں کا نظریہ یہ تھا کہ مسلم اکثریتی صوبوں کے مسلمانوں کی آزادی کے لئے کروڑوں مسلمانوں کی قسمت کا سودا کرنے کی ضرورت نہیں۔

غیر منقسم ملک کے مسلم اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کو آزادی ہو گی۔وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کر کے اپنے مذہب کے قوانین پر خود بغیر کسی روک ٹوک کے عمل کر سکیں گے۔ادھر مسلم اقلیتی صوبوں کے مسلمان بھی غلام نہیں ہوں گے،بلکہ تمام مسلمان ان کے حقوق ومفادات کے لئے کوشاں ہوں گے،اور ان کے پرسنل لاز صرف غیر مسلم اقلیت کے رحم وکرم پر نہیں ہوں گے، الغرض غیر منقسم ملک میں ہر صوبے کے مسلمان آزادی کی فضا میں سانس لے سکتے ہیں،اس کے بعد اس تقسیم کی صورت میں چونکہ مسلمانوں نے پورے ملک میں سے اپنا حصہ الگ وصول کر لیا اس لئے باقی صوبوں کے مسلمان،یا تو "ترک وطن" پر مجبور ہوں گے،یا اپنے حکمرانوں کے دست نگر اور مقہور ومجبور ہوں گے۔انگریز کے زمانہ میں بھی مسلمان آزاد نہیں تھے،مگر انگریزوں کا تسلط جابرانہ تھا،کسی نے ہندوستان کو ان کے ہاتھوں فروخت کر کے اس کی قیمت وصول نہیں کی تھی،اس لئے تمام اہل وطن مسلم وغیر مسلم آزادی کے مطالبہ میں حق بجانب تھے۔تقسیم کی شکل میں ہم جن مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنا رہے ہیں ان کو تو گویا غیر مسلموں کے ہاتھوں فروخت کر کے ان کے رحم وکرم پر چھوڑ رہے ہیں۔اور مطالبۂ آزادی کا حق بھی ان سے سلب کر رہے ہیں۔

سوم :..... تقسیم کی بنیاد ہندو مسلم فرقہ وارانہ منافرت پر تھی، ہمارے راہنماؤں کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر ملک کو دو حصوں میں تقسیم نہ کیا گیا تو مسلمان انگریز کی غلامی سے نجات پانے کے بعد ہندو کے غلام بن کر رہ جائیں گے۔کیونکہ مسلمان مجموعی حیثیت سے اقلیت میں ہیں اور اس خطرہ کو مزید

تقویت ہندو کے فرقہ پرست گروہوں کے رویہ سے مل رہی تھی، وہ ہمیشہ تنگ نظری اور تنگ ظرفی کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے، چوہدری خلیق الزمان صاحب نے "شاہراہ پاکستان" میں متعدد جگہ اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ملک کی تقسیم ہندو مسلم تفریق کا نتیجہ تھا، ایک جگہ لکھتے ہیں :

> "سر سید احمد خان نے ہندو مسلم اتحاد کو بر قرار رکھنے کی کوشش میں دونوں کو ہندوستان کی دو آنکھیں کہا، مگر ہندوستان کی تاریخ بدل چکی تھی،..... اور ۱۸۷۰ء میں مسٹر سیکسپئر کمشنر بنارس سے انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ اس ہندی تحریک کے بعد ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہو گیا ہے، اور جو جئے گا وہ دیکھے گا، جو لوگ جیتے رہے وہ دیکھتے رہے کہ کن راستوں سے ہندو مسلم تفریق گزرتی رہی یہاں تک کہ ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا"۔ (شاہراہ پاکستان ص ۲۱۸)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

> "تاریخ ایک مستقل، جامد اور اٹل چیز ہے، وہ نہ بدلتی ہے اور نہ بدل سکتی ہے، البتہ قوموں اور فرقوں کے اعمال میں اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ کبھی کم اور کبھی زیادہ، پھر بھی اس کا سایہ ان کی زندگی کی ہر صنف پر پڑتا رہتا ہے اس کا واضح اور موزون ترین ثبوت ہندوستان کی دو قوموں یعنی ہندو اور مسلمانوں کی ایک ہزار برس کی تاریخ پیش کرتی ہے، جو اس طویل عرصے میں بہ حیثیت حریف، حلیف، دوست اور

پڑوسی ہونے کے اور اپنی اپنی معاشرت، ثقافت، زبان اور رہن سہن میں عظیم تغیرات قبول کرنے کے، وہ تاریخی، بنیادی، قومی وملی تناقض کو فنا نہ کر سکے، جو غیر محلول اجزا باقی رہ گئے وہ کسی وقت بارود کی طرح بھڑک کر صدیوں کی اتحادی کوششوں کو نذر آتش کر سکتے تھے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور تاریخی تناقض نے اس ملک کو جو تاریخ کے ماقبل زمانے سے ایک ہی نام سے پکارا گیا تھا اور لکھا گیا تھا، دو حصوں میں بٹوادیا"۔ (شاہراہ پاکستان ص ۱۳۹)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"مشیت دیکھئے کہ تقسیم ہند کا سوال اس قوم کی طرف سے اٹھا جس نے ملک کو متحد کرنے میں چپے چپے پر اپنا خون بہایا اور اس وسیع ملک کے گوشہ گوشہ میں ان کی ہڈیاں مدفون ہیں، ظاہر ہے کہ ایسا مطالبہ کسی فوری جوش یا منافرت کی وجہ سے مسلمان کبھی نہ کرتے، اگر ان کو یہ محسوس نہ ہوتا کہ ہندو انگریز کی فوجی طاقت سے فائدہ اٹھا کر ان کو ایک بے بس اقلیت بنادینا چاہتا ہے"۔ (شاہراہ پاکستان ص ۱۵۶، ۱۵۷)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"تقسیم ہند کی ذمہ داری تمام تر ہندو ذہنیت پر پڑتی ہے جس نے خوردہ بازی پر ملک کو بھینٹ چڑھادیا، پھر اگر تقسیم ہند کوئی اچھی چیز ہے جسے سردار پٹیل ملک کی اہم ضرورت سمجھتے

تھے، تو پھر اب اس کا رونا کیا؟" (شاہراہ پاکستان ص ۱۵۸)

یہ بزرگ جو تقسیم کے مخالف تھے، وہ نہ تو ہندو مسلم منافرت سے غافل تھے، اور نہ اس نکتہ سے ناواقف تھے کہ اس نازک موقع پر ہندو اپنی تنگ نظری کا مظاہرہ جان بوجھ کر کر رہا ہے اور نہ اس بات سے بے خبر تھے کہ مسلمان ہندو کی تنگ نظری سے تنگ آکر تقسیم کے مطالبہ پر مجبور ہوا ہے۔امیر شریعت سید عطاٗاللہ شاہ بخاریؒ نے اردو پارک دہلی کی اس آخری تقریر میں فرمایا تھا:

"پاکستان کی بنیاد ہندو کی مسلمان دشمنی پر استوار ہوئی ہے، دولت سے پیار کرنے والے ہندو نے گائے کی پوجا کی، پیپل مہاراج پر پھول چڑھائے، چیونٹیوں کے بلوں پر چاول ڈالے، سانپ کو اپنا دیوتا مانا، لیکن مسلمان سے ہمیشہ نفرت کی۔اس کے سائے تک سے اپنا دامن بچائے رکھا، پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ بڑے بڑے ہندوؤں نے اچھوتوں پر اپنے مندروں کے دروازے کھول دیے، لیکن مسلمان سے اس قدر نفرت کی کہ اس کے لئے دل کے دروازے کبھی وا نہ کئے۔ آج اسی نفرت کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنا الگ وطن مانگنے پر مجبور ہوا ہے۔کانگریس یہ سب کچھ دیکھ کر بھی مصلحتاً خاموش رہی، اگر کانگریسی راہنما ہندو مہاسب، آریہ دل اور اسی قسم کی فرقہ وارانہ تحریکوں کو اپنے اثر سے ختم کر دیتے تو مسلم لیگ کو پنپنے کی یہاں کوئی گنجائش نہ ہوتی، مگر میں کیا کروں، یہ کوڑھ کانگریس کے اندر سے پھوٹا ہے، جو ہماری

جسم کے اندر سے پیدا ہوا اس کا علاج باہر کے اثرات سے کیسے
ہو سکتا ہے؟"۔
(حیات امیر شریعت ص ۳۶۵)

لیکن ہندو کی تمام تر تنگ نظری اور تعصب آمیز سلوک کے باوجود یہ بزرگ سمجھتے تھے کہ تقسیم اس مسئلہ کا حل نہیں ہے!!۔ کیونکہ یہ منافرت خود انگریز کی غلط پالیسیوں کی پیداوار ہے۔ اور اگر اس منافرت کی بنیاد پر ملک تقسیم کر دیا گیا تو یہ منافرت ختم نہیں ہو گی بلکہ اور بڑھے گی۔ اس لئے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں مسلمان بھی موجود رہیں گے اور ہندو بھی۔ اور ایسا کوئی انتظام ممکن نہیں ہے کہ ہندو علاقے میں کوئی مسلمان نہ رہے، اور مسلم علاقے میں کوئی ہندو موجود نہ ہو۔ پس جب ملک کے دو حصوں میں مسلمانوں اور ہندوؤں کا رہنا ناگزیر ہے تو اس فرقہ وارانہ منافرت پر ملک تقسیم کرنے سے نہ صرف ہندو مسلم منافرت میں شدت پیدا ہو گی، اور ملک کے دونوں حصوں میں مسلمانوں کی زندگی اجیرن ہو جائے گی، بلکہ یہ دونوں ملک بھی ہمیشہ متصادم ہوں گے، چنانچہ اسی تقریر میں، جس کا حوالہ اوپر گزرا ہے، حضرت امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ نے یہ انتباہ فرمایا تھا:

"مسلم لیگ اور کانگریس! دونوں میری بات سنو!

احباب جمع ہیں میرؔ دردِ دل کہہ لے
پھر التفات دلِ دوستاں رہے نہ رہے

یاد رکھو! اگر تم باہم مل بیٹھ کر کوئی معاملہ کر لیتے تو الگ الگ رہ کر بھی شیر و شکر رہتے، مگر تم نے فرنگی سے اپنا انصاف مانگا ہے، وہ تم دونوں کے درمیان کوئی نہ کوئی ایسا فساد ضرور پیدا

کر جائے گا کہ تم دونون قیامت تک چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ آج تلواروں اور لاٹھیوں سے لڑتے ہو تو آنے والے کل کو توپ اور بندوقوں سے لڑو گے۔ تمہاری اس نادانی سے انسانیت کا جو نقصان ہو گا عورت کی جو توہین ہو گی، شرافت جس طرح بر صغیر میں زخمی ہو گی، اس کے لئے تم دونوں مجرم ہو گے۔" (حیات امیر شریعتؒ ص ۳۶۶)

ان بزرگوں کی یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور وہی دو قومیں جو بقول چوہدری خلیق الزمان اپنے تاریخی تناقض کے باوجود کبھی حلیف اور کبھی حریف بن کر ہزار برس سے رہ رہی تھیں، اس تقسیم نے انکے جذبات کو ٹھنڈا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ کے لئے ان کو باہم ٹکرا دیا ہے۔ وہ اپنے ملک کے لوگوں کو بھوکا رکھ کر گولہ بارود جمع کرتی ہیں، اور پھر کبھی نہ کبھی بہانے سے توپ و تفنگ کا باہمی تبادلہ کرتی رہتی ہیں، یہ بزرگ دیانت داری سے سمجھتے تھے کہ اس منافرت کا حل تقسیم نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ متعصب ہندو کی آرزو ہے کہ مسلمان اپنا حصہ لے کر پورے ملک سے دستکش ہو جائیں۔

اس کے برعکس مسلمانوں کے حق میں مفید تر یہ ہے کہ وہ اس متعصب ہندو ذہنیت کی خواہش پوری نہ ہونے دیں، اور اسی ملک کے اندر رہ کر اسی ذہنیت کا سر کچلیں۔

یہ ہندو مسلم منافرت جو انگریز نے صدیوں کی محنت سے پیدا کی ہے ہمیں ملک کے اندر رہ کر اس چیلنج کو قبول کرنا چاہیئے، یہ کشاکشی ایک عرصہ تک رہے گی بالآخر یہ فضا ختم ہو جائے گی۔ اس کے ختم ہونے میں عرصہ لگ سکتا ہے

لیکن تقسیم سے اس منافرت کا علاج نہیں ہو سکتا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی وفات پر ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے جو تعزیتی پیغام بھیجا تھا اس میں انہوں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا تھا یہاں اس کا ایک اقتباس پیش کر دینا مناسب ہو گا:

> "ملک میں طرح طرح کی بحثیں اٹھیں، ان کا اٹھنا قدرتی تھا، کیونکہ یہاں مختلف سیاسی بحثیں بھی پیدا ہوئیں تھیں، لیکن ۱۹۴۰ء سے کھل کر یہ تصویر سامنے آئی، اور اس بات پر غور ہوا کہ ہمارے درمیان کیا رشتے ہونے چاہئیں۔ بعد میں (یعنی تقسیم ملک کے بعد) جب ہندوستان کا دستور بنا تو اس میں بھی اس کو ملحوظ رکھا گیا، یقیناً اس پر بہت کچھ عمل بھی ہوا لیکن پھر بھی یہ سمجھنا کہ پوری طرح عمل ہوا صحیح نہ ہو گا۔
>
> اَب بھی جذبات بھڑکتے ہیں، کشمکش ہوتی ہے، پریشانیاں ہوتی ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی تک سماج میں کچھ کمزوریاں ہیں، لیکن اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، انقلابی زمانہ میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے، دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ عام جھکاؤ کس طرف ہے، ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ قوم غلط طرف نہ جھک جائے، اندرونی جھگڑے اپنا اثر پیدا کرتے ہیں، اس لئے ہمیں ہوشیار رہنا ضروری ہے۔

اصولی طور پر ایک مذہب کے لوگ اپنے آپ کو الگ قوم سمجھیں، یہ آج کی زمانے کی بات نہیں، خاص طور سے جہاں سینکڑوں، ہزاروں برس سے بہت سے مذہبوں کے لوگ رہ رہے ہیں۔ وہ (ہندوستانی) قوم کی حیثیت سے سب ایک ہیں، مذہبی کشمکش مناسب نہیں، اس سے ملک کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوگی، یہ تعجب کی بات ہے کہ اس ملک میں فرقہ پرست جماعتیں اب تک موجود ہیں، اور وہ نہیں سمجھتیں کہ وہ کس دنیا میں رہتی ہیں"۔

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر ص ۱۷۷)

بلاشبہ ہندو مسلم مناقشہ موجود تھا، اور جن دنوں آزادی کی تحریک آخری مراحل میں تھی یہ مناقشہ بھی اپنے آخری نقطہ عروج پر تھا، مگر ان بزرگوں کی رائے میں صرف ہندو کے تعصب سے خوفزدہ ہو کر الگ حصہ وطن کا مطالبہ کر دینا اور باقی ملک سے دستبردار ہونا صحیح طرز فکر نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جس حصہ وطن کو ہم اپنی خوشی سے نہرو کے حوالے کرنے پر رضامند ہو رہے ہیں ان میں بہ کثرت اسلامی آثار موجود ہیں، مساجد ہیں، مدارس ہیں، خانقاہیں ہیں، اس زمین کو ہم نے خون سے سیراب کیا ہے، وہاں ہمارے اکابر اولیاءاللہ اور شہدا مدفون ہیں، ہمارے لئے کسی طرح روا نہیں کہ ان تمام اسلامی آثار کو ہندو کے حوالے کر ڈالیں۔

الغرض ہندو مسلم مناقشہ کی بنا پر تقسیم کا مطالبہ ان حضرات کے نزدیک ہندو مفادات کے عین مطابق اور مسلم مفادات کے یکسر مخالف تھا۔ مولانا

حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ "تحریک پاکستان پر ایک نظر" میں لکھتے ہیں :

"پاکستان کے حامیوں کے مضامین میں سب سے بڑی خامی جو مسئلہ کو کسی طرح صاف نہیں ہونے دیتی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایک اہم قانونی اور کانسٹی ٹیوشنل مسئلہ کو ہندوؤں کی تنگ نظری اور ان کی فرقہ پرستانہ ذہنیت کی پیداوار کہہ کر مخالفانہ جذبات کی رو میں گم ہو جاتے ہیں، اور اس مسئلہ کے مفید ہونے کے دلائل سے نظر بچا کر محض دفاعی سوال و جواب پر بحث کر کے مسئلہ کو ختم کر دیتے ہیں اور اس کی بنیادی تفاصیل کی تشریح کے جواب میں بھی صرف اسی قسم کا جواب دے کر سبکدوش ہو جاتے ہیں جیسا کہ پادری فنڈر نے تثلیث کے اعتقاد پر اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ "ایک کس طرح تین اور تین کس طرح ایک ہو سکتے ہیں" "میزان الحق" میں یہ کہہ دیا کہ "یہ مسئلہ اگرچہ بنیادی ہے مگر اس کی تشریح اس دنیا میں ناممکن ہے مگر اس پر اعتقاد ضروری ہے" عام طور پر قوم پرور مسلمانوں کے خلاف غم و غصہ کے اظہار کے لئے اس مسئلہ کو صرف عنوان بنا لیا جاتا ہے اس مسئلہ کی اصل حقیقت پر بحث کرنا مقصد نہیں ہوتا ورنہ ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں کہ "ہندوؤں کی عام ذہنیت ہمیشہ سے تنگ نظری سے ملوث ہے اور وہ ناپ تول کی زندگی کے عادی ہونے کی وجہ سے سیاسیات میں بھی سخت تنگ دل واقع

ہوتے ہیں۔

قوم پرور مسلمانوں اور فرقہ پرست مسلمانوں یا پاکستانی اور غیر پاکستانی مسلمانوں کے درمیان کبھی بھی دو رائیں نہیں رہیں۔ ہمیشہ اختلاف اس بارے میں رہا ہے کہ ان خصائل کے باوجود اس ملک میں اپنی آزاد حیات اجتماعی کو واپس لانے، اس کو بر قرار رکھنے اور ملک کی غلامی کی لعنت کو دور کرنے کے لئے صحیح طریق کار کیا ہے! اس لئے ہندوؤں کی پیدائشی تنگ نظری اور فرقہ پرستی کے یقین کے باوجود بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا صحیح علاج پاکستان ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ دو یا تین لازم و ملزوم نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے (اور ہے) کہ اس کا علاج پاکستان کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ پر کیا جائے اور یہی وہ دوسرا طریقہ ہے جس کو آزاد مسلم کانفرنس اور جمعیۃ علما ہند اپنے مخصوص اجلاسوں میں واضح کر چکی ہے، اور دوسری مسلم جماعتوں خصوصاً مسلم لیگ کو دعوت دے چکی ہے کہ وہ باہم جمع ہو کر اس اسکیم اور پاکستانی اسکیم دونوں پر غور کر کے ایک متحدہ آواز بنالیں مگر اس کا جواب مسلم لیگ کی جانب سے بجز نفی کے اور کچھ نہیں دیا گیا"۔ (ص ۴-۵)

اسی رسالہ میں آگے چل کر مولانا لکھتے ہیں:

"پاکستان کا یہ کس قدر افسوس ناک پہلو ہے کہ تقریباً دس

کروڑ مسلمان، جو ایک ہی ملک میں اجتماعی زندگی بسر کر رہے ہیں دو حصوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اور لطف یہ کہ جس مقصد اور غرض کے لئے ایسا کیا جا رہا ہے وہ بھی پورا نہیں ہوتا اور تقریباً ۳/۱ مسلم آبادی مسلم لیگ کے اصول کے مطابق ہندوؤں کی اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ دی جاتی ہے اور ۳/۲ کے لئے ایسی حکومت وضع کی جاتی ہے جس میں اگرچہ عددی تناسب کے لحاظ سے وہ اکثریت میں رہتے ہیں مگر ایسی اکثریت میں جو یورپین جمہوری نظام کے پیش نظر موثر اور معتدبہ غیر مسلم اقلیت کی رضا کی ہر وقت محتاج رہے گی۔

اور اس کے برعکس ہندو ہندوستان میں ہندوؤں کی ایسی مضبوط حکومت بنا دینے پر مصر ہے جس میں مسلمان غیر موثر اقلیت بن کر رہ جاتے ہیں لیکن اس مقام پر پہنچ کر ہر ایک پاکستانی دلائل و اسباب سے جدا ہو کر محض جذباتی بن جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ ہماری حکومت تو قائم ہو جائے پھر ہم مسلم اقلیت کے صوبوں میں بھی اپنی حکومت کا دباؤ ڈال کر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کریں گے، اور اپنی معمولی سی اکثریت کے باوجود موثر اور معتدبہ اقلیت کو قابو میں رکھ سکیں گے"۔ (ص ۱۲)

چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں:

"جس طرح لارڈ کرزن کی معرفت تقسیم بنگال کی اسکیم کے
اعلان نے نواب وقار الملک مرحوم اور نواب سمیع اللہ آف
ڈھاکہ مرحوم کی آنکھیں کھول دی تھیں اور ان کے سامنے
اصل حقیقت آشکارا ہوگئی تھی۔ اسی طرح جب انگریز اپنی
مرضی کے مطابق "پاکستان" بنا کر ۴؍ ۳ ہندوستان سے الگ
اس کو اپنی مرضی کا آلہ کار بنالے گا اس وقت ان نیک
حضرات کی بھی آنکھیں کھل جائیں گی جو اپنی سادہ لوحی سے
سیاست کے عملی اقدامات سے دور گوشۂ عافیت میں بیٹھے
"پاکستان" کی داد دے رہے ہیں"۔ (ص ۱۸)

چہارم :..... شاید اس حقیقت پر یقین کرنا آج کی دنیا کے لئے مشکل ہوگا کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے اپنا قدم "عددی اکثریت" کی بنا پر نہیں جمایا تھا، بلکہ وہ اخلاص وللّٰہیت اور وہ روحانیت کا بلند ترین مقام تھا، جس نے ظلمت کدہ ہند کو اسلام کی روشنی سے منور کیا تھا، ہندوستان میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے، جو باہر سے ہندوستان آئے تھے، ان میں اکثریت ایسے مسلمانوں کی تھی، جن کے آباؤ اجداد ہندو تھے، مگر اسلام کی حقانیت نے انہیں اپنی طرف کھینچ لیا، عین اس وقت بھی جب کہ ہندو مسلم منافرت اپنے شباب پر تھی اسلام اپنا کام کر رہا تھا، اس لئے اسلام کے تبلیغی نقطہ نظر سے بھی یہ بزرگ تقسیم کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے غیر مفید سمجھتے تھے، کیونکہ اس سے اسلام کی تبلیغ کا راستہ مسدود ہو جانے کا اندیشہ تھا، ایک مسلمان کا مشن ملک گیری و کشور کشائی نہیں، بلکہ دلوں کی مملکت کو فتح کرنا اور اپنے اخلاق و کردار سے غیروں کو اسلام کا حلقہ بگوش

بنانا ہے، ان بزرگوں کے نزدیک کوئی وجہ نہ تھی کہ ہم ہندو تعصب سے خوفزدہ ہو کر اسلام کے تبلیغی مشن سے دستبردار ہو جائیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ لکھتے ہیں :

''جو حضرات اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ ہندوستان میں برٹش حکومت سے قبل بلکہ ہندو حکومتوں کے راج میں اسلام نے کس طرح اپنا پیغام پہنچایا اور یہاں کے باشندوں نے کس طرح اس کو قبول کیا، نیز برٹش حکومت کے قیام کے بعد کس طرح یہاں کی آبادی ایک صدی میں دوچند ہو گئی، اور جو حضرات اس حقیقت سے بھی آگاہ ہیں کہ اسلام کی اس روز افزوں ترقی کے پیش نظر کس طرح سیاسی اور مذہبی نقطہ نگاہ سے ہندوؤں میں ''آریہ سماج تحریک'' نے نشوو نماپائی وہ بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی اور اقتصادی ترقی اور برتری کا علاج ''پاکستان'' کے ذریعہ سے کیا گیا تو اس سے اسلامی تبلیغ کو بہت بڑا دھکا لگے گا اور عظیم نقصان پہنچے گا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فرض کیجئے! کہ ہندو ہندوستان نے اپنے مذہبی اور قومی مفاد کی خاطر یہ اعلان کر دیا کہ ان کے ملک میں کسی مذہب کی تبلیغ نہیں کی جاسکتی، اور نہ ایسی انجمنیں قائم ہو سکتی ہیں حتیٰ کہ انہوں نے خود اپنے مذہب کے متعلق بھی یہی طے کر دیا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کا مفاد بھی انہیں کو پہنچتا ہے تو ''مسلم ہندوستان''

کے متعلق اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہے کہ وہ اس کے رد عمل
کے طور پر اپنے یہاں بھی اس قسم کے احکام نافذ کر دے اور
قانون پاس کر دے، مگر پاکستانی بھائیوں کو یہ کون بتائے کہ
اس شکل میں خسارہ مسلمانوں اور صرف مسلمانوں کو رہے گا،
ہمارے سامنے جاپان اور چین کی مثالیں موجود ہیں دونوں
ممالک بدھ مذہب کے پیرو کار تھے، مگر چین میں اسلام نے
تلوار اور حکومت کے بغیر وہ ترقی کی کہ آج دنیا کی حکومتوں
میں ہندوستان کے بعد چین ہی میں سب سے زیادہ مسلمان
ہیں مگر جاپان کے اس حکم اور قانون نے کہ جاپانی حکومت
اسلام کی مذہبی حیثیت تسلیم نہیں کرتی، جاپان سے اسلام کو
بیگانہ رکھا اور اب جب کہ حالیہ زمانہ میں یہ حکم منسوخ کر دیا
گیا ہے تو اسلام نے وہاں بھی اپنی صداقت کا اثر دکھانا شروع
کر دیا۔

اور اس کے آگے ملکانہ راجپوتوں اور دوسرے
لاکھوں نو مسلم بے علم جماعتوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے
کہ ان کا کیا حشر ہوگا؟ اور وہ اس وقت جب کہ تین چوتھائی
ہندوستان میں وہ ہندو ہندوستان کا تصور کر کے رہیں گے تو
ظاہری جبر واکراہ کے بغیر ہی انکا رخ کس جانب ہوگا؟ جب
کہ آج بھی ان کا سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے اور اس کے برعکس
ہندو جاہل دہقانوں تک میں اقلیت واکثریت کے جھگڑوں

نے جو سیاسی بیداری پیدا کردی ہے اس کے پیش نظر ہندوستان میں "نعم البدل" کی تلاش العیاذ باللہ نہ ارتداد کا توازن پورا کر سکتی ہے اور نہ اضافہ وازدیاد ہی میں صحیح توازن باقی رہ سکتا ہے"۔ (ص ۳۷ تا ص ۳۹)

پنجم :..... مسلمانوں کی ہمیشہ یہ تاریخ رہی ہے کہ وہ کفر کے مقابلے میں متحد ہوتے ہیں، لیکن جب یہ مقابلہ نہ رہے تو آپس میں لڑا کرتے ہیں، متحدہ ہندوستان میں اگرچہ مسلمان فرقوں کے درمیان بھی منافقین کی ریشہ دوانیوں کی بدولت کبھی کبھی تصادم ہو جاتا تھا لیکن وہ کفر وطاغوت کے مقابلہ میں اپنی صفوں کو متحد کرلیا کرتے تھے، ان بزرگوں کو اندیشہ تھا کہ متحدہ ہندوستان میں تو ہندو سے لڑائی چلے گی، لیکن اگر مسلمانوں نے اپنا حصہ الگ کرلیا تو وہ باہمی آویزش اور خانہ جنگی کا شغل اختیار کریں گے، ان کے درمیان اندرونی عصبیتیں اپنا کام کریں گی، فرقہ واریت پنپے گی، اور لسانی اور قبائلی جھگڑے کھڑے ہوں گے، اس سے مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر ختم ہوتی رہے گی، لیکن اگر مسلمان متحدہ ہندوستان میں رہیں تو غیر مسلموں کا مقابلہ و تصادم مسلمانوں کی متحدہ قومیت کے لئے محافظ ہوگا۔

یہ مسلم قوم کا نفسیاتی تجزیہ تھا، جو بعد کے واقعات نے سو فیصد صحیح کر دکھایا، ہندوستان کے مسلمان آج اگر زندہ ہیں تو اپنے اتفاق واتحاد کی وجہ سے۔ (اگرچہ خواہشات کا اختلاف انہیں وہاں بھی پورے طور پر متفق نہیں ہونے دیتا) اور پاکستان کو انہی لسانی، صوبائی اور فرقہ وارانہ عصبیتوں نے کمزور کیا، جن کا خطرہ تھا، اور یہ عصبیتیں قیام پاکستان کے وقت ہی سے اپنا کام کرنے لگی تھیں، جیسا کہ

بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح کی ان تقریروں سے واضح ہے جو انہوں نے مشرقی پاکستان میں کی تھیں، اور بالآخر انہی عصبیتوں نے مشرقی پاکستان کا حلیہ بدل کر اسے بنگلہ دیش بنادیا، اور مغربی پاکستان میں پختونستان، سندھو دیش اور آزاد بلوچستان کی صدائے بازگشت سنائی دینے لگی، اور اب ایک عرصہ سے پاکستان بنانے والوں کی اولاد نے مہاجروں کے نام سے اپنی الگ راہ لے لی ہے۔

ششم :... ایک بہت اہم مگر نہایت دقیق اور نازک ترین مسئلہ یہ تھا کہ ہمارے یہاں بھی "قومیت" کا تصور قریب قریب وہی چل نکلا تھا جو لادین قوموں میں رواج پذیر ہے، مثلاً "ہندو" قوم سے جو تعلق رکھتا ہے، اس کے عقائد خواہ کچھ ہی ہوں اسے "ہندو" قوم کا جز سمجھا جاتا ہے، اسی طرح ایک انگریز خواہ کیسے ہی معتقدات رکھتا ہو وہ انگریز قوم کا ممبر سمجھا جاتا ہے، کچھ یہی ذہنیت مسلمانوں میں بھی در آئی تھی کہ جو شخص مسلمان قوم سے اپنی وابستگی ظاہر کرتا ہو وہ "مسلمان قوم" کا فرد کہلاتا ہے، خواہ وہ اپنے عقائد و نظریات کے لحاظ سے خالص دہریہ اور بے دین ہو، بدقسمتی سے تقسیم ملک کی جنگ اسی "مسلم قومیت" کے نام سے لڑی جارہی تھی، جس میں کمیونسٹ، دہریے، بہائی، قادیانی، آغا خانی، بوہرے، مہدوی قسم کے لوگ مسلمان قوم کے لیڈر اور نمائندے کہلاتے تھے، ان بزرگوں کا خیال تھا کہ یہ رائج الوقت "مسلم قومیت" کا نظریہ دور جدید کی اصطلاح ہے، اور انگریز کی ایجاد کردہ "بدعت" ہے، اور اگر اس جدید قومیت کی بنیاد پر ملک تقسیم کردیا گیا تو ان تمام لوگوں کو انکے الحاد و زندقہ کے لئے تحفظ حاصل ہو جائے گا جو قطعی اسلامی عقائد کے صریح انکار و تکذیب کے باوجود اپنے آپ کو بڑے دھڑلے سے "مسلمان قوم" میں شمار کرتے ہیں، اس طرح اسلام

اور کفر کی معنوی حدود ہی مٹ کر رہ جائیں گی۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ لکھتے ہیں :

''اگر اس پہلو کو جو اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ظاہر نہیں کیا جاسکتا وہ انگریزی دان طبقہ نظر انداز کر دے تو کر دے جس نے اپنی سیاست کا مرکزی نقطہ ''انگریزوں کی غلامی اور ان کے سہارے زندہ رہنا'' بنالیا ہے کیونکہ وہاں تو قائد سے لے کر مقلد تک سب ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرح مذہب اسلام کو بھی مخصوص عقائد و اعمال کا مذہب نہیں سمجھتے بلکہ صرف ''سوسائٹی کے مذہب'' کی حیثیت سے اس کو اپناتے ہیں تاکہ وزارتوں اسمبلیوں میں، ملازمتوں میں ایک خاص نام سے جگہ حاصل کر سکیں خواہ وہ نام نہاد مسلمان خدا کا منکر ہو، یا مذہب کا منکر اور خواہ وہ رسالت، ختم نبوت، حشر و نشر، معاد و آخرت وغیرہ کا قطعاً منکر ہو۔ لیکن ایک ہمدرد اسلام سے تو ممکن نہیں کہ وہ نظر انداز کر دے''۔

''دو قوم (ٹو نیشن) کا نظریہ جو مطالبہ پاکستان کی بنیاد ہے اسلام کو سوسائٹی کے مذہب کی حیثیت دے کر، یا بالفاظ دیگر اسلام کو قوم کا مرادف قرار دے کر ایک عظیم خطرہ یہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس صورت میں مسلمان جرمن، فرنچ، انگریز وغیرہ کی طرح ایک علاقہ میں رہنے والے کا نام ہو جائے گا، یعنی جس طرح جرمن وہ ہے جو سر زمین جرمن

میں رہے، فرنچ وہ ہے جو فرانس میں رہے اسی طرح مسلمان وہ ہے جو پاکستان میں رہے۔

اسلام کو ایک اخلاقی، تہذیبی اور روحانی پروگرام کی حیثیت سے اتار کر فقط جغرافیائی حدود میں محدود کر دینے سے جو مذہبی، تہذیبی اور تبلیغی نقصانات پیدا ہو سکتے ہیں وہ مزید توضیح کے محتاج نہیں، جس طرح ایک جرمنی جرمنی ہے، خواہ عمل کچھ رکھتا ہو کیونکہ وہ جرمن نیشن سے تعلق رکھتا ہے، ایک برہمن برہمن ہے کیونکہ وہ برہمن قوم سے تعلق رکھتا ہے عمل اور عقیدہ خواہ کچھ بھی ہو، اسی طرح ایک مسلمان مسلمان ہو گا خواہ اس کا عقیدہ اور عمل کچھ ہو کیونکہ وہ اسلام نیشن سے تعلق رکھتا ہے اور جس طرح ایک برطانوی کو جرمنی بننے کی دعوت دینا ایک سیاسی چیز ہے مذہب سے اس کا تعلق نہیں، اسی طرح ایک ہندو، عیسائی یا سکھ کو اسلام کی دعوت دینے کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ اس نیشن کا جزو بن جائے جس کا مرکز پاکستان ہے"۔ (ص ۲۹ تا ۴۰)

ہفتم: ..... اور اس سے بھی نازک ترین بات، جس کا ان بزرگوں کو اندیشہ تھا یہ تھی کہ یہ "قومی مسلمان" اہل دین کے وقار کو خاک میں ملا کر ان کی آواز کو خاموش کر ڈالیں گے۔ اس لئے اس مسلم خطہ میں، جو اسلام کے نام پر حاصل کیا جا رہا ہے، اسلام کو پنپنے کا کبھی موقع نہیں ملے گا۔

یہ بات آج شاید سمجھنا اور سمجھانا بھی مشکل ہو، کہ دین کا سارا وقار

علمائے امت کے تقدس واحترام سے وابستہ ہے، اگر دین کے یہ داعی ہی موجود نہ رہیں، یا امت کا رابطہ ان سے کاٹ دیا جائے تو مسلمانوں میں دین کی بہار ایک دن بھی باقی نہیں رہے گی اس کی جگہ کفر والحاد کی خزاں کا دور دورہ ہوگا، تقسیم ملک کی تحریک کے اکثر وبیشتر جوشیلے نوجوانوں نے ان دنوں علمائے امت کے ساتھ جو سلوک روا رکھا، جس طرح اکابر علماو مشائخ کو برہنہ گالیاں دیں، جس طرح ان کی کردار کشی کے لئے نئے نئے فقرے چست کئے، جس طرح ان کی توہین وتذلیل کی اچھوتی ترکیبیں ایجاد کیں ان پر ایک نظر ڈالنے سے اس خدشہ کو تقویت ہوتی تھی کہ یہ تحریک کسی خیر پر منتج نہیں ہوگی۔

یہاں مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کے خط کا متن درج کردینا مناسب ہوگا جو انہوں نے حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو لکھا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دفتر الفرقان بریلی

۲۰ رذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

حضرت مخدومنا۔دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر وعافیت ہو، یہ عریضہ ایک نہایت گہرے تأثر سے لکھ رہا ہوں، امید ہے کہ غور سے ملاحظہ فرما کر جواب سے سرفراز فرمایا جائے گا:

۱:.... حضرت کو غالباً علم ہوگا کہ ۱۹۳۶ء میں جنرل انتخابات کے بعد جب کانگریس نے وزارتیں قبول کرلیں اور

اس کے بعد جو خاص نہج پر ایک سیاسی آویزش شروع ہوئی اور ہمارے بزرگان جمعیۃ نے جو راہ عمل اپنی صولبدید سے اختیار کی تو یہ عاجز اس سے متفق نہ رہ سکا اور جب اس پالیسی میں ترمیم و تبدیلی سے مایوسی ہو گئی تو جمعیۃ کے نظام سے بھی الگ ہو گیا اور عمومی رکنیت سے بھی معذرت کر دی اور اب تک بھی الگ ہی ہوں۔

۲ :..... مسلم لیگ کی سیاست بھی کسی دن دل کو نہیں لگی اور اس لئے اس میں بھی کسی طرح کا کوئی عملی حصہ نہیں لے رہا ہوں۔

۳ :..... لیکن اس انتخابی ہنگامے میں مسلمانوں کے دین واخلاق کا جو خون ہو رہا ہے اور دیانت و آدمیت جس بری طرح پامال اور ذبح کی جا رہی ہے اور شیطنت و درندگی کے تمام اوصاف جس وسیع پیانہ پر امت میں اس وقت فروغ پا رہے ہیں، اخباروں میں اس کا حال پڑھ پڑھ کر اور مقامی حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر مجھ جیسے ایک عامی اور سیاہ کار کے دل پر بھی جو کچھ گزر رہی ہے، لفظوں میں اس کی تعبیر سے عاجز ہوں، میں اپنے تاثر واحساس پر قیاس کر کے قسم کھا سکتا ہوں کہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس دنیا میں تشریف لے آئیں اور ہمارے اس الیکشنی ہنگامے اور اس کے سلسلے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس

سب کو دیکھیں تو یقیناً آپ کو اتنا عظیم صدمہ ہوگا کہ اس سے پہلے شاید کوئی سانحہ اتنا تکلیف دہ نہ ہوا ہوگا، میرا خیال ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کا کافروں کی تلواروں سے شہید ہو جانا اور بڑے بڑے ملکوں کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے ہاتھ میں چلا جانا بھی مزاج نبویؐ کے لئے اتنا تکلیف دہ نہیں جتنا کہ مسلمان قوم کا دین اور اخلاق و آدمیت کو خیرباد کہہ کر شیطان و درندہ بن جانا اور صرف سیاسی اختلاف رائے کی وجہ سے خصوصاً صلحا و علما کی آبروؤں اور جانوں کے درپے ہو جانا۔

۴ :.... اخباری اطلاعات اور دیگر نجی ذرائع سے جو کچھ علم میں آتا ہے اور یہاں بریلی میں جو کچھ خود دیکھ رہا ہوں اس کی بنیاد پر یہ بھی یقین پیدا ہو گیا ہے کہ شیطنت و درندگی کا یہ فروغ اس وقت تک یک طرفہ سا ہے یعنی اس بارہ میں جو ترقیاں ہو رہی ہیں، وہ عموماً لیگ والوں میں ہی ہو رہی ہیں ممکن ہے کہ بعض مقامات پر ایسا نہ ہو یا کہیں اس کے برعکس بھی ہو، لیکن جہاں تک میرا علم و مشاہدہ ہے وہ یہی ہے کہ لیگی کیمپ ہی اس وقت دین و اخلاق کا مذبح بنے ہوئے ہیں اور ظلم و عدوان اور غنڈہ پن کو انہوں نے اپنا ہتھیار بنا لیا ہے کہ جہاں وہ موقع مناسب دیکھتے ہیں اس ہتھیار کو ضرور استعمال کرتے ہیں۔

۵ :..... ۱۹؍ نومبر ۱۹۴۵ء کو یہاں بریلی میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی تشریف لائے تھے، میں چونکہ اس الیکشن سے بالکل یک سو اور غیر متعلق ہوں، اس لئے مجھے مولانا کی تقریر تو سننی نہ تھی البتہ حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے اور اس واسطے کہ اخبارات وغیرہ سے مسلمان قوم کے فسادِ مزاج کا جو عمومی اندازہ مجھے ہو رہا ہے مشاہدہ سے اس کی تصحیح کر سکوں، میں بھی چلا گیا اور خاص جلسہ گاہ میں بیٹھنے کے بجائے ایک الگ تھلگ ایسے مقام پر کھڑا ہو گیا کہ سب کچھ وہاں سے دیکھ سکوں، پھر بد نصیبی نے جو کچھ دکھایا زبان یا قلم سے کسی طرح بھی اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا گالیوں اور بد تمیزیوں کا ایک عجیب و غریب طوفان تھا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب کے سب نہ صرف دین و اخلاق ہی کو خیرباد کہہ کر آئے ہیں، بلکہ ادنیٰ درجہ کی انسانیت کا جامہ بھی اتار کے بھوت اور درندے ہو گئے ہیں، غدار کہہ کہہ کر کسی کے خلاف نعرے لگانا تو آج کل کا عام فیشن ہے اس کا تو ذکر ہی کیا، لیکن اس کے علاوہ جو سخت متعفن اور گندی غلیظ گالیاں ان لوگوں نے بکیں اور خالص حیوانیت و شیطانیت کے جو شرمناک اور انسانیت سوز مظاہرے کئے اور جوتے، ڈنڈے، اور ہاکیاں دکھا دکھا کے جس اخلاق باختگی کا نمونہ دکھایا اور پھر آخر میں جس بے دردی کے ساتھ سارے جلسہ گاہ پر پتھراؤ

کیا جس سے قریبا پچاس ساٹھ یا اس سے بھی زیادہ آدمی زخمی
ہوئے اور جن میں سے بعض رات بھر بے ہوش رہے، جلسہ
گاہ کے گرداگرد کئی جگہ سڑک کوٹنے کے لئے پتھروں کے
ڈھیر لگے ہوئے تھے صرف میرے قریب والے ایک ڈھیر
سے پتھر اٹھا اٹھا کر جو لوگ بلا توقف اور مسلسل پتھر برسا رہے
تھے ان کی تعداد میرے اندازے میں سو کے قریب ہو گی،
مجھے تو حیرت ہے کہ جلسہ گاہ کا کوئی آدمی بھی کیونکر صحیح وسالم
رہا! بہر حال شیطنت اور درندگی کا یہ منظر جن لوگوں نے اپنی
آنکھوں سے نہیں دیکھا یہ واقعہ ہے کہ وہ کبھی بھی اس کا صحیح
اندازہ نہیں کر سکتے - پھر یہ حرکتیں کرنے والے محض جاہل
عوام ہی نہ تھے بلکہ اس کی قیادت کالجوں اور اسکولوں کے وہ
تعلیم یافتہ اور وہ زیر تعلیم طلبہ کر رہے تھے جو اس وقت مسلم
لیگ کی روح حیات اور اس کے جسم کا خون بنے ہوئے ہیں
بلکہ کہنا چاہئے کہ مسلم لیگ اسی طبقہ کا نام ہے اس یورش کے
کرنے والے کئی سو لیگی تھے جن میں غالب تر تعداد ان تعلیم
یافتوں ہی کی تھی، سب سے زیادہ تاریک اور اہل دین کے
لئے قابل غور پہلو اس مظاہرہ کا یہ تھا کہ ہندو یا کانگریس کے
بجائے ان تمام گندگیوں کا نشانہ صرف مولویت اور ملائیت اور
اس کے ازم کو بنایا جا رہا تھا، صاف نظر آ رہا تھا کہ اس سارے
لشکر کو اصل غیظ صرف مولوی اور ملا اور اسلامیت کے ان

بچے کھچے نشانات سے ہے جن کا حامل اب بے چارہ مولوی رہ گیا ہے، پھر یہ سارا طوفان بد تمیزی کسی تقریر پر مطلق نہ تھا بلکہ صرف مولانا کی آمد پر اس انداز سے گویا استقبال کیا گیا تھا- تقریر کی تو نوبت ہی نہیں آئی-

اس طرح کا منظر دیکھنے کا میرے لئے یہ پہلا موقع تھا، اور اب میں اس یقین کو بآسانی اپنے دل سے نہیں دھو سکتا کہ ان لیگی عناصر کے ہاتھ میں کسی اقتدار کا آنا بدترین دشمن دین طاقت کے پاس اقتدار جانے کے مترادف ہے، اور دین اور اہل دین کو جو نقصان اس اقتدار سے پہنچ سکے گا، اگر یہ اپنی خواہشات کے مطابق دین کا مثلہ (صورت بگاڑ دینا) بھی کرنا چاہیں گے اور اہل دین کو اگر پھانسیاں بھی دیں گے تو اسلامی مفاد کا نعرہ لگا کر اور غدار غدار کا شور مچا کر، دین کے اور مسلم قوم کے مفاد کے نام پر عوام مسلمانوں کو بھی اتنا گمراہ کر سکیں گے کہ پھر رائے عامہ ان سے کوئی احتساب نہ کرے گی، انگریز یا ہندو کو کبھی یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی-

کئی سال ہوئے ایک بہت بڑے مسلمان سرکاری عہدہ دار نے (جو غالبا سر کا خطاب بھی رکھتے ہیں) مجھ سے دوران گفتگو میں کہا تھا کہ آپ لوگ اور آپ کے یہ مذہبی گھروندے (مدرسے اور خانقاہیں) صرف اس لئے ہندوستان میں باقی ہیں کہ انگریزی حکومت کی پالیسی ہمارے ہاتھ میں

نہیں ہے جس دن پالیسی بھی ہمارے ہاتھ میں آجاوے گی ہم آپ لوگوں اور آپ کے اڈوں کو ختم کردیں گے اور مداخلت فی الدین کے نعروں سے آپ عوام میں جو ہیجان انگریز یا ہندو کے خلاف پیدا کردیتے ہیں، ہمارے خلاف پیدا نہیں کرسکیں گے، ہم جو کچھ کریں گے مسلمان قوم کو ساتھ لے کر کریں گے، اور رائے عامہ کو اتنا زیادہ تیار کردیں گے کہ وہ آپ لوگوں کو اپنے مفاد کا دشمن اور قابل قتل سمجھنے لگیں گے جیسا کہ ٹرکی میں ہوچکا ہے۔

بریلی میں جس دن سے یہ ہنگامہ دیکھا ہے مجھے برابر ان صاحب کی یہ گفتگو یاد آتی رہتی ہے۔

جس دن سے بریلی میں یہ واقعہ میری آنکھوں نے دیکھا ہے میں دین اور اہل دین کے مستقبل کے بارہ میں سخت فکرمند ہوگیا ہوں۔ یہ واقعہ ہے کہ سیاست ملکی میں عدم توافق کے علاوہ یوں بھی حضرت مولانا مدنیؒ سے میرا ایسا خاص تعلق نہیں ہے جیسا ان کے خواص کو ہوگا اس لئے میرے یہ تاثرات محض ان کی شخصیت کی وجہ سے نہیں، بلکہ میرے نزدیک یہ معاملہ دین اور اہل دین کا ہے اور سب سے زیادہ ہمارے ان حضرات کی توجہ کا مستحق ہے جو لیگ کی حمایت فرمارہے ہیں، میرے نزدیک اس صورت حال کی اصلاح کے لئے یہ بالکل ناکافی ہے کہ کبھی کبھی کسی بیان کے

ضمن میں اس کے متعلق چند لفظ لکھ دئے جائیں بلکہ
ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کی واقعی ضرورت کو محسوس کر کے
اس کو اپنی توجہ اور کوشش کا خصوصی مرکز بنایا جائے،
ہمارے جو بزرگ لیگ کی حمایت میں خیر کا یقین رکھتے ہیں
ان کے لئے ضروری ہے کہ لیگ کے لئے وہ اتنا زیادہ کام عوام
میں آکر کریں کہ عوام سب سے زیادہ ان سے متاثر ہوں،
آزاد خیال مسلمانوں کے طبقے میں اپنی بے انتہا جدوجہد کی وجہ
سے حضرت مدنی کو جو مقام حاصل ہے، اگر آپ حضرات
ایسی ہی بے تحاشا کوشش سے لیگ کی دنیا میں ایسا ممتاز مقام
حاصل نہیں کرتے تو آپ کی موجودہ طرز کی کاغذی حمایت کا
نتیجہ ایک بدترین دشمن دین انسانیت عنصر کو مزید قوت بہم
پہنچانے کے سوا اس نیاز مند کے نزدیک تو کچھ بھی نہ ہوگا،
لہذا میں اپنی کمترینی کا پورا احساس کرتے ہوئے اتنا عرض
کرنے کی جسارت کرنے پر مجبور ہوں کہ جناب والا یا تو
حضرت مدنی کی طرح لیگ کے کام کیلئے کمربستہ ہوں اور کم
سے کم آنے والے صوبجاتی انتخابات تک جناب کے بھی
مسلسل طوفانی دورے ہوں، تاکہ لیگ کی دنیا میں آپ
حضرات کا اثر ورسوخ ہو اور دین کی باتوں کے لئے وہاں
امکانات پیدا ہوں، اور شیطنت کا جو طغیان اس میں اٹھ رہا
ہے، اس کا انسداد ہو سکے، اور اگر طبع سامی اس کے لئے آمادہ

نہ ہو تو لیگ کی موجودہ ہیئت اجتماعیہ ہرگز، اس لائق نہیں ہے کہ بیانات سے اس کی تائید کرکے اس کو تقویت پہنچائی جائے، مجھے معلوم ہے کہ اس طرز کے حمایت کرنے والے حضرات کو لیگی زعما اپنے آلہ کار سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے اور ان کو کوئی وقعت نہیں دیتے، بلکہ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ان کی حمایت کو بھی مخلصانہ اور بے غرض نہیں سمجھتے۔ میں نے خاص تاثر کی حالت میں یہ عریضہ لکھا ہے اور اندازہ ہے کہ اپنے منصب سے یہ میرا تجاوز ہے، اس کے علاوہ بھی نہ معلوم کیا کیا بے اعتدالی سرزد ہو گئی ہو اس لئے استدعا معافی پر ختم کرتا ہوں۔

آخر میں پھر مکرر معروض ہے کہ امت اس وقت جس ابتلا میں ہے اس کیلئے دعائیں بھی فرمائیں اور اصلاح حال کے لئے سعی بھی۔ والسلام۔

خادمکم

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ"

(انوار عثمانی مرتبہ پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی ص ۱۴۶، ۱۵۵)

حضرت مدنیؒ کی توہین کا وبال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد :

نصف صدی پہلے کا قصہ پارینہ ہے کہ جنوری ۱۹۳۸ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے دور جدید کے نظریہ قومیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "موجودہ زمانے میں قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں"۔ لیگی اخبارات نے حضرتؒ کے خلاف یہ پروپیگنڈا شروع کردیا کہ وہ "ملت از وطن است" کے قائل ہیں، اور مسلمانوں کو یہ تلقین کررہے ہیں کہ وہ مذہب کی بجائے وطن کو قومیت کی بنیاد بنائیں"۔ یہ پروپیگنڈا اتنا شدید تھا کہ پورے ملک میں حضرتؒ کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کردیا گیا، اس اخباری مشاغبہ سے متاثر ہوکر علامہ سر محمد اقبال مرحوم نے بھی حضرتؒ کے بارے میں مشہور نظم "عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ" لکھ کر اخبارات میں شائع کرادی۔

علامہ عبدالرشید نسیم، جو طالوت کے قلمی نام سے متعارف تھے، حضرت مدنیؒ اور اقبال مرحوم دونوں کے عقیدت مند تھے، انہوں نے اس قضیہ کو سلجھانے کے لئے حضرت مدنی (نور اللہ مرقدہ) کی خدمت میں اصل واقعہ کی تحقیق کے لئے ایک عریضہ لکھا، حضرتؒ نے اس کا بہت ہی طویل اور مفصل جواب تحریر فرمایا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "ملت از وطن است" کا نظریہ لیگی اخبارات کی تراشیدہ خالص تہمت ہے میں نے اپنی تقریر میں دور جدید کا یہ نظریہ ذکر کیا تھا کہ "قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں"۔ مولانا طالوت مرحوم نے اس مکتوب مدنی کے اقتباسات علامہ

اقبال کو لکھ بھیجے، علامہ اقبال نے حضرت مدنیؒ کی وضاحت سے مطمئن ہو کر اپنا اعتراض واپس لے لیا، اور اخبار میں اس تنقیدی نظم سے رجوع کا اعلان کر دیا، چنانچہ علامہ کا یہ تردیدی بیان اخبار "احسان" لاہور میں مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا، جس کا پورا متن اخباری سرخی کے ساتھ حسب ذیل ہے :

"میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا"۔

(حضرت مدنیؒ کا بیان)

"مجھے اس اعتراف کے بعد ان پر اعتراض کا کوئی حق باقی نہیں رہتا"۔

(علامہ اقبال کا مکتوب)

"قومیت و وطنیت کے مسئلہ پر ایک علمی بحث کا خوشگوار خاتمہ"

جناب ایڈیٹر صاحب "احسان" لاہور السلام علیکم

میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے، اس میں میں نے اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ اگر مولانا کا یہ ارشاد "زمانہ حال میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں" محض بر سبیل تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، اور اگر مولانا نے مسلمانان ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریہ قومیت کو اختیار کر لیں تو دینی پہلو سے مجھے اس پر اعتراض ہے، مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار "انصاری" میں شائع ہوا ہے، مندرجہ ذیل الفاظ ہیں :

"لہٰذا ضرورت ہے کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے، اور ان کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر کے کامیابی کے میدان میں

گامزن بنایا جائے، ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لئے کوئی رشتہ اتحاد بجز قومیت اور کوئی رشتہ نہیں جس کی اساس محض یہی ہو سکتی ہے"۔

ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانان ہند کو مشورہ دیا ہے اسی بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار "احسان" میں شائع ہوا ہے لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طالوت صاحب کے نام آیا جس کی ایک نقل انہوں نے مجھ کو بھی ارسال کی ہے اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں :

"میرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں ہے اور اگر مشورہ مقصود ہے تو وہ خلاف دیانت ہے اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کر لیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈالی جائے، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہئے، یہ خبر ہے، انشا نہیں ہے۔ کسی ناقل نے مشورے کو ذکر بھی نہیں کیا، پھر اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلطی ہے"۔

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا، لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی

حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا' میں مولانا کے ان عقیدت مندوں
کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنہوں نے ایک دینی امر کی توضیح
کے صلے میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں'
خدائے تعالیٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید فرمائے نیز ان کو
یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں' میں ان کے
کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں"۔

(محمد اقبال) (اقبال کے ممدوح علماء ص۸۶ ۸۷)

اس اعلان کے ذریعہ اقبال مرحوم نے ان اشعار سے رجوع کر کے گویا انہیں
اپنے کلام سے قلم زد کردیا' اگر اپنا آخری مجموعہ کلام "ارمغان حجاز" وہ خود اپنی زندگی
میں مرتب کرتے تو یہ منسوخ شدہ تین شعر اس میں راہ نہ پاتے لیکن اس اعلان کے
تین ہفتہ بعد ۲۱ اپریل ۳۸ء کو علامہ اقبال مرحوم اس دار فانی سے رحلت فرماگئے' ان
کی وفات کے بعد اکتوبر ۳۸ء میں ان کا آخری مجموعہ "ارمغان حجاز" کے نام سے شائع
ہوا' اس کے آخر میں یہ تین شعر بھی "حسین احمد" کے عنوان سے شامل کردیئے
گئے۔

حالانکہ دیانت وامانت کا تقاضا یہ تھا کہ قلمزدہ اشعار اس میں شامل نہ کئے جاتے
اور اگر مرتبین کے نزدیک یہ تین شعر وحی مقدس کا درجہ رکھتے تھے' جس کی حفاظت
ان پر لازم تھی تو دیانت وامانت کا کم سے کم تقاضا تو یہ تھا کہ ان پر ایک نوٹ لکھ دیا
جاتا کہ مصنف نے ۲۸ مارچ ۳۸ء کو اس "وحی مقدس" سے رجوع کا اعلان کر کے
اس کو منسوخ کردیا تھا' "اقبال کے ممدوح علما" کے مولف جناب قاضی افضل حق
قرشی صاحب لکھتے ہیں :

" اقبال اور مولانا مدنیؒ" کا قضیہ جناب طالوت کی کوششوں سے

اختتام پذیر ہوا دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھا اور بالآخر حضرت علامہ نے فرمایا "میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا..." مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں"۔

(انوار اقبال ص ۱۷۰)

لیکن نجانے ارمغان حجاز کے مرتبین نے پھر بھی کن مصلحتوں کے تحت وہ اشعار کتاب میں شامل کرلئے۔ حضرت علامہ کے بعض دوستوں اور ماہرین اقبالیات کی رائے ہے کہ اگر یہ مجموعہ حضرت علامہ کی زندگی میں چھپتا تو یہ اشعار اس میں شامل نہ ہوتے۔ جناب خواجہ عبد الوحید لکھتے ہیں :

"ارمغان حجاز اگر حضرت علامہ علیہ الرحمتہ کی زندگی میں چھپتی تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی"۔

(اقبال ریویو جنوری ۱۹۶۹ء ص ۶۷)

ڈاکٹر عبد السلام خورشید "سرگزشت اقبال" میں تحریر فرماتے ہیں :

"اگر وہ ارمغان حجاز کی ترتیب اپنی زندگی میں کرتے تو شاید وہ یہ تین اشعار درج نہ کرتے جن میں مولانا حسین احمد مدنی پر چوٹ کی گئی تھی"۔ (سرگزشت اقبال ص ۴۷۵)

(اقبال کے ممدوح علما ص ۸۸۔ ۸۹)

آج کی صحبت میں اس قصہ پارینہ کو زیر بحث لانے سے میرا مقصد نہ تو حضرت

شیخ الاسلام (نور اللہ مرقدہ) کا دفاع ہے' اور نہ ان غلطیوں کی نشاندہی ہے جو اقبال مرحوم سے اس تین شعری نظم میں شعری حیثیت سے سرزد ہوئیں' یہ دونوں بزرگ اللہ تعالٰی کے حضور پہنچ چکے ہیں' امید ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے مرتبہ ومقام سے' جو انہیں اللہ تعالٰی کے یہاں حاصل ہے آگاہ ہو چکے ہوں گے۔

حدیث میں ہے :

لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الی ما قدموا۔ (صحیح بخاری ص۱۸۷ ج۱)

ترجمہ(:"مسلمان) مردوں کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ اس تک پہنچ چکے ہیں"۔

اس لئے آج کی گفتگو سے مقصود کسی بزرگ کی تقریظ یا تنقید نہیں' بلکہ صرف اس سوال پر غور کرنا ہے کہ ان منسوخ شدہ اشعار کو کلیات اقبال سے خارج کیوں نہیں کیا گیا۔ اس کے اسباب و علل کیا تھے؟ اس کے ظاہری اسباب تو "ارمغان حجاز" کے مرتبین کے علم میں ہوں گے یا علامہ مرحوم کے صاحبزادہ جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب ان اسباب و علل سے پردہ ہٹا سکیں گے۔ مرتبین کے ساتھ حسن ظن سے کام لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ اقبال کے آخری شعر :

بہ مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر باو نہ رسی ہمہ بولہبی است

میں ایک حکیمانہ اور جاودانی پیغام تھا اس لئے ان کو گوارا نہ ہوا کہ اس پیغام کو ضائع کردیا جائے' اور اسے آئندہ نسلوں تک نہ پہنچایا جائے' اس کے باوجود یہ سوال

بدستور باقی رہتا ہے کہ ان اشعار کو اگر ناگزیر مصلحت کی بنا پر "ارمغان حجاز" میں بھرتی کرنا ہی ضروری تھا تو کم سے کم اس مضمون کا نوٹ ہی لکھ دیا جاتا کہ :

" مولانا حسین احمد مدنی کی طرف ان اشعار میں جو بات منسوب کی گئی ہے کہ وہ "ملت از وطن است" کے قائل ہیں' قطعاً خلاف واقعہ ہے' علامہ اقبال کو ایک غلط اطلاع کی بنا پر غلط فہمی ہوئی تھی' اس لئے انہوں نے حمیت اسلامی کے جذبہ سے مولانا مدنی پر شدید تنقید کی' لیکن جب موصوف کو حقیقت حال پر اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنی یہ تنقید واپس لے لی' اور ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کے اخبار "احسان" لاہور میں اپنا بیان شائع کروادیا کہ اس کے بعد مجھے مولانا پر کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا"۔

ایسا نوٹ لکھنا جس طرح ۱۹۳۸ء میں فرض تھا آج نصف صدی کے بعد ۱۹۸۷ء میں بھی فرض ہے اور "ارمغان حجاز" کے مرتبین اور اقبال کے وارثین کے بارے میں خواہ کیسے ہی حسن ظن سے کام لیا جائے وہ اس خلاف دیانت کاروائی سے کبھی عہدہ بر آ نہیں ہوسکتے۔ ہم علامہ اقبال مرحوم کے فرزند ارجمند جناب جسٹس جاوید اقبال سے گزارش کریں گے کہ یہ خلاف دیانت کاروائی ارمغان حجاز کے لئے' اس کے مرتبین کے لئے' بلکہ خود ان کے والد گرامی قدر علامہ اقبال مرحوم کے لئے بھی نہایت ننگ وعار کی موجب ہے' ان کا فرض ہے کہ اس خیانت وبددیانتی اور اس ننگ عار کے غلیظ دھبے سے کتاب کو پاک کریں اور مندرجہ بالا مضمون کا نوٹ لکھ کر اخبارات میں شائع کردیں' جس سے نہ صرف پچاس سالہ خیانت و تہمت تراشی کے گناہ سے توبہ ہوجائے گی بلکہ وہ اپنے والد بزرگوار کی سنت ایک بار پھر تازہ کرنے والے ہوں گے۔ اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ظاہر ہے کہ جب تک یہ کتاب دنیا

میں موجود رہے گی اس تہمت تراشی کا گناہ ہمیشہ ان کے حصے میں آتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے پر کسی ناکردہ گناہ کا الزام عائد کرنا تہمت اور بہتان ہے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ جیسے سرتاج اولیا پر ایسی تہمت تراشی ایک مہلک زہر ہے۔ جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب ان اشعار پر ایسا نوٹ شائع کرکے آج بھی اس زہر کا تریاق مہیا کر سکتے ہیں، لیکن کل جب آنکھیں بند ہوں گی تو اس کا کوئی تدارک نہیں کر سکیں گے :

من نمی گویم کہ دربند زیاں یا سود باش!
اے ز فرصت بے خبر در ہرچہ خواہی زود باش

حق تعالیٰ شانہ کے ہر کام میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں، "فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ" کا مقولہ زبان زد خاص وعام ہے، راقم الحروف ایک دن اس پر غور کر رہا تھا کہ آخر اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہوگی کہ علامہ اقبال مرحوم نے حضرت شیخ الاسلام مدنی (نور اللہ مرقدہ کے بارے میں کہے گئے اشعار سے رجوع کر لیا تھا مگر ان اشعار نے اقبال سے آج تک رجوع نہیں کیا، وہ نصف صدی سے کلام اقبال میں چلے آتے ہیں، اقبال کے کسی خیر خواہ اور کسی نیاز مند کو آج تک ان پر نوٹ لکھنے کی توفیق نہیں ہوئی اور ان اشعار کی آڑ لے کر ایسے لوگ بھی حضرت شیخ الاسلام مدنی (نور اللہ مرقدہ) کی پوستین دری کرتے آرہے ہیں جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں، یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے، چنانچہ ابھی چند دن پہلے ایک صاحب نے روزنامہ جنگ کے کالموں میں اقبال کے انہی اشعار کے حوالے سے گل افشانیاں کی تھیں، آخر ایسا کیوں ہوا؟ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت کار فرما تھی؟

حق تعالیٰ شانہ کے کاموں کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے، مگر غور و فکر کے

دوران اس ناکارہ کا ذہن دو باتوں کی طرف گیا :

ایک یہ کہ کسی مقبول بارگاہ خداوندی کو بالفرض اگر ساری دنیا بھی برا کہتی پھرے تو اس سے اس برگزیدہ شخصیت کی مقبولیت عند اللہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ ظاہر ہے کہ جو شخص اس بارگاہ عالی میں مقبول ہو اس کے بارے میں اہل دنیا کی طعن و تشنیع "غوغائے سگاں" کی حیثیت رکھتی ہے اور پھر مخلوق کی زبان طعن سے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی محفوظ نہیں' تابہ دیگراں چہ رسد؟ دراصل سنت اللہ یونہی چلی آتی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ بعض برگزیدہ ہستیوں کی محبت وعداوت کو اہل حق اور اہل باطل کی شناخت کا معیار بنادیتے ہیں مثلاً :

قافلہ انسانیت میں سب سے مقدس ترین جماعت انبیا کرام علیہم السلام کی ہے جن سے محبت وعداوت ایمان وکفر کا معیار ہے' لیکن کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کو سبھی نے مان لیا ہو بلکہ ہر نبی کے مقابلہ میں بدبختوں کا ایک ٹولہ ہمیشہ رہا جو ان مقدس ہستیوں پر زبان طعن دراز کرکے اپنے لئے جہنم کا گڑھا کھودتا رہا' قرآن کریم میں ارشاد ہے :

وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا ولو شاء ربک ما فعلوہ فذرھم وما یفترون۔ (الانعام۔ ۱۱۲)

ترجمہ :"اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے' کچھ آدمی اور کچھ جن' جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ

ان کو دھوکہ میں ڈال دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کرسکتے' سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کررہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے"۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے افضل وبرگزیدہ جماعت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہے' اور اس جماعت کے سرکردہ اور گل سرسبز حضرات خلفائے راشدینؓ ہیں' بعد از انبیا انہی کا مرتبہ ہے انبیا کرام علیہم السلام کے بعد ان کے مرتبہ کا کوئی شخص ہوا نہ ہوگا' اور نہ ہوسکتا ہے' انبیا کرام علیہم السلام کو مستثنیٰ کردینے کے بعد پوری نوع انسانی میں سب سے افضل (علی الترتیب) خلفائے راشدینؓ ہیں' ان کی عظمت وتقدس' ان کے فضائل وکمالات' ان کے مرتبہ بلند اور ان کی جلیل القدر خدمات کا تقاضا یہ تھا کہ پوری امت اسلامیہ ان کی احسان شناس ومدح خواں ہوتی' ان کی رفعت وجلالت اور امت پر ان کے احسانات کے آگے پوری امت کی گردنیں جھک جاتی ہیں' اور کسی کو بھی ان کی ذات گرامی سے اختلاف نہ ہوتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں بھی ایسا نہیں ہوا بلکہ بے دینوں کا ایک ٹولہ' جو اپنے تئیں امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات) میں شمار کرتا ہے' حضرات خلفائے راشدینؓ سے بغض وعداوت ہی کو دین وایمان سمجھتا ہے' اس کے نزدیک ان مقدسین پر تبرے بولنا ہی بڑی عبادت اور کار ثواب ہے۔ اس کے خیال میں پوری نسل انسانی میں خلفائے راشدینؓ سے بدتر کوئی آدمی شاید پیدا ہی نہیں ہوا' نعوذ باللہ' استغفر اللہ' اور انہی مارقین کا ایک گروہ خلیفہ چہارم امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ کو "شرالبریہ" تصور کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان بدباطنوں کی اس ہرزہ سرائی سے حضرات خلفائے راشدین

رضی اللہ عنہم کا کیا بگڑتا ہے، وہ تو آج بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت سے لپٹے ہوئے ہیں اور پس از مرگ بھی "محمد رسول اللہ والذین معہ" کی جیتی جاگتی شہادت پیش کررہے ہیں، البتہ ان کا وجود گرامی اہل حق اور اہل باطل کی شناخت کا معیار بن گیا ہے، ان اکابر سے بغض وعداوت رکھنے والا خود اپنے خبث باطن کا اظہار کرتا ہے اور اس کی شہادت دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشادات کا مصداق ہے : نولہ ما تولٰی ونصلہ جھنم

ترجمہ :"ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے"۔ (النساء۔ ۱۱۵)

اور لیغیظ بھم الکفار۔(الفتح۔ ۲۹)

ترجمہ :"تاکہ ان سے کافروں کو جلاوے"۔

اور خلفائے راشدینؓ کے خلاف بدباطنوں کی ہرزہ سرائی ان اکابر کے رفع درجات کا ایک مستقل ذریعہ ہے۔

ائمہ مجتہدین میں حضرت الامام ابو حنیفہؒ کا جو مقام ہے وہ کسی صاحب علم ودانش سے مخفی نہیں انہیں تابعیت کا شرف حاصل ہے، ان کے علم وفضل اور شرف ومنزلت کی بنا پر اکابر امت نے انہیں فقیہ الامت، فقیہ الملت، امام الائمہ اور امام الاعظم ایسے القاب سے یاد کیا، لیکن حرماں نصیبوں کا ایک گروہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے جو ان کی عیب چینی وپوستیں دری پر فخر کرتا ہے، اور حضرت الامامؒ سے ایسے گھناؤنے الزامات منسوب کرتا ہے جن کا کسی ادنیٰ مسلمان کے بارے میں تصور نہیں کیا جاسکتا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک طرف حضرت الامامؒ کے لئے رفع درجات کا سامان کردیا اور دوسری طرف اہل حق اور اہل بطالت کی شناخت کا ان کی شخصیت کو معیار بنادیا،

اپنی کتاب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" حصہ دوم میں امام عبد العزیز بن ابی رواد (م۱۵۹ھ) کا قول نقل کرچکا ہوں :

"جو شخص امام ابو حنیفہؒ سے محبت رکھے وہ سنی ہے اور جو ان سے بغض رکھے وہ بدعتی ہے"۔ اور ایک روایت میں ہے "ہمارے پاس لوگوں کو جانچنے کے لئے ابو حنیفہؒ معیار ہیں، جو ان سے محبت اور دوستی رکھے وہ اہل سنت میں سے ہے اور جو ان سے بغض رکھے، ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ بدعتی ہے"۔

(الخیرات الحسان ص ۴۲)

حافظ مغرب ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد ابن عبد البر القرطبی المالکی (۴۶۳ ھ) حضرت الامامؒ کی برات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" داناؤں کا قول ہے کہ گزشتہ بزرگوں میں کسی شخصیت کے عبقری ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے بارہ میں دو متضاد انتہا پسندانہ رائیں ہوں جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوئے، ایک حد سے بڑھ کر دوستی کرنے والا اور دوسرا حد سے بڑھ کر دشمنی کرنے والا اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ "تیرے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوں گے، ایک محب مفرط، دوسرا مبغض مفرط"۔ اور وہ عبقری شخصیتیں جو دین وفضل میں آخری حد تک پہنچ گئی ہوں ان کے بارے میں لوگوں کی آرا اسی طرح متضاد اور انتہاپسندانہ ہوا کرتی ہیں"۔

(جامع بیان العلم ص۱۴۹)

ہمارے دور میں شیخ الاسلام مجاہد فی سبیل اللہ حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہ کے بارے میں بھی یہی سنت اللہ رونما ہوئی' حضرت کی جامع شخصیت بھی ایسی ہی معیاری تھی جس نے متفرق کمالات میں بلندیوں کی آخری حدوں کو چھو لیا تھا اور جس کے بارے میں لوگوں کی انتہا پسندانہ متضاد آرا قائم ہوئیں۔ حضرتؒ کی جامعیت کے سلسلہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے حضرت بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں :

"قدرت نے حضرت علیہ الرحمہ میں ایسے مختلف الانواع کمالات رکھے تھے اور ایسے اضداد جمع کئے تھے کہ حقیقت افسانہ معلوم ہوتی ہے اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا' اب سے ٹھیک بیس برس قبل جامعہ ازہر قاہرہ کی طرف سے علما ازہر کا ایک وفد ہندوستان کے علمی اداروں کے معائنہ اور علمی روابط پیدا کرنے آیا تھا' وفد کے رئیس الشیخ ابراھیم الجبالی تھے جو ممتاز عالم دین تھے اور نہایت ذکی اور بے مثل خطیب تھے' شیخ جبالی اپنے رفقا الاستاذ عبد الوہاب النجار اور الشیخ احمد العدوی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند بھی پہنچے یہ وہ دور تھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم کے صدر تھے' اور حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ ایک ماہ کی رخصت پر تھے اور ہندوستان کا دورہ کررہے تھے اس زمانہ میں سیاسی معرکہ آرائی کا بازار گرم تھا' مسلم لیگ کا عروج شروع ہوگیا تھا اور مسلم لیگ کی مخالفت یا نہ موافقت کفر سے کم جرم نہ تھا۔

دارالعلوم دیو بند میں حضرت مولانا عثمانیؒ نے ان کے شایان شان استقبال کیا' حضرت مولانا مدنیؒ کو بھی اپنا دورہ ملتوی کرنے کے

لئے تار دیا تاکہ وہ تشریف لائیں لیکن حضرت نے اپنا دورہ جاری رکھنا ضروری سمجھا' اور حاضری کے لئے معذرت پیش کی اس وجہ سے شیخ جبالی مرحوم کی ملاقات حضرت علیہ الرحمہ سے نہ ہو سکی' میں اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تھا اور اسی زمانہ میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے بمعیت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری ایک علمی خدمت کے سلسلہ میں مصر کا سفر پیش آیا قاہرہ پہنچے تو شیخ جبالی سے ملاقات ہوئی بے حد اکرام سے پیش آئے اور پر تکلف دعوت طعام سے تواضع کی۔ ملاقات کے دوران میں نے چند مشاہیر کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی اور پھر حضرت مولانا مدنیؒ کے بارے میں دریافت کیا کہ حضرت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ میری ملاقات خود براہ راست موصوف سے نہ ہو سکی تاکہ میں خود کوئی رائے قائم کرتا لیکن ان کے مخالفین اور ان کے معتقدین دونوں سے ایسے متضاد بیان سنے ہیں کہ ان بیانات کے پیش نظر یہ رائے قائم کی ہے "ھو اما ملک واما شیطان"۔ پھر فرمایا کہ تم فیصلہ کرو کہ دونوں میں کون سا فیصلہ صحیح ہے؟ میں نے عرض کیا "ھو ملک"۔ "جی ہاں وہ فرشتہ تھے"۔

(روزنامہ "الجمعیت" دہلی شیخ الاسلام نمبر ص ۲۸)

حضرتؒ کی سیاسی رائے سے تو دیانت داری کے ساتھ اختلاف ہو سکتا تھا' اور واقعہ یہ ہے کہ بہت سے اکابر کو ہوا بھی' اختلاف رائے ایک فطری امر ہے' لیکن جو حضرات' حضرتؒ کے روحانی مرتبہ ومقام سے آشنا تھے' وہ حضرتؒ کی شان میں سوء

ادب کو گناہ عظیم سمجھتے تھے، حضرت اقدس مولانا محمد الیاس دہلوی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ شورش کاشمیری مرحوم نے نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :

"یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب تحریک پاکستان کا آفتاب نصف النہار پر تھا، ان دنوں دہلی میں مسلم لیگ کا ایک جلسہ عام تھا کسی نہ کسی طرح مسلم لیگ کے مقامی رہنما، مولانا محمد الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت کو جلسہ میں لے آئے۔ خوب دھواں دھار تقریریں ہوئیں، تقریباً تمام یاوہ گو مقرروں نے مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلاف انتہائی گندی زبان استعمال کی اور اس طرح اپنا نقطہ نگاہ پیش کیا، یہی ان کا سرمایہ تھا، اور شاید اس کے سوا کچھ جانتے نہ تھے، ان کا خلاصہ بیان اس پر ختم ہوتا کہ شیخ الاسلام حسین احمد نہیں، مولانا محمد الیاسؒ ہیں اور ان کی تعریف میں دوچار زور دار کلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم کردیتے، آخر میں مولانا محمد الیاسؒ نے خطاب کیا اور صرف چند کلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم کردی، مولانا نے فرمایا کہ :

"مولانا کی سیاسی رائے میری سمجھ سے بالا ہے، اگر میں ان سے اتفاق کرتا تو ان کی کفش برداری کرتا، لیکن میں ان کی ذات کے خلاف کوئی کلمہ اپنی زبان پر لاکر جہنم کی آگ خریدنا نہیں چاہتا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے مرتبہ سے آگاہ ہوں، اس قسم کا حوصلہ وہی نوجوان کرسکتے ہیں جو حسین احمدؒ کے درجہ ومقام سے واقف نہیں ہیں، اور نہ قرآنی اخلاق کی اسلامی حدود سے بہرہ ور ہیں"۔

(ماہنامہ "الرشید" ساہیوال "مدنی واقبال نمبر" ص ۳۳۲)

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ جو حضرت مدنیؒ کے سب سے بڑے سیاسی حریف تھے، ان کا ایک ارشاد حضرت مدنیؒ کے بارے میں حضرت بنوریؒ نے ایک واقعہ کے ضمن میں نقل کیا ہے، حضرت فرماتے ہیں :

"دارالعلوم دیو بند میں ایک مرتبہ طلبہ اور بستی والوں میں فساد کی صورت پیدا ہوگئی، طلبہ مظلوم تھے اس لئے ان کو انتقام کی فکر تھی، جذبات اتنے مشتعل تھے کہ ان پر قابو پانا طاقت سے باہر تھا، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی صدارت میں اساتذہ وطلبہ کا ایک اجتماع ہوا اس موقع پر حضرت نے ایک تقریر فرمائی ظاہر ہے کہ حضرت صرف خطابت کی حیثیت سے ایسے ممتاز خطیب نہ تھے کہ صرف زور خطابت سے مجمع پر قابو پاتے لیکن قدرت نے جو روحانی طاقت دی تھی ایسے موقع پر اس کا ظہور ہوا اور جس موثر انداز میں تقریر فرمائی آج پندرہ سال بعد بھی اس کی آواز میری سامعہ میں گونج رہی ہے، موضوع تقریر یہ تھا کہ مظلوم بننا کتنا مفید ہے اور انتقام اگرچہ برحق ہو اس حق کو چھوڑنا اللہ تعالیٰ کی کن رحمتوں کا ذریعہ بنتا ہے میں نے درجنوں تقریریں حضرتؒ کی سنی تھیں، لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ مشکل وقت میں جہاں لوگوں کے حوصلے ختم ہوچکے تھے ایسی موثر ترین تقریر فرمائی ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آگ پر آسمان سے پانی برس رہا ہے ایک گھنٹہ کی تقریر میں سارے مشتعل جذبات ایسے سرد ہوگئے کہ گویا ایک شیطانی طلسم تھا فرشتوں کے ظہور سے ایک آن میں ٹوٹ گیا، ہر طرف سکون ہی سکون تھا، حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت علیہ الرحمہ کی

تقریر کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ بھائیو! "اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں میرے علم میں بسیط ارض پر شریعت و طریقت و حقیقت کا حضرت مولانا سے بڑا کوئی عالم موجود نہیں"۔

(روزنامہ "الجمعیت" دہلی، شیخ الاسلام نمبر ص ۲۸)

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا یہ فقرہ نقل کرکے حضرت بنوریؒ لکھتے ہیں:

" جب وقت کے بڑے محقق و اہل کمال حضرت علیہ الرحمہ کو اپنی خصوصیات و کمالات میں آیہ من آیات اللہ اور حجۃ اللہ علی الخلق سمجھتے تھے تو میری بساط ہی کیا ہے کہ کچھ کہا جاسکے...."۔

(حوالہ مذکور)

اس کے برعکس حضرتؒ کی شان میں سوء ادب اہل باطل و اہل بطالت کا شعار رہا ہے، تحریکات کے زمانے میں جن لوگوں نے لیگیت کے جوش جنون میں حضرتؒ کی توہین و تذلیل کرکے اپنی بد نصیبی کا مظاہرہ کیا اسے تو بعض لوگ وقتی اشتعال و ہیجان کہہ کر ٹال سکتے ہیں، لیکن قدرت کو منظور تھا کہ امت کی دیگر نابغہ شخصیتوں کی طرح حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمہ اللہ کی شخصیت کو بھی اہل بطالت کی شناخت کا معیار بنادیا جائے، اور وہ ہمیشہ اپنا نامہ عمل سیاہ کرکے حضرتؒ کی بلندی درجات کا سامان کرتے رہیں، یہ وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خفیہ ہاتھوں نے اقبال کے رجوع کے باوجود ان اشعار کو کلام اقبال سے حذف نہیں ہونے دیا۔

اقبال کے رجوع کے باوجود ان اشعار کے باقی رہنے کی حکمت کے سلسلہ میں دوسری بات یہ ذہن میں آئی کہ اقبال کے آخری شعر:

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ او نہ رسی ہمہ بولہبی است

میں "وطنی قومیت" کے نظریہ کو "بو لہبی" کہا گیا تھا' اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان اشعار کے ساڑھے نو سال بعد اگست ۱۹۴۷ء میں دنیا کے مطلع پر "پاکستان" طلوع ہو گا اور یہ ملک جسے مانگنے والوں نے خدا اور رسول کے نام پر مسلم قومیت کا واسطہ دے کر مانگا' اس میں اسی "وطنی قومیت" کا سکہ چلے گا' جسے اقبال "بولہبی" فرمارہے ہیں' اس وقت بو الہوسوں کے اس ٹولہ میں' جو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلاف سیخ پا ہے' ایک بھی ایسا نہیں ہو گا جو اس بو لہبی کو اپنانے پر لب کشائی کرے بلکہ سب کی زبانیں اس وقت گنگ ہو جائیں گی' اقبال کے ان اشعار کا محفوظ رہنا بڑا ضروری ہے' کیونکہ اقبال کے یہی اشعار اس وقت "آئینۂ بولہبی" کا کام دیں گے' جس میں ان لوگوں کو ان کا بھیانک چہرہ دکھایا جا سکے گا۔

پاکستان میں اس "بولہبی" کا کس طرح تسلط ہوا' اور اس نے یہاں کیا کیا گل کھلائے' اس کی ایک دو جھلکیاں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں :

۱:— پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا' اور اس سے تین دن پہلے قائد اعظم محمد علی جناح نے دو قومی نظریہ سے دستبرداری کا اعلان کردیا' یہ کہانی شاہراہ پاکستان" کے مصنف چوہدری خلیق الزمان صاحب سے سنئے' وہ لکھتے ہیں :

"سرسید کے بعد نواب محسن الملک نے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کرکے اسے برٹش گورنمنٹ سے قبول کرالیا' گو مسٹر جناح جداگانہ انتخاب کی سنہ ۱۹۳۵ء تک ہمیشہ مخالفت کرتے رہے مگر سنہ ۱۹۴۰ء میں انہوں نے بھی مسلمانوں کو ایک علیحدہ نیشن کہنا شروع کیا' اس کا کوئی خاص فرق ہندوستانی سیاست میں اس وقت تک نہ پڑا جب تک انگریزی اقتدار قائم رہا بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ

اس سے غیر ممالک میں مسلم لیگ کا مطالبہ زائد صحیح بنیاد پر نظر آنے لگا، مگر اس کا اتنا مہلک اثر مسلم اقلیتوں پر تقسیم ہند کے بعد پڑا کہ اللہ کی پناہ، یعنی ۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو چار کروڑ مسلمان ہندوستان میں نہ پاکستانی تھے اور نہ ہندوستانی، مختلف مذہبی اقلیتیں تو ایک ملک میں رہ سکتی ہیں مگر مختلف نیشنل اقلیتیں بہ حیثیت شہری کے ملک میں نہیں رہ سکتی تھیں اور تمام صوبوں کے مسلمان فوراً تقسیم کے بعد اس کسمپرسی میں مبتلا ہو گئے تھے جب مسٹر جناح نے پاکستان کو دس کروڑ مسلمانوں کا ہوم لینڈ یا وطن کہا تھا تو انہیں مسلمانوں کے ہندوستان سے انخلا کا سامان بھی مہیا کر لینا تھا، چہ جائیکہ تقریباً نصف مسلم آبادی کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا۔

یہ دو نیشن نظریہ (قوم نہیں بلکہ نیشن اپنے تمام وسیع معنوں میں) تقسیم ہند کے بعد ان چار کروڑ مسلمانوں کے لئے جو ہندوستان میں رہ گئے ہیں بڑا ہولناک ثابت ہوا کیوں کہ ۱۴ اور ۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو وہ نہ پاکستانی نیشن رہ گئے اور نہ ہندوستانی، جس کی وجہ سے ان پر بدترین مصائب نازل ہوئے، یکم اگست ۴۷ء کو مسٹر جناح نے ہندوستان کے اقلیتی نمائندوں سے رخصت ہونے کے لئے ان کو بلوالیا، اس موقعہ پر سید رضوان اللہ سیکریٹری یوپی مسلم لیگ اور ممبر کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی نے اقلیتی مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق جناح صاحب سے کچھ بہت ٹیڑھے سوالات کئے جن سے وہ بہت پریشان نظر آئے، اس سے پہلے انہیں اس قدر پریشان میں نے نہیں دیکھا تھا، گفتگو کی یہ نوعیت دیکھ کر میں نے اسے ختم کرانا ہی مناسب

سمجھا' اور رضوان اللہ سے کہا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہوچکا اب اس کا اعادہ کرنا ضروری نہیں ہے' اس کے بعد ہم سب ان سے رخصت ہو کر چلے آئے' اس گفتگو کا اثر مسٹر جناح پر اتنا گہرا اور عمیق پڑا کہ گیارہ اگست ۱۹۴۷ کو بحیثیت ہونے والے گورنر جنرل پاکستان اور پاکستان انسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے پریزیڈینٹ کے انہوں نے اولین موقعہ پر دو قومی نظریہ کو اپنی ایک تقریر کے ذریعہ بالکل ختم کردیا۔ ان کی تقریر یہ تھی :

"اب اگر ہم پاکستان اسٹیٹ بافراغت اور خوش دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم کو کلیۃً عوام کی خصوصاً غربا کی خدمت میں لگ جانا چاہئے اگر ہم سب گزشتہ واقعات کو بھلاکر اور اختلاف کو ختم کر کے متحدہ طور سے کام میں مشغول ہوجائیں تو ہم ضرور کامیاب ہوں گے' اگر ہم اپنا ماضی بدل ڈالیں اور سب مل کر یک جہتی سے کام شروع کردیں' خود تم کسی قوم کے ہو' خواہ تمہارے آپس کے تعلقات پہلے کچھ ہی رہے ہوں خواہ تمہارا رنگ ذات اور دین کچھ ہی رہا ہو' مگر وہ اب ہر صورت سے پاکستان کا شہری ہے' جس کے تمام وہی حقوق اور وہی ذمہ داریاں ہیں جو کسی اور کے ہیں میں اس سے زائد اور اس پر زور نہیں دے سکتا' ہم کو اسی جذبہ سے کام کرنا ہے اور تھوڑے عرصہ میں اکثریت اور اقلیت ہندو قوم اور مسلم قوم کے قصے ختم ہوجائیں گے کیوں کہ خود مسلمانوں میں پٹھان' پنجابی اور شیعہ سنی وغیرہ ہیں اور اسی طرح ہندوؤں میں برہمن' ویش کھتری اور بنگالی اور مدراسی وغیرہ یہ سب دور ہوجائیں گے اگر

آپ مجھ سے پوچھیں تو حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی میں
یہی مختلف حالات حارج رہے ورنہ ہم بہت پہلے آزاد ہو گئے ہوتے'
آپ کسی مذہب' ذات یا عقیدے کے ہوں اس کو اسٹیٹ کے کام
سے کوئی واسطہ نہیں ہے"۔

"یہ واضح اور روشن تبدیلی ہمارے سیاسی مسلک میں ایسے
وقت آئی جب کہ لاکھوں مسلم جانیں جاچکی تھیں' اور لاکھوں کی
نوبت آرہی تھی اور اس سے زائد یہ کہ لاکھوں خاندان اور افراد
اپنے آبائی وطن اور ماحول کو خیرباد کہہ کر پاکستان کی طرف چل پڑے
تھے"۔ (شاہراہ پاکستان صفحات ۹۴۲ تا ۹۴۴)

"محمد علی جناح" کے مصنف نے قائد اعظم کی تقریر کے یہ الفاظ نقل
کئے ہیں :

"اب تم سب آزاد ہو اور پاکستان میں تمہیں اس بات کی
پوری آزادی ہے کہ اپنے مندروں' مسجدوں اور دوسری عبادت
گاہوں میں جاکر اپنے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرو' ہمارا یہ
بنیادی اصول ہے کہ ہم سب ایک مملکت کے شہری اور مساوی
حقوق کے مالک ہیں' یہ اصول مذہب' معتقدات اور ذات پات کے
امتیاز سے بالاتر ہے' اگر ہم سب اس اصول کو اپنا معیار بنالیں تو مجھے
یقین ہے کہ کچھ عرصے بعد نہ ہندو' ہندو رہیں گے' نہ مسلمان'
مسلمان' اس سے میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ اپنے اپنے مذہب
پر قائم نہ رہیں گے' مطلب یہ ہے کہ سیاسی اعتبار سے اور پاکستان

کے شہری ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہوں گے' جہاں تک
مذہب کا تعلق ہے یہ ہر فرد کے ذاتی اعتقاد کا معاملہ ہے"۔

(محمد علی جناح ص۲۹۶ ناشر مرکزی' اردو بورڈ لاہور)

(بحوالہ ماہنامہ "الرشید" ساہی وال مدنی و اقبال نمبر)

یہ وہی بات ہے جو حضرت مدنیؒ نے فرمائی تھی' اور جسے اقبال نے" : گر باو نہ رسی ہمہ بولہبی است"

فرمایا۔ البتہ حضرت مدنیؒ کے بیان میں اور بانی پاکستان کے اعلان میں چند وجوہ سے فرق تھا :

الف :۔۔۔ حضرت مدنیؒ "وطنی قومیت" کو اپنے عقیدہ کے طور پر بیان نہیں فرمارہے تھے بلکہ دور جدید کا نظریہ قومیت نقل فرمارہے تھے' جب کہ بانی پاکستان "وطنی قومیت" کو بطور اصول کے پاکستان میں نافذ فرمارہے تھے۔

ب :۔۔۔ حضرت مدنیؒ وطنی قومیت کے مغربی ہتھیار کو خود مغرب ہی کے خلاف استعمال کرنے اور اس کے ذریعہ غلام ہندوستان کو آزاد کرانے کی دعوت دے رہے تھے' اور بانی پاکستان ایک نو مولود آزاد اسلامی مملکت کو' جو صرف اسلام کی خاطر حاصل کی گئی تھی' وطنی قومیت کی یہ "جنم گھٹی" دے رہے تھے۔

ج :۔۔۔ حضرت مدنیؒ اس نظریہ کو متحدہ ہندوستان میں پیش فرمارہے تھے' اور اس کے ذریعہ ہندوستان کی مسلم اقلیت کو ہندوؤں کی اکثریت کے برابر کھڑا کرکے انہیں دیگر ہم وطنوں کے مساوی حقوق دلانا چاہتے تھے' جب کہ بانی پاکستان ایک اسلامی ریاست میں' جو صرف مسلم قومیت کی بنیاد پر حاصل کی گئی تھی' غیر مسلموں کو مسلمانوں کے برابر کھڑا کرنے اور ان کو مساوی حقوق دینے کا اعلان فرمارہے تھے'

حالاں کہ ضرورت اس بات کی تھی کہ پاکستان کے غیر مسلم ذمیوں کے لئے ان شرعی حقوق کا اعلان کیا جاتا جو شریعت اسلامیہ نے بیان فرمائے ہیں' اگر پاکستان میں بھی غیر مسلموں کو تمام حقوق میں مسلمانوں کے برابر کھڑا کرنا تھا تو پوچھنے والا یہ دریافت کر سکتا تھا کہ پھر آپ نے دو قومی نظریے کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کا تکلف ہی کیوں فرمایا تھا' الغرض ایک طرف حضرت مدنیؒ کے موقف کو رکھئے اور دوسری طرف بانی پاکستان کے اس اعلان کو اور ان دونوں کا فرق وتفاوت ملاحظہ فرمایئے:

"ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا"

اگر حضرت مدنیؒ کا وہ فقرہ اقبال کے نزدیک بولہبی تھا' تو قائد اعظم کے اس اعلان کو کیا نام دیجئے گا؟ لیکن گز گز کی جو زبانیں حضرت مدنیؒ کے خلاف کھلی تھیں' اقبال کا شعر الاپنے والی زبانوں نے بانی پاکستان کے بارے میں بھی کوئی جنبش کی؟ اور پاکستان کی "جنم گھٹی" میں جو وطنی قومیت شامل کی جارہی تھی کیا کسی کو اس پر ذرا بھی ملال ہوا؟ اگر حضرت مدنیؒ (نعوذ باللہ) ہندوؤں کے ایجنٹ تھے تو بانی پاکستان کس کے ایجنٹ تھے؟ کیا پرستاران اقبال' اقبال کے پیش کردہ "آئینہ بولہبی" میں اپنا منہ دیکھنا پسند کریں گے؟

۲:۔۔۔۔۔مملکت خداداد پاکستان کی پہلی کابینہ تشکیل دی گئی تو اس میں ایک وزیر ہندو تھا' یعنی مسٹر جوگندر ناتھ منڈل' اور ایک سڑا ہوا قادیانی مسٹر ظفراللہ خان تھا' جس نے بانی پاکستان کا جنازہ تک نہیں پڑھا' اور جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہا:

"آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیں' یا مسلمان

حکومت کا کافر نوکر"۔

(ملت اسلامیہ کا موقف ص ۴۳)

پاکستان کا پہلا چیف جسٹس ایک عیسائی "کار نلیس" کو بنایا گیا' اور افواج کا کمانڈر انچیف ایک انگریز کو۔ جب سے اب تک سول اور فوج کے نازک اور حساس مناصب پر قادیانی' عیسائی' ہندو' دہریے اور رافضی فائز چلے آتے ہیں' فرمایا جائے کہ یہ اقبال کے الفاظ میں "بہ مصطفےٰ برساں خویش را" کا مظاہرہ تھا' یا "ہمہ بولہبی است" کا؟ کیا حضرت مدنیؒ کے کسی ناقد کو اقبال کے پیش کردہ اس آئینہ بولہبی میں اپنی شکل دیکھنے کی بھی کبھی توفیق ہوئی؟

۳:۔۔۔۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا "قومی پاسپورٹ" جاری کیا گیا تو اس میں "قومیت پاکستانی" کا اندراج کیا گیا "مسلم قومیت" کا سرے سے تصور ہی نہ تھا' اور پاسپورٹ سے مذہب کا خانہ ہی غائب تھا' جس کا صاف صاف مطلب یہ تھا کہ پاکستانی قومیت کی بنیاد صرف وطن پر ہے' ریاست کو باشندگان مملکت کے مذہب وملت سے کوئی سروکار نہیں' بعد میں قادیانیوں کی شناخت کے لئے علمائے کرام کے مطالبہ پر پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ بڑھایا گیا' لیکن قومیت پھر بھی وہی پاکستانی رہی۔

کیوں صاحب! یہ نظریہ کہ "اس زمانے میں قومیں مذہب سے نہیں بلکہ اوطان سے بنتی ہیں" تو حضرت مدنیؒ نے مغربی اقوام کے حوالے سے نقل کیا تھا' جس پر آپ نے حضرت مدنیؒ کو منہ بھر کر گالیاں دی تھیں اور شاعر ملت علامہ اقبال نے چھوٹتے ہی حضرتؒ پر "چہ بے خبر از مقام محمد عربی است" اور "ہمہ بولہبی است" کے فقرے صادر فرمادیئے تھے' یہ آپ کو کیا ہوا کہ آپ نے مملکت خداداد پاکستان میں حضرت مدنیؒ کا نقل کردہ مغربی نظریہ قومیت اپنالیا' اور یہاں کے تمام شہریوں کو بلا امتیاز مذہب وملت ایک ہی قوم بنادیا' جس کی رو سے مسلم' ہندو' سکھ' عیسائی' یہودی' پارسی'

قادیانی وغیرہ وغیرہ سب ایک ہی قوم قرار پائی' اگر یہ اقبال کے بقول "مقام محمد عربی سے بے خبری" اور "ہمہ بولہبی" تھی تو آپ کے لئے پاکستان میں یہ بولہبی کیسے حلال اور طیب ہو گئی' جس کی رو سے مولانا شاہ احمد نورانی اور لالہ جگن ناتھ ایک ہی قوم قرار پائے' علامہ اقبال مرحوم کے فرزند گرامی قدر جناب جسٹس جاوید اقبال اور سردار بلونت سنگھ ایک ہی قوم کے دو فرد بن گئے' جناب محمد حنیف رامے اور مرزا طاہر قادیانی کی ایک ہی قوم بن گئی؟ کیا حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے ناقدین کو اس آئینہ میں اپنا چہرہ نظر آئے گا؟ اور انہیں اس سے کچھ عبرت ہو گی؟

ع "حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں"

۴: ــــــ پاکستان میں' ہاں اسی پاکستان میں' جو صرف اور صرف اسلام کے نام سے حاصل کیا گیا تھا' جب مسلم قومیت کے تصور کو کچل دیا گیا' اور اس کی جگہ "وطنی قومیت" کو جسے اقبال نے "بولہبی" کہا تھا' بطور ایک عقیدہ اور نظریہ کے اپنا لیا گیا تو اس "بولہبی" نے پر پرزے نکالے اور پاکستانی قومیت کی جگہ یہاں الگ لگ وطنی شخصیات ابھرنے اور صوبائی بنیاد پر مختلف قومیتوں کے نعرے لگنے لگے' سب سے پہلے "بنگلہ قومیت" کا فتنہ اٹھا' جس کے نتیجہ میں نہ صرف ملک دولخت ہوا بلکہ مسلمانوں پر وہ قیامت بیت گئی جس کا کوئی تصور بھی نہ کر سکتا تھا' اور جس کی وجہ سے آج تک انسانیت کا سر شرم سے جھکا ہوا ہے' "بنگلہ قومیت" کے مطابق مشرقی پاکستان کے ہندو مسلم ایک قوم تھے' اور مشرقی و مغربی پاکستان کے مسلمان دو قومیں۔ اس کے بعد سندھی' بلوچی' افغانی اور پنجابی قومیتوں کے نعرے لگے' پھر مہاجر قومیت کا غلغلہ بلند ہوا' اور دیکھتے ہی دیکھتے "وطنی قومیت" کا یہ دیو عریاں رقص کرنے لگا۔

حال ہی میں کراچی اور حیدر آباد میں قومیت کے عفریت نے جو تباہی مچائی' اور درندگی و شیطانیت کے جو مظاہرے کئے انہیں دیکھ کر شاید ابلیس بھی شرمندہ ہو گا' اب

ہر چہار سو "وطنی قومیت" اور صوبائی ذہنیت کے نعرے لگ رہے ہیں' اور یہ بولہبی ذہنوں پر اس طرح مسلط ہے کہ نہ کسی کو اپنے دین وایمان کا پاس ہے' نہ ملک وملت کا' نہ اسلامی اخوت کا احساس ہے' نہ خالق سے حیا' نہ مخلوق سے شرم' بدمستان قومیت پورے ملک کی سطح پر سوچنے اور قوم وملک کا مفاد پیش نظر رکھنے سے عاری ہوچکے ہیں اپنے محدود مفاد کی خاطر پاکستان کو توڑنے کی باتیں ہورہی ہیں' اور وہ قومیت کے جنون ومدہوشی میں کسی شریف آدمی کی بات سننے کے لئے بھی آمادہ نہیں مگر!

ع "اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست"

جب روز اول ہی سے پاکستان کی بنیاد "مسلم قومیت کے بجائے" وطنی قومیت پر رکھ دی گئی تو اس کے نتائج اس کے سوا اور کیا ہوسکتے تھے؟ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا :

"آج ہم کہتے ہیں نہ بناؤ' تم ہماری نہیں مانتے' ایک وقت آئے گا جب ہم کہیں گے نہ توڑو' اس وقت تم ہماری نہیں سنو گے"۔

"قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" اس مرد قلندر کی یہ بات آج واقعہ بن کر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

الغرض دوسری بات جو ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی کرامت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اقبال کے قلمزد کردہ اشعار کو ضائع نہیں ہونے دیا' کیونکہ اقبال کے اعلان رجوع سے حضرت مدنیؒ کا دامن تو پاک ہوچکا تھا :

ع "زلیخا نے کیا خود پاک دامن' ماہ کنعاں کا"

اس لئے ان اشعار کا باقی رہنا حضرت مدنیؒ کو مضر نہیں تھا' بلکہ خود اقبال کیلئے روح کی بے قراری و شرمساری کا سامان تھا' لیکن قدرت کو منظور تھا کہ جو لوگ آج حضرت مدنیؒ کی توہین کر کے "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ" اور "پاکستان کا مطلب کیا "لا الہ الا اللہ" کے گیت گا رہے ہیں' کل جب اقتدار ملنے کے بعد یہ لوگ "ایں ہمہ بولہبی است" کا راستہ اختیار کریں گے تو اقبال کے "آئینہ بولہبی" میں ان کو اپنی تصویر دکھائی جا سکے' اور "خدا کی بے آواز لاٹھی" ان سے حضرت مدنیؒ کا انتقام لے سکے' حدیث قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں :

من عادیٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب۔

(مشکوٰۃ ص ۱۹۷)

ترجمہ :"جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت رکھے میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔"

حضرت مدنیؒ اپنے دور کے ولی کامل' بلکہ "سرگروہ اولیاء اللہ" تھے' پاکستان کی بنیاد ہی ان کی توہین اور گستاخی پر رکھی گئی' اور آج تک یہ سلسلہ بند نہیں ہوا' گویا یہ لوگ خدا تعالیٰ سے مسلسل جنگ کر رہے ہیں' کاش! کوئی دانشمند ان کو فہمائش کرتا کہ آپ لوگ ایک مقبول بارگاہ الٰہی سے عداوت کر کے کب تک خدا تعالیٰ سے جنگ لڑتے رہو گے؟ راقم الحروف نے "حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے بارے میں لکھا تھا کہ :

""انہیں "حضرت مدنیؒ قدس سرہ سے غایت درجہ کی عقیدت وارادت تھی' اور ان کے بے حد مداح تھے' ہمارے ملک پر جو آفات وبلیات کا نزول متواتر ہو رہا ہے اس کا باطنی سبب حضرت (بنوریؒ) کے نزدیک یہ تھا کہ لوگوں نے حضرت مدنی قدس سرہ کی

بڑی توہین کی ہے اور انہیں ایذائیں پہنچائیں ہیں' جب تک کہ اس
جرم سے توبہ نہ کی جائے' اور اس کی معافی بارگاہ قدس سے نہ مل
جائے تب تک اصلاح احوال کی کوئی صورت نہیں"۔

(بینات "بنوری نمبر" ص ۸۱)

ناکارہ راقم الحروف کو حضرت مدنیؒ کے مرتبہ ومقام عالی کی معرفت کا دعویٰ نہیں کہ مقام نبوت کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا' اور مقام ولایت کو ولی کے سوا کوئی دوسرا نہیں پہچانتا' "ولی را ولی می شناسد" مشہور مقولہ ہے' لیکن جوں جوں عمر ڈھلتی جارہی ہے' حضرت بنوریؒ کے مندرجہ بالا ارشاد پر یقین واذعان میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ میں یہاں کے ارباب حل وعقد' اہل فکر ودانش' اصحاب قلم' اور عوام وخواص کی خدمت میں نہایت اخلاص ودل سوزی سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہم حضرت مدنیؒ کی توہین وبے ادبی کا بہت خمیازہ بھگت چکے ہیں' خدارا یہ سلسلہ اب بند کردیا جائے' جس شخص نے اپنی زبان وقلم کو حضرتؒ کی بے ادبی سے آلودہ کیا' اس نے اپنی عاقبت بربادی کا سامان کیا' ابھی وقت ہے اس جرم عظیم سے پوری قوم توبہ کرے' اور وارثین اقبال کا فرض ہے کہ وہ حضرت مدنیؒ کی خاطر نہیں تو کم از کم روح اقبالؒ کی تسکین کے لئے اقبالؒ کے متعلقہ اشعار کو "ارمغان حجاز" سے حذف کردیں اور اگر یہ کسی وجہ سے ممکن نہیں تو کم سے کم ان پر یہ نوٹ ہی لکھ دیں کہ اقبالؒ نے وفات سے تین ہفتے قبل ان سے رجوع کرلیا تھا۔ امید ہے میرے اس خیر خواہانہ پیغام پر ارباب حل وعقد بھی کان دھریں گے' ارباب خامہ وقرطاس بھی' اور خداوندان عدل وانصاف بھی۔ ورنہ :

ع "بر رسولاں بلاغ باشد وبس"

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا

بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم' فاطر السموات والارض انت ولیّ فی الدنیا والآخرة' توفنی مسلما والحقنی بالصالحین' وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقه صفوة البریة محمد وعلی آله وصحبه واولیاء امته واتباعه اجمعین۔

(بینات جمادی الاخریٰ سنہ ۱۴۰۷ھ)

وارثینِ اقبال کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی' اما بعد :

گزشتہ صحبت میں علامہ اقبال مرحوم کے ان اشعار پر گفتگو کی گئی تھی جو "ارمغان حجاز" کے آخر میں "حسین احمد" کے زیر عنوان درج ہیں' ان معروضات کا خلاصہ یہ تھا :

۱ : ——— یہ اشعار غلط فہمی کی بنا پر لکھے گئے تھے اور جب علامہ کی غلط فہمی دور ہوئی تو انہوں نے ان اشعار سے رجوع کا اعلان اخبار میں شائع کر دیا جو ان کی حق پرستی کی دلیل ہے۔

۲ :——— "ارمغان حجاز" علامہ کی وفات کے بعد شائع ہوئی' اگر وہ اپنی زندگی میں اسے شائع کرتے تو یہ اشعار اس میں شامل نہ ہوتے۔

۳ :——— "ارمغان حجاز" کے مرتبین کا فرض تھا کہ ان قلم زدہ اشعار سے کلام اقبال کو پاک رکھتے اور اگر کسی مصلحت سے ان اشعار کا محفوظ رکھنا ہی ضروری تھا تو ان پر یہ نوٹ لکھ دیا جاتا کہ مصنف نے ان اشعار سے رجوع کا اعلان فرمادیا تھا۔

۴ : ———ان اشعار کو حذف کرنا یا ان پر نوٹ لکھنا جس طرح نصف صدی پہلے ۱۹۳۸ء میں ضروری تھا آج بھی اتنا ہی ضروری ہوگیا ہے کہ گناہ ہمیشہ گناہ ہی رہتا ہے خواہ اس پر طویل زمانہ گزر جائے اگر گناہ کرتے کرتے آدمی بوڑھا ہوجائے تو گناہ طاعت سے نہیں بدل جاتا' اس سے توبہ کرنا ہر حال میں واجب ہے۔

۵ : ـــــــ علامہ اقبال کے رجوع کے باوجود ان اشعار کے باقی رہنے میں کیا تکوینی حکمت تھی؟ اس سلسلہ میں دو باتیں عرض کی گئی تھیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی شخصیت کو اہل حق اور اہل بطالت کی شناخت کا معیار بنانا چاہتے تھے' دوم یہ کہ جو لوگ ان اشعار کی آڑ لے کر حضرت مدنی کی توہین و تنقیص کے درپے رہتے تھے' قدرت ان کو اقبال مرحوم کے پیش کردہ "آئینہ بولہبی" میں ان کی مکروہ شکل دکھانا چاہتی تھی تاکہ وہ یہ دیکھ سکیں کہ اقبال مرحوم کے قول :

"گر باو نہ رسی ہمہ بولہبی است"

کا مصداق وہ خود ہیں یا شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی؟

۶ : ـــــــ آخر میں علامہ اقبال مرحوم کے فرزند ارجمند جناب جسٹس جاوید اقبال بالقابہ سے گزارش کی گئی تھی کہ وہ ان اشعار کو "ارمغان حجاز" سے حذف کرکے اپنے بڑے باپ کی سنت کو ایک بار پھر زندہ کریں' حق واضح ہوجانے کے بعد جس طرح اقبال نے رجوع کرلیا تھا انہیں بھی رجوع کرلینا چاہئے' یہ سبکی کی بات نہیں بلکہ دلیل کمال ہے۔

ان معروضات پر مختلف حضرات کی طرف سے مختلف قسم کا رد عمل سامنے آیا' بہت سے احباب و اکابر اور اہل قلم نے نجی خطوط میں ان کی تحسین فرمائی اور دعوات صالحہ سے نوازا' بعض حضرات نے فرمایا کہ لکھا تو خوب مگر تحریر میں کسی قدر تلخی کی آمیزش ہوگئی ہے' ان حضرات کا ارشاد بجا ہے' مگر یہ تلخی بھی اقبال مرحوم کی وصیت کے مطابق تھی :

"نوارا تلخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی"

پچاس سال سے اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے کی توہین و تذلیل کو روا رکھا

جارہا ہے اور ہر کہ اخباری کالموں میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ پر انہی اشعار کی آڑ لے کر ناشائستہ تبصرے کرتا ہے اللہ تعالٰی کے کسی بندے کو یہ خیال نہیں آتا کہ کل داور محشر کی عدالت میں مجھے اس کی جوابدہی بھی کرنی ہوگی۔

حضرت مدنیؒ کے ان معاندین کو ان گزارشات سے رنج ہوا' اور "آئینہ جو دکھایا تو برا مان گئے" کے مصداق بعض صاحبان نے ان گزارشات پر ہمیں مرزا غلام احمد قادیانی کی زبان میں گالیوں کے خطوط لکھے اسطرح انہوں نے "مغلظات مرزا" کا گویا ایک نیا باب تصنیف کردیا' ان صاحبان کی خدمت میں ہم یہی عرض کرسکتے ہیں کہ ہم ان کی زبان میں بات کرنے سے قاصر ہیں اس لئے ان کے جواب میں "عفاک اللہ' نکو گفتی" کہنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

لاہور کے ایک معمر صحافی جناب م۔ ش صاحب نے نوائے وقت میں ایک جوابی شذرہ رقم فرمایا' آج کی صحبت میں اسی شذرہ کے حوالے سے ان کی خدمت میں چند معروضات پیش کی جاتی ہیں۔

م۔ ش صاحب نے بیشتر زور صحافت اس پر صرف کیا ہے کہ راقم الحروف کے گستاخ قلم نے حضرت اقبال کی توہین کی ہے "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

موصوف لکھتے ہیں :

"مضمون نگار نے حضرت علامہ اقبالؒ کے باب میں اپنے کینہ وبغض کا اظہار کیا ہے"۔

"مضمون نگار نے اقبال کو اپنے غیظ وغضب کا نشانہ محض اس لئے بنایا......"۔

"مضمون کے فاضل مصنف کو یہ حق مل گیا کہ وہ اقبال کا ذکر تحقیر سے کرسکے"۔

میں موصوف کے ان جذباتی فقروں سے حیران ہوں کہ موصوف نے علامہ اقبال کی توہین کا مضمون میری طرف کیسے منسوب کردیا جب کہ میرا تمام تر روئے سخن یا تو "ارمغان حجاز" کے مرتبین کی طرف تھا یا ان سیاہ بختوں کی طرف جو علامہ اقبال کے ان قلم زدہ اشعار کی آڑ میں آئے دن ایک مقبول بارہ الٰہی کی شان میں گستاخیاں کرکے اپنی عاقبت اور اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتے ہیں۔

جہاں تک علامہ اقبال کی اپنی شخصیت کا تعلق ہے ان کو میں نے یہ کہہ کر بری الذمہ کردیا تھا کہ "انہوں نے حقیقت حال پر مطلع ہونے کے بعد ان اشعار سے رجوع کرلیا تھا" اور یہ کہ اگر وہ "ارمغان حجاز" کو اپنی زندگی میں شائع کرتے تو یہ اشعار اس میں راہ نہ پاتے"۔ گویا "ارمغان حجاز" میں شائع شدہ اشعار کی ذمہ داری خود علامہ اقبال پر نہیں بلکہ ارمغان حجاز کے مرتبین پر ہے' علامہ اقبال اعلان رجوع کے بعد اس کے عہدہ سے بری الذمہ ہیں' اگر جناب م ش۔ صاحب کی اصطلاح میں علامہ اقبال مرحوم کو بری الذمہ قرار دینا ہی اقبال کی تحقیر ہے تو مجھے اعتراف ہے کہ میں اس جدید اصطلاح سے ناواقف ہوں۔

اہل فہم جانتے ہیں کہ کسی شاعر کے کلام پر جائز علمی تنقید کرنا' یا علمی انداز میں اس کی غلطیوں اور فروگزاشتوں پر تنبیہہ کرنا توہین و تنقیص کے زمرے میں نہیں آتا' لیکن راقم الحروف نے اپنے مضمون میں اس سے بھی یہ کہہ کر گریز کیا کہ :

> " آج کی صحبت میں اس قصہ پارینہ کو زیر بحث لانے سے میرا مقصد نہ تو حضرت شیخ الاسلام (نور اللہ مرقدہ) کا دفاع ہے اور نہ ان غلطیوں کی نشاندہی ہے جو اقبال مرحوم سے اس تین شعری نظم میں شعری حیثیت سے سرزد ہوئیں' یہ دونوں بزرگ اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ چکے ہیں امید ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے مقام

و مرتبہ سے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں حاصل ہے' آگاہ ہو چکے
ہوں گے۔

حدیث میں ہے:

لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الٰی
ما قدموا۔
(صحیح بخاری ص ۱۸۷ ج ۱)

ترجمہ: (مسلمان) مردوں کو برا بھلا نہ کہو' کیونکہ انہوں نے جو کچھ
آگے بھیجا ہے وہ اس تک پہنچ چکے ہیں۔

اس لئے آج کی گفتگو سے مقصود کسی بزرگ کی تقریظ یا
تنقید نہیں' بلکہ صرف اس سوال پر غور کرنا ہے کہ ان منسوخ شدہ
اشعار اقبال کو کلیات اقبال سے خارج کیوں نہیں کیا گیا اس کے
اسباب و علل کیا تھے؟"

میں نے ان اشعار پر تنقید کو بھی روا نہیں رکھا' ایک تو اس لئے کہ علامہؒ مرحوم ان اشعار سے رجوع کر چکے تھے پس منسوخ شدہ اشعار پر کوئی تبصرہ کرنا لاحاصل ہے' دوسرے مجھے اندازہ تھا کہ اگر ان اشعار پر تنقید کی گئی تو وہ تنقید خواہ اپنی جگہ کتنی ہی معقول اور علمی ہو مگر پرستاران اقبال اس کو ہضم نہیں کر سکیں گے' وہ اس تنقید کو انصاف و دیانت کی ترازو میں تولنے کے بجائے چھوٹتے ہی مجھ پر توہین اقبال کا الزام عائد کردیں گے' مجھے افسوس ہے کہ اس کے باوجود جناب م۔ ش صاحب نے اقبال کی تحقیر کا طعنہ مجھے دے ڈالا۔

م۔ ش صاحب یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ علامہ اقبال' حضرت شیخ الاسلام مدنی کے نقطہ نگاہ سے آگاہ ہونے کے بعد اپنے متذکرہ بالا اشعار سے رجوع فرما چکے تھے۔

لیکن موصوف کے خیال میں رجوع کے علی الرغم ان اشعار کو "ارمغان حجاز" میں شائع کرنا بڑا ضروری تھا' ان کا استدلال یہ ہے کہ شاعر کے افکار و نظریات بدلتے رہتے ہیں اب یہ تو نہیں ہوتا کہ شاعر کے نزدیک جو نظریہ متروک ہوگیا ہو اس سے متعلقہ اشعار کو بھی "متروکات سخن" قرار دے کر اس کے کلام سے خارج کردیا جائے مثلاً اقبال ایک زمانے میں "ہندوستان ہمارا" کا نظریہ رکھتے تھے بعد میں "نظریہ پاکستان" کے قائل ہوگئے' اب پہلے دور کے اشعار کو ان کے کلام سے حذف تو نہیں کردیا جائے گا؟ موصوف کے اپنے الفاظ یہ ہیں :

> "سبحان اللہ! کیا منطق ہے اسی منطق کی روشنی میں "بینات" کے ارباب قلم کو یہ استدلال فرمانا چاہئے کہ از بسکہ اقبال ۱۹۳۰ء میں نظریہ پاکستان کے محرک بن گئے تھے لہٰذا ان کے کلام سے ان تمام نظموں کو پھاڑ کر پھینک دینا چاہئے جو ہندوستانی وطنیت کی یادگار ہیں"۔

مگر موصوف کا یہ استدلال قطعاً نادرست اور ناقابل فہم ہے :

اولاً۔۔۔ نظریات کی تبدیلی اور ہجویہ اشعار سے رجوع کا اعلان دو الگ الگ چیزیں ہیں ان میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا واضح طور غلط اور قیاس مع الفارق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شاعر کے نظریات بدلتے رہتے ہیں' اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس کے پہلے دور کے اشعار کو متروک قرار نہیں دیا جاتا' لیکن شاعر کسی وقتی تاثر کی بنا پر کسی شخصیت کی مذمت اور ہجو کرنے کے بعد جب اپنی غلطی پر متنبہ ہوجائے اور ان اشعار سے رجوع کا اعلان کردے تو ان اشعار کو قلم زدہ تصور کیا جاتا ہے اور جن ہجویہ اشعار کو شاعر نے خود قلم زدہ قرار دیدیا ہو' اور ان سے رجوع کا اعلان عام کردیا ہو' ان کے باقی رکھنے اور انہیں شائع کرنے کا کوئی قانونی' اخلاقی اور شرعی جواز باقی نہیں رہ

جائے۔ البتہ اگر کوئی متنبی جیسا شاعر ہو جس کی مدح وستائش اور ہجو ومذمت کا معیار ومحور ہی مادی منفعت ہو' وہ کبھی دنیوی مفاد کی خاطر کسی امیر کبیر کی شان میں قصیدہ خوانی کرتا نظر آتا ہے' اور کبھی بگڑ جائے تو اسی کی ہجو ومذمت کرتا دکھائی دیتا ہے' ایسا شاعر کسی ضابطہ اخلاق اور آئین شرع کا پابند نہیں ہوتا لیکن اقبال کو ہم اس سطح کا شاعر نہیں سمجھتے۔

ثانیاً : ------ کسی شخصیت کی مذمت وبرائی' خواہ تحریراً ہو یا تقریراً اور خواہ نظم میں ہو یا نثر میں' شرعاً واخلاقاً اسی وقت جائز ہے جب کہ اس کا منشا صحیح ہو اور جب علامہ اقبال مرحوم نے یہ شائع کردیا کہ :

"لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا"۔

"نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں' میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں"۔

تو حضرت علامہ کے اس اعلان کے بعد ان اشعار کی اشاعت غیبت وبہتان ہے جو عرفاً واخلاقاً قبیح اور شرعاً حرام ہے' م۔ ش صاحب ہی فرمائیں کہ جب کسی ادنیٰ مسلمان کی غیبت بھی حرام ہے تو مرتبین "ارمغان حجاز" کے لئے ایک ایسی شخصیت کی غیبت کیسے حلال ہوگئی' جن کی حمیت دینی کا اقبال خود بھی احترام کرتے ہیں اور م ش صاحب بھی جن کو "بڑے عالم دین" لکھ رہے ہیں' کیا حضرت اقبال کے ارشاد :

"مولانا کی دینی حمیت کے احترام میں' میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں"۔

کی تفسیر وتشریح یہی ہے کہ اقبال کے حوالے سے مولانا پر "بولہبی" کا بہتان ہمیشہ

باندھا جاتا رہے؟ اور اقبال نے اپنے قول سے خولہ کیسا ہی رجوع کرلیا ہو مگر پرستاران اقبال کو اس غیبت وبہتان اور قول زور سے رجوع کی کبھی توفیق نہ ہو؟ م۔ ش صاحب نے عربی کا یہ مقولہ سنا ہوگا "لحوم العلماء مسمومة" یعنی "علما کا گوشت زہر آلود ہوتا ہے"۔ ایک عالم ربانی کا یہ زہر آلود گوشت "ارمغان حجاز" کے مرتبین نے قومی دسترخوان پر نصف صدی قبل سجایا تھا اور عقیدت اقبال کے پردہ میں لوگ آج تک اس زہر آلود گوشت کے کھانے میں مصروف ہیں، کیا م۔ش صاحب کے نزدیک یہ لوگ کسی جرم کے مرتکب نہیں؟ یا ان سب کے لئے حسین احمد کا گوشت حلال ہے؟ ان کو آخرت کے حساب وکتاب پر ایمان ہی نہیں یا انہیں محاسبہ آخرت سے برات کا پروانہ مل چکا ہے؟

ثالثاً : ــــــ خود علامہ اقبال مرحوم نے اپنے طرز عمل سے ثابت کیا ہے کہ ہجویہ اشعار سے رجوع کا مطلب انہیں اپنے کلام سے خارج کردینا ہے، جناب م۔ش صاحب کی نظر سے جناب حکیم فضل الرحمٰن سواتی کا مضمون ڈاکٹر محمد اقبال کی تنقیدات وترجیعات گزرا ہوگا جو ماہنامہ برہان دہلی اگست ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا تھا، حوالہ کے لئے بطور ضمیمہ اس کے ساتھ شامل اشاعت ہے، جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ حافظ شیرازی کے ہجو کے اشعار ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے "اسرار خودی" سے حذف کردئے تھے، خواجہ حافظ سے متعلق "اسرار خودی" کے ان اشعار کے بارے میں عبدالمجید سالک "سرگزشت" میں لکھتے ہیں :

> "طرابلس وبلقان کی لڑائیوں کے دوران میں ڈاکٹر صاحب نے متعدد نظمیں لکھیں اور جن عظیم الشان جلسوں میں سنائیں، ان سب میں مجھے حاضری کا شرف حاصل ہوا، شکوہ جواب شکوہ اور شمع وشاعر اسی زمانے کی چیزیں ہیں، اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے

اسرار خودی" لکھی اور انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس میں اس مثنوی کے چند اشعار سنانے سے پہلے اپنا فلسفہ خودی ایک مختصر تقریر میں بیان کیا' تھوڑے عرصے کے بعد "اسرار خودی" چھوٹی سی تقطیع پر شائع ہوگئی' مجھے اشاعت سے پہلے اس کا مسودہ دکھایا تو میں نے مودبانہ دو گزارشیں کیں' ایک یہ کہ سید علی امام کے نام اس کا معنون نہ کیجئے' خود داری کا اتنا عظیم الشان فلسفہ پیش کرنا اور ایک دنیا دار بڑے آدمی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا کچھ ان مل بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے' دوسرے خواجہ حافظ کے خلاف جو اشعار لکھے گئے ہیں' یہ نکال دیجئے' لیکن میری کوئی بات نہ مانی گئی' آخر اس کے بعد کے ایڈیشنوں میں یہ دونوں چیزیں نکال دی گئیں' میں نے پوچھا کہ حضرت جب میں نے عرض کیا تھا تو آپ نے قبول نہیں کیا اور اب خودبخود ہی میرے مشورے پر عمل کرلیا' اس کی کیا وجہ ہے؟ کہنے لگے "ان دونوں چیزوں کی اشاعت کا جو مقصد تھا وہ پورا ہوچکا ہے' اس لئے اب ان کی ضرورت نہیں رہی" میری سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا مقصد تھا"۔

(ص ۷۷۔ ۷۸)

اسی طرح قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں علامہ نے درج ذیل اشعار لکھے تھے جو ملک بھر کے اخبارات میں شائع ہوئے :

"لنڈن کے چرخ نادرہ فن سے پہاڑ پر
اترے مسیح بن کے محمد علی جناح

نکلے گی تن سے تو کہ رہے گی بتا ہمیں
اے جان بر لب آمدہ اب تیری کیا صلاح
دل سے خیال دشت وبیاباں نکال دے
مجنوں کے واسطے ہے یہی جادہ فلاح
آغا امام اور محمد علی ہے باب
اس دین میں ہے ترک سولو حرم مباح
بشریٰ لکم کہ خضر مارسیدہ ہست
یعنی حجاب غیبت کبریٰ دریدہ ہست"

(روزنامہ زمیندار' مورخہ ۹ نومبر۱۹۲۱ء)

لیکن بعد میں ان سے رجوع فرماکر انہیں اپنے کلام سے حذف کردیا' جناب م۔ش صاحب کو اگر قیاس ہی کرنا تھا تو انہیں "حسین احمد" والی نظم کو بھی "خواجہ شیراز اور "محمد علی جناح" والی نظموں پر قیاس کرنا چاہئے تھا آخر کیا وجہ ہے کہ یہ نظمیں تو کلام اقبال سے حذف ہوجائیں' مگر حسین احمد والی نظم "ارمغان حجاز" کی جان نہ چھوڑے؟

اس تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمایئے' بعض شخصیتوں کے بارے میں علامہ اقبال نے جو مدحیہ نظمیں کہیں ان کو بھی چونکہ "وقتی چیز" سمجھا گیا۔ اس لئے پرستاران اقبال ان کو اقبال سے منسوب کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتے' بلکہ انہیں متروکات سخن شمار کرتے ہیں اس کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر یہاں ہم صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ پہلی مثال ان مدحیہ اشعار کی ہے جو گاندھی کی تعریف وتوصیف میں پڑھے گئے اور جن کا ذکر عبد المجید سالک نے "ذکر اقبال" میں کیا

ہے :

"گاندھی" سے ایک روز یہ کہتے تھے مالوی

کم زور کی کمند ہے دنیا میں نارسا

نازک یہ سلطنت صفت برگ گل نہیں

لے جائے گلستاں سے اڑا کر جسے صبا

گاڑھا اِدھر ہے زیب بدن اور اُدھر زرہ

صرصر کی رہ گزر میں کیا عرض توتیا

پس کر ملے گا گرد رہ روزگار میں

دانہ جو آسیا سے ہوا قوت آزما

بولا یہ بات سن کے کمال وقار سے

وہ مرد پختہ کار و حق اندیش و باصفا

خارا حریف سعی ضعیفاں نمی شود

صد کوچہ ایست در بن زنداں خلال را"۔

دوسری مثال ان اشعار کی ہے جو "وار کانفرنس" میں تاج برطانیہ کی شان میں پڑھے گئے، عبدالمجید سالک لکھتے ہیں :

"دہلی میں وار کانفرنس منعقد کی تو بطور خاص نواب ذوالفقار علی خان کی وساطت سے علامہ اقبال کو بھی طلب کیا اور اس موقع کے لئے ایک نظم کی فرمائش کی، علامہ نے مجبور ہو کر ایک مسدس لکھا جس کے کل نو بند ہیں، بطور نمونہ دو بند ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں، یہ نظم یونیورسٹی ہال لاہور میں پڑھی گئی :

اے تاج دار خطہ جنت نشان ہند
روشن تجلیوں سے تری خاوران ہند
محکم ترے قلم سے نظام جہان ہند
تیغ جگر شگاف تری پاسبان ہند
ہنگامہ وغا میں مرا سر قبول ہو
اہل وفا کی نذر محقر قبول ہو
تلوار تیری دھر میں نقاد خیر و شر
بہ روز جنگ توز جگر سوز سینہ در
رایت تری سپاہ کا سرمایہ ظفر
آزاد پر کشادہ پری زادہ یم سپر
سطوت سے تیری پختہ جہاں کا نظام ہے
ذرے کا آفتاب سے اونچا مقام ہے"

(ذکر اقبال ص۸۶۔ ۸۷)

الغرض شاعر جب وقتی ہیجان کی بنا پر کسی کی مدح و ستائش کرتا ہے یا کسی کی نکوہت و مذمت کرتا ہے، اس کو "وقتی چیز" سمجھا جاتا ہے لیکن افسوس کہ اقبال کے رجوع کے باوجود حضرت مدنیؒ سے متعلقہ اشعار میں یہ اصول توڑ دیا جاتا ہے۔

یہاں یہ لطیفہ بھی قابل ذکر ہے کہ گاندھی کو "مرد پختہ کار و حق اندیش و باصفا" صرف اقبال ہی نے نہیں قرار دیا، بلکہ ایک زمانے میں مسلم لیگ بھی گاندھی کو بڑا عالی مقام سمجھتی تھی، چنانچہ ۱۳ مارچ ۱۹۲۳ء کو لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس تھا جس میں جناب لیفٹیننٹ شیخ شاہد حسین، بی اے ایل ایل بی بیرسٹر ایٹ لاء صدر مجلس استقبالیہ آل انڈیا مسلم لیگ نے خطبہ استقبالیہ دیتے ہوئے کہا :

"برادران! نہایت افسوس ہے کہ آج ہماری مجلس میں اسلام کا وہ سچا دوست، مادر وطن کا وہ سربر آوردہ اور ممتاز ترین فرزند اور وہ فرمانروائے کشور عجز وانکسار، مجسمہ کسر نفسی وخاکساری یعنی مہاتما گاندھی بھی موجود نہیں ہے، خیر اگرچہ ان کا جسم پاک ہمارے درمیان نہیں ہے مگر ان کی روح ان کی آتما ہمارے شامل حال ہے ان کی بے غرضانہ خدمات وطن ان کا خلوص عمل ومقصد ان کا اتقا وکریم النفسی، اور ان کے اعلیٰ افکار و تخیلات ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے مہاتماجی نے ہمارے قلوب میں گھر کرلیا ہے ہم نہایت تشکر وامتنان کے ساتھ اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانان ہند کی تاریخ کے ایسے نازک ترین وقت اور زمانہ ابتلا ومصائب میں مہاتما گاندھی نے مسلمانوں کی غیر مشروط طور پر حمایت اور اعانت کی اور ان کی رہنمائی کرکے ایک ایسی ناخوشگوار حالت سے ان کو بچایا جس مین وہ اپنے زبردست جوش کی وجہ سے مبتلا ہوئے جاتے تھے"۔

(خطبہ استقبالیہ ص ۳)

م۔ش صاحب فرماتے ہیں کہ "اقبال ۱۹۳۰ء میں نظریہ پاکستان کے محرک بن گئے تھے"۔ موصوف کا اشارہ غالباً علامہ کے خطبہ الہ آباد کی طرف ہے۔

موصوف کا یہ نکتہ اگرچہ ہمارے موضوع سے براہ راست تعلق نہیں رکھتا اس لئے ہمیں اس پر گفتگو بھی نہیں کرنی چاہئے تاہم یہ عرض کردینا کافی ہوگا کہ موصوف کا یہ ارشاد خود علامہ اقبال کی تصریح کے خلاف ہے، علامہ نے ۴ مارچ ۱۹۳۴ء کو جو خط مسٹر تھامسن کے نام لکھا تھا، اس میں صاف صاف فرمایا ہے کہ "پاکستان کی اسکیم" کا ان سے کوئی تعلق نہیں، اس اسکیم کی تخلیق کیمبرج میں ہوئی ہے ہم علی گڑھ

یونیورسٹی کی شائع کردہ کتاب "اقبال ہز پولیٹیکل آئیڈیا ایٹ کراس روڈز" (اقبال کا سیاسی نظریہ چوراہے پر) کے حوالے سے علامہ کے خط کا عکس شائع کر رہے ہیں' بینات کے قارئین کے لئے اس کا مفہوم درج ذیل ہے :

"۴ مارچ ۱۹۳۴ء

ڈاکٹر سر محمد اقبال

ایم اے۔ پی ایچ ڈی بار ایٹ لا (بیرسٹر) لاہور

مائی ڈیر تھامسن

میری کتاب پر آپ کا تبصرہ مجھے ابھی ابھی موصول ہوا ہے' تبصرہ بہت خوب اور شاندار ہے' آپ نے میرے بارے میں جن مشفقانہ خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان کے لئے سراپا سپاس ہوں' لیکن اس میں آپ سے ایک غلطی ہوئی ہے جس کی فوری نشاندہی نہایت ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ وہ میرے نزدیک سنگین ہے آپ نے مجھے اس اسکیم کا حامی و موید قرار دیا ہے جسے "پاکستان" کہا جاتا ہے' پاکستان میری اسکیم نہیں' میں نے اپنے خطبہ میں جو اسکیم پیش کی تھی' وہ تھی شمال مغربی ہند میں ایک مسلم صوبہ کا قیام' جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہو' یہ نیا صوبہ میری اسکیم کے مطابق وفاق ہند کا ایک حصہ ہوگا' پاکستان اسکیم میں مسلم صوبوں کے ایک ایسے الگ وفاق کی تجویز پیش کی گئی ہے جس کا تعلق براہ راست انگلستان سے ہو' اس اسکیم کی ابتدا کیمبرج میں ہوئی' اس اسکیم کے پیش کرنے والوں کے نزدیک ہم لوگوں نے' جنہوں نے گول میز کانفرنس

میں شرکت کی ہے' مسلم قوم کو ہندو اور ہندوستانی قومیت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے ——— آپ کا مخلص

محمد اقبال"

اقبال ہز پولیٹیکل آئیڈیا ایٹ کراس روڈز کا عکس:

Dr. Sir Mohd. Iqbal Kt.
M.A., Ph.D.
Barrister-at-Law

Lahore
4th March 1934

My dear Mr. Thompson

I have just received your review of my book. It is excellent and I am grateful to you for the the very kind things you have said of me. But you have made one mistake which I hasten to point out as I consider it rather serious. You call me (a) protagonist of the scheme called 'Pakistan'. Now Pakistan is not my scheme. The one that I suggested in my address is the creation of a Muslim Province—i.e. a province having an overwhelming population of Muslims – in the North west of India. This new province will be, according to my scheme, a part of the proposed Indian Federation. Pakistan scheme proposes a separate federation of Muslim Provinces directly related to England as a separate dominion. This scheme originated in Cambridge The authors of this scheme believe that we Muslim Round Tablers have sacrificed the Muslim nation on the altar of Hindu or the so called Indian Nationalism.

Yours sincerely,
Mohammad Iqbal

IQBAL; HIS POLITICAL IDEAS AT CROSSROADS P-80

اس ضمن میں علامہ نے ایک خط ٦ مارچ ۱۹۳۴ء کو مولانا راغب احسن کے نام تحریر فرمایا جسے جناب محمد فرید الحق ایڈووکیٹ نے "اقبال' جہان دیگر" میں درج فرمایا ہے (علامہ مرحوم کے خط کا عکس آگے دیا جارہا ہے) اس کے ترجمہ کا عکس درج ذیل ہے

٦' مارچ ۱۹۳۴ء

عزیز من راغب!

"میرا خیال ہے یہ بات زیادہ مناسب ہوگی کہ میں فاضل رحمت اللہ سے سلسلہ جنبانی کروں اور یہی کروں گا' لیکن آپ شفیع داؤدی صاحب سے فرمائیں کہ وہ اپنا خط تحریر فرماکر مجھے ارسال کردیں' اس خط پر ہم دونوں کے دستخط ہوں گے۔

مجھے توقع ہے کہ آپ مجھے' جمہوریت اور آئین کے بارے میں اپنے خیالات سے جلد از جلد آگاہ کریں گے۔

میں اس خط کے ساتھ اپنی کتاب کے بارے میں ایڈورڈ تھامسن کا تبصرہ ارسال کررہا ہوں' ایڈورڈ تھامسن انگلستان کی مشہور ادبی شخصیت ہیں' یہ تبصرہ' مختلف وجوہ کی بنا پر دل چسپ ہے اور شاید یہ تبصرہ آپ کے جریدہ میں اشاعت کے لئے مناسب ہی رہے' دوسری کاپی "اسٹار آف انڈیا" (کلکتہ) کو روانہ کیجئے۔

براہ کرم نوٹ فرمالیں کہ اس تبصرہ کا مصنف اس مغالطہ کا شکار ہے کہ جیسے میری تجویز "پاکستان کی اسکیم" سے تعلق رکھتی ہے۔

جہاں تک میری تجویز (علامہ اقبالؒ کی مراد خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء

میں پیش کردہ اسکیم سے ہے۔ فرید الحق) کا تعلق ہے' وہ یہ ہے
کہ انڈین وفاق کے اندر ایک مسلم صوبہ تخلیق کیا جائے جب کہ
پاکستان اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے شمال و مغرب کے
مسلم صوبوں کا ایک ایسا وفاق تشکیل دیا جائے جو انڈین فیڈریشن
سے علیحدہ ہو اور انگلستان سے براہ راست وابستہ ہو۔

آپ اپنے تعارفی کلمات میں اس نکتہ کی وضاحت کے ساتھ
ساتھ "اسٹار آف انڈیا" کے مدیر کی توجہ بھی اس نکتہ کی جانب
منعطف کروا دیجئے گا۔ خدا کرے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں۔ آپ
کا مخلص.......

محمد اقبال

علامہ کے خط کا عکس :

Dr. Sir Mohd. Iqbal Kt.
M.A., Ph.D.
[illegible]
Lahore [illegible]

My dear [illegible]
I think it best to write to Fazl [illegible] & I will do so. But you said [illegible] to draft a letter & send it on to me [illegible] signed by both of us.
I hope you will send me your detailed views about Democracy & Capitalism as soon as possible.

I am enclosing two copies of Edward Thompson's (a well-known literary man in England) review of my book. It is interesting in many ways. You may like to publish it in your paper. Please send the other copy to the Star of India (Calcutta).

Please also note that the writer of this review confuses my scheme with 'Pakistan'. I propose to create a Muslim Province within the Indian federation; the 'Pakistan' scheme proposes a separate federation of Muslim Provinces in the North West of India outside the Indian federation and directly related to England.

Do not fail to point it out in your introductory comment & draw the attention of the Editor of the Star of India also to this point.

Hoping you are well.

Yours sincerely,
Muhammad Iqbal

علامہ کے یہ خطوط جو ۱۹۳۴ء میں لکھے گئے' ان میں صراحت کے ساتھ پاکستان کی تحریک سے لاتعلقی وبرات کا اظہار کیا گیا ہے' گویا وہ تحریک پاکستان کے محرک تو کیا ہوتے ۱۹۳۴ء تک وہ اس کے قائل ہی نہ تھے بعد میں وہ بھی تحریک پاکستان کے حامی وموید بن گئے ہوں تو امر آخر ہے' لیکن انہیں ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد کے حوالے سے "مصور پاکستان" "نقاش پاکستان" یا "نظریہ پاکستان کا محرک" قرار دینا نادرست

ہے' وہ اس دور میں تو پاکستان اسکیم کو کیمبرج کی تخلیق قرار دیتے ہیں' م۔ش صاحب سے گزارش ہے کہ وہ تاریخی ریکارڈ درست فرمالیں۔

م۔ش صاحب مزید لکھتے ہیں :

"مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کتنے ہی بڑے عالم دین کیوں نہ ہوں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عملی طور پر وہ مسلم لیگ کے مخالف اور کانگریس کے ہم نوا بن کر اس نظریہ کے مخالف تھے جس کے اقبالؒ اور جناح داعی تھے یعنی اسلام خود ایک تقدیر ہے جو کسی دوسری تقدیر کے تابع نہیں رہ سکتا"۔

موصوف کا یہ فقرہ اول تو خلط مبحث ہے میری گفتگو اس میں نہیں تھی کہ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کا سیاسی نظریہ کیا تھا اور کیا نہیں؟ میں نے خود ہی لکھ دیا تھا کہ :

" حضرت کی سیاسی رائے سے تو دیانت داری کے ساتھ اختلاف ہو سکتا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ بہت سے اکابر کو ہوا بھی' اختلاف رائے ایک فطری امر ہے' لیکن جو حضرات' حضرت کے روحانی مرتبہ ومقام سے آشنا تھے وہ حضرت کی شان میں سوء ادب کو گناہ سمجھتے تھے"۔

گفتگو تو اس میں تھی کہ جن اشعار سے اقبال مرحوم نے رجوع کرلیا تھا "ارمغان حجاز" کے مرتبین کے لئے انہیں شائع کرنے کا کیا جواز تھا؟ اور انہی منسوخ شدہ اشعار کی آڑ لے کر جو لوگ نصف صدی سے حضرت شیخ الاسلامؒ کی توہین کرکے "مردہ بھائی کا گوشت" کھا رہے ہیں کیا ان کے لئے یہ حلال وطیب ہے؟ م۔ش صاحب میرے اس سوال کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے' اس کے بجائے وہ حضرتؒ کے سیاسی نظریہ کو لے بیٹھے۔ علاوہ ازیں اگر حضرت مدنیؒ کا نظریہ اقبال وجناح کے

خلاف تھا تب بھی یہ سوال اپنی جگہ قائم رہتا ہے کہ میم شین صاحب اور ان کے احباب کے لئے اقبال کے قلمزدہ اشعار کے حوالے سے حضرت مدنیؒ کی توہین وتذلیل، غیبت وبہتان اور اٹھتے بیٹھتے تبرائی انداز میں ان اشعار کا وظیفہ پڑھنا کیسے حلال ہوگیا؟ کیا میم شینی آئین ودستور میں کسی سیاسی مخالف کا خون ومال اور اس کی عزت وآبرو سب حلال ہوجاتی ہے؟

اقبال اور جناح جس سیاسی نظریہ کے داعی تھے بلاشبہ حضرت مدنیؒ کو اس سے اختلاف تھا۔ لیکن یہ اسلام اور کفر کی جنگ نہیں تھی جیسا کہ میم شین صاحب ہمیں باور کرانا چاہتے ہیں ورنہ علامہ اقبال ہمیں حضرت مدنیؒ کی حمیت دینی کا احترام کرتے ہوئے نظر نہ آتے، اصل نقطہ اختلاف یہ تھا کہ آیا ملک کی تقسیم ہندی مسلمانوں کے لئے مفید ہوگی یا نہیں۔ نظریہ پاکستان کے قائدین کا موقف یہ تھا کہ معروضی حالات میں ہندو مسلم تنازع کا ایک ہی حل ہے اور وہ ہے مسلمانوں کے لئے ایک الگ خطہ وطن کا حصول۔ جہاں مسلمان اپنے ملی تشخص کو اجاگر کرسکیں اور آزادی کے ساتھ خلافت راشدہ کے انداز میں کتاب وسنت کے مطابق نظام حکومت چلا سکیں۔

اس کے برعکس حضرت مدنیؒ اور ان کے رفقا کا نظریہ یہ تھا کہ ملک کی تقسیم ہندی مسلمانوں کے مسئلہ کا حل نہیں اس سے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا اور مسلمانوں کی مجتمع قوت پارہ پارہ ہوکر رہ جائے گی۔

پاکستان کے مشرقی اور مغربی صوبوں کے درمیان طویل جغرافیائی فاصلہ ہوگا اور ان دونوں کے لئے ایک دوسرے کی مدد ممکن نہیں ہوگی۔ ادھر مسلم اقلیت صوبوں کے مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہوجائے گی وہ کسمپرسی کا شکار ہوں گے، ہندو اکثریت ان کو زر خرید غلاموں کی حیثیت دے گی اور اہل پاکستان ان کی کوئی اشک شوئی نہیں کرسکیں گے۔ اس کے نتیجہ میں خون مسلم کی جو ارزانی ہوگی اور مسلمانوں کی عزت

وحرمت کی جو پامالی ہوگی اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، جو مسلمان پاکستان پہنچنے کی کوشش کریں گے انہیں آگ اور خون کے سمندر سے گزر کر جانا ہوگا۔

چنانچہ یہ اندیشے واقعہ بن کر سامنے آئے "کردار قائد اعظم" کے مصنف نے جناب سردار عبد الرب (سابق) وزیر صنعت پاکستان کے حوالے سے مندرجہ ذیل اعداد و شمار نقل کئے ہیں :

○ پانچ لاکھ سے دس لاکھ مسلمانوں کی جانیں گئی ہیں۔
○ نوے ہزار مسلمان عورتیں غیر مسلموں نے قبضہ کرلیں۔
○ اسی لاکھ مسلمان اپنی جائیداد و مال سے محروم کردئے گئے۔

(کردار قائد اعظم ص ۳۹۴)

یہ نقصان صرف ان مسلمانوں کا ہوا جو پاکستان ہجرت کر آئے تھے جو مسلمان ہندوستان میں رہ گئے (اور جن کی تعداد اب بیس کروڑ ہے) ان پر آئے دن جو قیامت برپا ہوتی ہے وہ سب کو معلوم ہے ان کے جانی ومالی نقصانات کا کوئی تخمینہ اور اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ جو حضرات تقسیم کے مخالف تھے انہیں مسلمانوں کے الگ وطن سے ضد نہیں تھی، لیکن اس کے حصول میں جو خطرات مضمر تھے، مسلمانوں کی جان ومال کی جو تباہی اور حرمت وعصمت کی جو بربادی پیش آنے والی تھی وہ اس سے ترساں ولرزاں تھے۔ بعد میں جب یہ واقعات رونما ہوئے اس سے انسانیت چیخ اٹھی، مگر ان حضرات کی چشم بصیرت انہیں مستقبل کے دریچے سے پہلے ہی دیکھ رہی تھی اور پاکستان کے تصور میں مسلمانوں کے جو نقصانات پنہاں تھے وہ انہیں بے چین کئے ہوئے تھے۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے دہلی کے اردو پارک میں ۲۶ اپریل

۱۹۴۶ء کو پانچ لاکھ مسلمانوں کے اجتماع سے تاریخی خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا :

"یاد رکھو اگر آج تم باہم بیٹھ کر کوئی معاملہ بھی طے کر لیتے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوتا تم الگ الگ رہ کر بھی باہم شیر و شکر رہ سکتے تھے، مگر تم نے اپنے تنازعہ کا انصاف فرنگی سے مانگا ہے' وہ تم دونوں کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والا فساد ضرور پیدا کر کے جائے گا' جس سے تم دونوں قیامت تک چین سے نہ بیٹھ سکو گے اور آئندہ بھی تمہارا آپس کا تنازعہ باہمی بات چیت سے کبھی طے نہ ہو سکے گا' آج انگریز کے فیصلہ سے تم تلواروں اور لاٹھیوں سے لڑو گے تو آنے والے کل کو توپ اور بندوق سے لڑو گے تمہاری اس نادانی اور من مانی سے اس برعظیم میں انسانیت کی جو تباہی ہوگی' عورت کی جو بے حرمتی ہوگی' اخلاق و شرافت کی تمام قدریں جس طرح پامال ہوں گی' تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں وحشت اور درندگی کا دور دورہ ہوگا' بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو جائے گا' انسانیت اور شرافت کا گلا گھونٹ دیا جائے گا' نہ کسی کی عزت محفوظ ہوگی' نہ مال' نہ جان' نہ ایمان! اور اس سب کا ذمہ دار کون ہوگا؟ تم دونوں!"۔

(روزنامہ الجمیعۃ دہلی ۲۸ اپریل ۱۹۴۶ء (کردار قائد اعظم ص ۳۸۸)

ہمیں افسوس ہے کہ لیگ کے جذباتی کارکنوں نے ان بزرگوں پر "پاکستان کے مخالف" "کانگریس کے ہمنوا" "ہندوؤں کے ایجنٹ" اور نہ جانے کیا کیا پھبتیاں اڑائیں' لیکن یہ دونوں حضرات جو درد و کرب امت اسلامیہ کے لئے اپنے سینہ میں رکھتے تھے اور مستقبل کے ہولناک اور قیامت خیز منظر سے ان کے دل پر جو قیامت

سے پہلے قیامت گزر رہی تھی' اس کی طرف کسی دانش مند کو التفات نہ ہوا۔ اور لیگ کے ان بدنام کنندگان میں ایک بھی ایسا نہ نکلا جو ان بدنام کنندگان سے یہ کہہ سکتا

———" الیس منکم رجل رشید"———

یہ حضرات پاکستان کے مخالف تھے' بلاشبہ مخالف تھے لیکن کیوں مخالف تھے؟ اس لئے کہ پاکستان کے جلو میں ہندوستان کی امت اسلامیہ پر جو تباہی و بربادی نازل ہونے والی تھی اس کی وجہ سے مخالف تھے' لیکن جب پاکستان بن گیا تو ان سے بڑھ کر پاکستان کا کوئی وفادار نہیں تھا۔ یہ بحث میں آگے چل کر ذکر کروں گا۔

جہاں تک میم شین صاحب کے اس فقرے کا تعلق ہے کہ "اسلام خود ایک تقدیر ہے جو کسی دوسری تقدیر کے تابع نہیں ہو سکتا" مجھے یاد ہے اور خوب یاد ہے کہ ہمارے قائدین اور ان کے کارکنان بڑے خوش آئند اور ہیجان انگیز نعرے لگایا کرتے تھے اور ان نعروں سے قوم مسلم میں جوش و خروش کا ایسا طوفان برپا ہو جاتا تھا جس کے سامنے کوئی بند باندھنا ممکن ہی نہیں تھا' گلی گلی میں "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ" اور "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ" کے ترانے گونج رہے تھے عوام ان نعروں کی گونج سے ایسے مسحور تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ پاکستان کے قائم ہوتے ہی بس قرون اولیٰ کا دور عود کر آئے گا اور چار سو خلافت راشدہ کے نمونے نظر آئیں گے مگر ان بزرگوں کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ یہ سب سیاسی نعرے ہیں' ورنہ :

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

یہ حضرات اسلام کو پاکستان میں نافذ ہونے کا موقع نہیں دیں گے اور اس کی دو وجہیں تھیں ایک یہ کہ قائدین کے قول و فعل میں کھلا ہوا تضاد تھا' جو حضرات فرائض وواجبات شرعیہ سے بھی بے پرواہوں ان سے یہ توقع رکھنا کہ ایک نئے خطہ

وطن میں اسلام کو اپنی اصلی حالت میں نافذ کردیں گے ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی جنبی سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ جمعہ میں امامت کرائے' امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ۲۶ اپریل کو اسی معرکۃ الآراء تاریخی تقریر میں پانچ لاکھ مسلمانوں کے سامنے فرمایا تھا :

"اس وقت آئینی اور غیر آئینی دنیا میں یہ بحث چل رہی ہے کہ آیا ہندوستان میں ہندو اکثریت کو مسلم اقلیت سے جدا کرکے بر عظیم کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے؟ قطع نظر اس کے کہ اس کا انجام کیا ہوگا مجھے پاکستان بن جانے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ صبح کو سورج مشرق سے طلوع ہوگا' لیکن یہ وہ پاکستان نہیں بنے گا جو دس کروڑ مسلمانانِ ہند کے ذہنوں میں موجود ہے اور جس کے لئے آپ بڑے خلوص سے کوشاں ہیں' ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

بات جھگڑے کی نہیں' سمجھنے اور سمجھانے کی ہے لیکن تحریک کی قیادت کرنے والوں کے قول و فعل میں بلا کا تضاد اور بنیادی فرق ہے اگر آج مجھے کوئی اس بات کا یقین دلادے کہ کل کو ہندوستان کے کسی قصبہ کی گلی میں یا کسی شہر کے کسی کوچہ میں حکومت الٰہیہ کا قیام اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے تو رب کعبہ کی قسم! میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔

لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو لوگ اپنی اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ کے قد پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کرسکتے'

جن کا اٹھنا بیٹھنا' سونا جاگنا' جن کی وضع قطع' جن کا رہن سہن' بول چال' زبان و تہذیب' کھانا پینا' لباس وغیرہ غرض کہ کوئی چیز بھی اسلام کے مطابق نہ ہو' وہ دس کروڑ کی انسانی آبادی کے ایک قطعہ زمین پر اسلامی قوانین کیسے نافذ کرسکتے ہیں؟ یہ ایک فریب ہے اور میں یہ فریب کھانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

ہندو اپنی مکاری اور عیاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرتا رہے گا اسے کمزور بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا' اس تقسیم کی بدولت آپ کے دریاؤں کا پانی روک لے گا' آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی' آپ کی یہ حالت ہوگی کہ بوقت ضرورت مشرقی پاکستان' مغربی پاکستان کی' اور مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کی کوئی سی مدد کرنے سے قاصر ہوگا' اندرونی طور پر پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہوگی اور یہ خاندان زمینداروں' صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کے خاندان ہوں گے' امیر دن بدن امیر ہوتا چلا جائے گا اور غریب غریب تر"۔

(روزنامہ الجمیعہ ۲۸ اپریل ۱۹۴۶ء) (بحوالہ کردار قائد اعظم ص۱۵۶۔ ۱۵۷)

دوسری وجہ یہ تھی کہ مسلم لیگ کی شہرت ہمیشہ سے سروں' خان بہادروں اور انگریز کے خوشامدیوں کی رہی' لیگ کے میدان جہد و عمل میں یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ کون حقیقی معنی میں مسلمان ہے' کون نہیں' وہاں سب سے زیادہ عمل دخل اسی کا تھا جو سرکار دربار میں زیادہ سے زیادہ اثر و رسوخ رکھتا ہو' اور جسے سرکار عالی مدار گورنمنٹ انگلش نے خطابات خسروانہ سے نوازا ہو۔

۱۹۱۱ء میں جارج پنجم شاہ انگلستان کا جشن تاج پوشی ہندوستان میں بھی منایا گیا تھا

اس سلسلہ میں شاہ انگلستان ہندوستان بھی آئے تھے اس کی روئیداد منشی دین محمد کی کتاب "یادگار دربار تاج پوشی ۱۹۱۱ء" میں درج ہے' اس موقعہ پر آل انڈیا مسلم لیگ نے جو خیر مقدم کا تار دیا تھا اس کا متن مندرجہ کتاب کے صفحہ ۲۲۰ پر ان الفاظ میں درج ہے :

"آل انڈیا مسلم لیگ کا تار خیر مقدم"

"آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے مندرجہ ذیل تار خیر مقدم موصول ہوا"۔

" آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل ۷ کروڑ مسلمانان ہند کی طرف سے نہایت ادب سے حضور شہنشاہ معظم وملکہ محترمہ کو سرزمین ہند پر رونق افروزی کیلئے دلی خیر مقدم عرض کرتی ہے' اور شہنشاہ کی ذات بابرکات کو اسلامی دنیا کے سب سے اعلیٰ فرمانروا کی حیثیت میں اہلا وسہلا ومرحبا کہتی ہے اور اظہار اطاعت وعقیدت مندی کے بعد حضور پر نور کی سلامتی اقبال وامن وآسایش کی برکات سے مستفید ہونے والے عہد ابد قرار کے لئے دعائیں مانگتی ہے۔

حضور والا کا ورود مسعود مسلمان رعایائے ہند کے لئے دوچند مسرت انگیز ہے کہ ایک تو حضور نے مدینہ جیسے مبارک نام والے جہاز پر سفر فرمایا' دوسرے عید الاضحیٰ کے مبارک دن جو ساری اسلامی دنیا کے لئے خوشی ومسرت کا دن ہے بندرگاہ بمبئی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے فخر بخشا۔

ملک معظم کا جواب:

چنانچہ اس تار کے جواب میں بھی حضور ملک معظم کی طرف
سے شکریہ کا تار لیگ کے نام روانہ کیا گیا"۔

تحریک پاکستان کے دور میں مسلم لیگ کی قیادت اگرچہ قائد اعظم محمد علی جناح کے ہاتھ میں آگئی تھی لیکن لیگ کی مرکزی وذیلی قیادت میں موثر اکثریت انہی لوگوں کی رہی جو فرائض شرعیہ کے تارک تھے' جن کے نزدیک دین اور دینداری ملائیت اور دقیانوسیت کی علامت تھی' جن کے دل ودماغ میں انگریزیت رچی بسی ہوئی تھی' وہ انگریزی میں سوچتے تھے' انگریزی میں پڑھتے تھے' انگریزی میں لکھتے تھے' انگریزی میں بولتے تھے۔ انہوں نے اسلام کو بھی انگریزیت ہی کی عینک سے پڑھا اور سمجھا تھا۔ ان حضرات کے نزدیک اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل صرف مسلمانوں کے گھر پیدا ہونا یا اپنے آپ کو مسلمان کہلوانا تھا۔ اس سے زیادہ ان کے خیال میں اسلام کا کوئی مفہوم نہیں تھا' ان کے نزدیک آغا خانی' رافضی' قادیانی' چکڑالوی' ملحد اور کمیونسٹ قسم کے لوگ بھی' چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے اس لئے یہ سب سچے پکے مسلمان تھے۔ ایسے لوگوں سے کیا توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ پاکستان میں واقعی اسلام کو نافذ کریں گے۔

قائدین پاکستان نے عوام سے خدا ورسول کے نام پر قوم سے جو وعدے کئے تھے نفاذ اسلام کے جو دعوے کئے تھے' اسلام اور پاکستان کو لازم وملزوم قرار دیتے ہوئے جو خوشنما نعرے لگائے تھے' اور قوم کو اسلامی نظام کے جو سبز باغ دکھائے تھے' کاش! یہ قیادت کم از کم ان دعووں اور وعدوں ہی کی لاج رکھتی' اور اس نے جو کچھ کہا تھا قیام پاکستان کے بعد اسے کرکے بھی دکھادیتی۔ اس طرح نہ صرف وہ زخم مندمل ہوجاتے جو ہندوستان کی امت اسلامیہ کو تقسیم کے نتیجے میں لگے تھے بلکہ مخالف

تقسیم بزرگوں کے پیشگی اندیشے بھی حرف غلط ثابت ہو جاتے۔ لیکن افسوس! ایسا نہیں ہوا اور ان بزرگوں نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا اور اپنی دور بینی و دور اندیشی کی بنا پر قائدین تحریک کے بارے میں جو پیش گوئی کی تھی وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔

بجائے اس کے مسلم لیگ' خالق و مخلوق سے کئے گئے وعدوں کی شرم رکھتی اور پاکستان میں اسلام کو نافذ کرتی' الٹا اس نے اسلام کی مخالفت پر کمر باندھ لی' قیام پاکستان کو ابھی دو مہینے نہیں گزرے تھے کہ مسلم لیگ صوبہ سندھ کی کونسل نے مرکز کی مسلم لیگی حکومت کو اس مضمون کی قرار داد بھیجی کہ پاکستان میں سوشلسٹ نظام نافذ کیا جائے۔

ڈاکٹر صفدر محمود اپنی کتاب "پاکستان مسلم لیگ کا دور حکومت" میں لکھتے ہیں :

> "سندھ مسلم لیگ کی کونسل نے دوسری صوبائی لیگوں کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ جرات کے مظاہرے سے آغاز کار کیا' تقسیم کے صرف چند ماہ بعد سندھ مسلم لیگ پہلا سیاسی ادارہ تھا جس نے پاکستان میں نظام حکومت کے لئے سوشلسٹ آئین بنانے کی سفارشی قرارداد منظور کرلی' اس قرارداد میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ "پاکستان کے آئین میں ہر صوبے کو اندرونی معاملات میں مکمل آزادی ہونی چاہئے اور وحدت کی تشکیل اس طرح عمل میں لائی جائے کہ پاکستان میں شامل تمام اکائیوں کو چھوٹی بڑی کے امتیاز کے بغیر انتظامیہ اور مقننہ میں مساوی نمائندگی مل سکے (پاکستان ٹائمز لاہور ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء) سندھ لیگ کونسل نے ایک قرار داد میں سرکاری محکموں

میں رشوت ستانی اور بدعنوانی کی بھی برملا مذمت کی۔ آغاز میں مسلم لیگ کی تمام صوبائیں شاخیں رشوت ستانی کی مذمت کرتی تھیں، لیکن آہستہ آہستہ یہ احساس ختم ہوگیا یا لیگی لیڈروں نے صورت حال سے سمجھوتہ کرلیا"۔ (ص ۱۸۶)

خدا کا قہر، مسلم لیگ کی سندھ کونسل یہ اسلام کش قرارداد اس وقت بھیج رہی تھی، جب صرف اسلام اور مسلمانی کے جرم میں لاکھوں مسلمان شہید کئے جا رہے تھے، جب لاکھوں عصمتیں لٹ رہی تھیں، جب لاکھوں کی تعداد میں کٹے پٹے مسلمان پاکستان پہنچ رہے تھے، جب خون مسلم کی ارزانی سے دریاؤں کا پانی سرخ ہو رہا تھا، جب پردہ نشین بی بیاں اپنی عصمت بچانے کے لئے کنوئیں بھر رہی تھیں، جب آسمان خون کے آنسو رو رہا تھا اور مادر گیتی کا سینہ اپنے سپوتوں کی مظلومیت سے چاک تھا، لیکن نہ سندھ مسلم لیگ کی کونسل کو یہ قرارداد منظور کرتے ہوئے شرم آئی اور نہ مرکزی قیادت نے سندھ مسلم لیگ کے اس ارتداد وانحراف کا کوئی نوٹس لیا، یہ تھا "اسلام خود ایک تقدیر ہے جو کسی دوسری تقدیر کے تابع نہیں رہ سکتا"۔ کے نعرے لگانے والوں کا انجام اوران کا زریں کارنامہ۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے بھولے بھالے میم شین صاحب "حسین دشمنی" کے لئے آج بھی اسی نعرے کا حوالہ دے رہے ہیں۔ آج قیام پاکستان کو چالیس سال گزر چکے ہیں، لیکن ہنوز روز اول ہے، بقول سعدیؒ :

چہل سال عمر عزیزت گزشت
مزاج تو از حال طفلی نہ گشت

ناخدایان پاکستان اسلام کے نفاذ میں ہنوز پیران نابالغ ہیں، پاکستان میں خدا کا دیا سب کچھ ہے، نہیں ہے تو بس اسلام کا نفاذ نہیں ہے، ہم آزاد ہیں، آزاد مملکت کے شہری ہیں، لیکن ہمارے دل ودماغ پر بدستور انگریزیت کی چھاپ ہے، اور ہمارے

ایوانوں اور عدالتوں میں انگریز کا قانون، کافرانہ قانون آج بھی حکمرانی کررہا ہے۔ آج بھی "متحدہ شریعت محاذ" "شریعت بل" کا کاسہ گدائی لئے ناخدایان پاکستان اور خداوندان لیگ سے اسلام کی دریوزہ گری کرتا نظر آرہا ہے۔ نہیں کہہ سکتے کہ اس فقیر بے نوا کو یہ بھیک ملے گی یا نہیں، جہاں تک اس ناکارہ کا احساس ہے مسلم لیگ کے گھر سے اسے یہ خیرات نہیں ملے گی، ہرگز نہیں ملے گی۔ کسی کے گھر میں کچھ ہو تو فقیر محتاج کو دے سکتا ہے لیکن جس گھر ہی میں کچھ نہ ہو وہ کسی کو کیا دے؟

کیا م ش صاحب کے نزدیک "اسلام کی یہی تقدیر" تھی جس کا حسرت ناک تماشہ چالیس سال سے پاکستان میں دکھایا جارہا ہے؟ اور اگر پاکستان میں اسلام کا یہ انجام حضرت مدنیؒ کی حقیقت بین و حق آگاہ نگاہیں اس وقت بھی وہی کچھ دیکھ رہی ہوں، جو کچھ بعد میں سامنے آیا تو میم شین صاحب ہی فرمائیں کہ اب ہمیں حضرت مدنیؒ کی کرامت اور قوت کشفیہ کا قائل ہونا چاہئے یا سب کچھ آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد بھی حضرت مدنیؒ کی عزت و حرمت پر حملے کرنے چاہئیں۔

میں جناب میم شین صاحب سے گزارش کروں گا کہ وہ حضرت مدنیؒ کو ہزار گالیاں دے لیں، انہیں سب معاف! لیکن خدارا ارباب لیگ سے وہ وعدے پورے کرائیں جو انہوں نے خدا سے اور خلق خدا سے کئے تھے اور جن وعدوں اور دعووں کی مخالفت کی وجہ سے آج تک حضرت مدنیؒ کی پوستین دری کی جارہی ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود۔

جناب م شین صاحب مقطع سخن پر لکھتے ہیں :

> "اگر "بینات" کے ارباب قلم، مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے سیاسی عمل کو آج بھی اسلام کی تعلیمات کے ہم آہنگ سمجھتے ہیں تو انہیں پاکستان کے بانیوں جناح اور اقبال کے سیاق و سباق میں

"بینات" کے مقام اشاعت پر نظر ثانی فرمانا چاہئے"۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے سیاسی موقف کی مختصر تشریح اوپر کر چکا ہوں جہاں تک "اسلام کی تعلیمات سے ہم آہنگی کا تعلق ہے تو مجھے یہ کہنے دیجئے کہ آسمان سے وحی نہ مولانا حسین احمد مدنیؒ پر اترتی تھی نہ اقبال و جناح پر۔ جس نے جو موقف بھی اختیار کیا وہ اپنے فہم وادراک اور اپنی بصیرت واجتہاد پر اختیار کیا' تحریک پاکستان کے باب میں خود ہمارے اکابر کے دو گروہ ہوگئے تھے ایک شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور ان کے رفقا کا' دوسرا حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ' شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی' شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد تھانوی' مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور ان کے رفقا کا تھا۔ خود قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی اعتراف کیا تھا کہ جب ان کے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ فلاں فلاں علما تحریک پاکستان کے مخالف ہیں تو قائد اعظم نے فرمایا :

> "مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم وتقدس و تقویٰ اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور تمام علما کا علم وتقدس و تقویٰ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو اس کا پلڑا بھاری ہوگا' وہ مولانا اشرف علی تھانوی ہیں جو چھوٹے سے قصبہ میں رہتے ہیں مسلمانوں کو ان کی حمایت کافی ہے اور کوئی موافقت کرے یا نہ کرے ہمیں پرواہ نہیں"۔

(تعمیر پاکستان و علما ربانی ص۱۹۶ (کردار قائد اعظم ص۱۷۴)

ظاہر ہے کہ ان بزرگوں میں سے ہر ایک اپنی اجتہادی رائے کو صحیح وبرحق اور دوسرے کی رائے کو غلط تصور کرتا تھا۔ ٹھیک اسی طرح' جس طرح جنگ جمل کے دونوں فریقوں میں ہر ایک اپنی اپنی اجتہادی رائے کے مطابق عمل کا مکلف تھا' ہر

ایک اپنے اجتہادی موقف پر اجر وثواب کا مستحق تھا کیونکہ جس نے جو موقف اختیار کیا محض رضائے الٰہی کی خاطر اختیار کیا' کسی دنیوی مفاد یا جاہ ومنصب کی خاطر نہیں۔

کافی دنوں کی بات ہے' حیدر آباد سے ایک نوجوان آئے دوپہر کا وقت تھا دوپہر کے قیلولہ کے لئے جارہا تھا انہوں نے کہا حیدر آباد سے آیا ہوں' ایک بات نے مجھے بڑا پریشان کر رکھا ہے میرے دریافت کرنے پر کہا کہ ۱۸۵۷ء سے ہمارے بزرگ قربانیاں دیتے چلے آرہے تھے لیکن تعجب ہے کہ جب آزادی ملی اور مال غنیمت تقسیم کرنے کا وقت آیا تو ہمارے بزرگوں کو کچھ نہ ملا نہ ادھر نہ ادھر' آخر اس کی وجہ کیا تھی؟

میں نے کہا جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اگر اس کے خلاف ہوتا تو تعجب کی بات ہوتی' سنئے! اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور جس شخص نے جس مقصد کے لئے محنت وجانفشانی کی ہو اللہ تعالیٰ محنت کے بقدر اس پر وہ مقصود مرتب فرمادیتے ہیں' جن لوگوں نے سیاسی محنت' جاہ واقتدار کے حصول کے لئے کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی محنت پر ان کا مقصد مرتب فرمادیا اور ہمارے اکابر نے سیاسی میدان میں آزادی وطن کے لئے جو محنت بھی کی وہ محض رضائے الٰہی کے لئے تھی' کسی دنیوی جاہ ومنصب کے لئے نہیں' اس لئے ان حضرات کی محنت پر وہ نتیجہ مرتب ہوا جس کو انہوں نے مقصد بنایا تھا' اگر اس کے خلاف ہوتا تو تعجب کی بات ہوتی' اب تو جو کچھ ہوا عین سنت اللہ کے مطابق ہوا۔

جن لوگوں نے دنیا کو مقصد بنایا ان کو دنیا مل گئی اور جنہوں نے محض رضائے الٰہی اور آخرت کو سعی ومحنت کا مقصد بنایا تھا ان کو دنیا میں کچھ بھی نہیں ملنا چاہئے تھا ان کے لئے ان شاء اللہ آخرت کا اجر وثواب کافی ہے چنانچہ آزادی ہند کے بعد حکومت ہند نے حضرت مدنیؒ کو جمہوریہ ہند کا سب سے بڑا خطاب "پدم بھوشن" دینا

چاہا تو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "یہ ان کے اسلاف کرام کے شیوہ کے خلاف ہے"۔

مولانا انظر شاہ مسعودی لکھتے ہیں :

"۱۹۴۷ میں جب وہ شباب سے نکل کر شیب میں داخل ہوئے تو یورپ کے اقتدار کا آفتاب نیمروز ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا' اس طرح وہ ان خوش بخت لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی جہد کی کامیابی اپنی زندگی ہی میں دیکھ ڈالی' سیاسی جدوجہد میں اس قدر بے لوث کہ حکومت کے اعزاز وخطابات جن کے لئے نہ جانے کتنے مچلتے ہیں' تڑپتے ہیں' کوششیں کرتے ہیں' لیکن "پدم بھوشن" کا سرکاری خطاب دست بستہ ان کے یہاں حاضر ہوا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حکام وقت نے حکومت کی عزت کا واسطہ دیا تو رات بھر یہ اعزاز آستانہ مدنی پر رہا اور صبح کی پو پھٹنے کے ساتھ ہی بارگاہ علم و عمل سے اسے واپسی کا حکم ملا' آزاد ہندوستان میں کسی وزیر کی کوٹھی کے چکر تو کیا' کبھی منسٹر سے ملاقات کی کوشش تو درکنار صرف ایک بار دارالعلوم کی ایک اہم ضرورت پر وزیر اعظم جواہر لال نہو کی کوٹھی پر تشریف لے گئے کار سے اترے نہیں جواہر لال نہو خود دوڑ کر پہنچے اور بہ ہزار منت وسماجت اس عجیب وغریب انسان کو کوٹھی میں لیجانے یا ایک چائے کی پیالی کی تواضع سے محروم رہے یہ تھا ان کا کردار اور یہ تھیں ان کی بلند روایات"۔

(نقش دوام ص ۶۰)

بہرحال حضرت مدنیؒ نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی' یہ ان کی اجتہادی رائے

تھی آپ چاہیں تو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی طرح اس رائے سے اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جب ان کی رائے کے علی الرغم پاکستان معرض وجود میں آگیا تو ان سے بڑھ کر پاکستان کا احترام کرنے والا ارباب لیگ کے حلقہ میں بھی مشکل ہی سے کوئی ہو گا۔

مولانا افضال الحق قاسمی لکھتے ہیں :

"اسی طرح ۱۹۴۷ء تک ہم نے دیکھا کہ ۱۴ اگست تک جس پاکستان کے بننے کی سخت ترین مخالفت کرنے والوں میں سب سے آگے حضرت شیخ تھے کہ اس سے اسلام اور مسلمان دونوں کو سخت نقصان پہنچے گا، اسی پاکستان کو اس کے بن جانے کے بعد تسلیم کر لیا اور جب کسی نے ایک مجلس میں پوچھا کہ حضرت پاکستان کے لئے اب آپ کا کیا خیال ہے تو حسب معمول سنجیدگی وبشاشت سے فرمایا کہ "مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن جب وہ بن گئی تو مسجد ہے" یہ تھی حضرت کے یہاں دین کی روشنی، بڑے سے بڑے معاملے میں چھوٹے سے چھوٹے قضیہ میں"۔

(روزنامہ الجمعیہ دہلی، شیخ الاسلام نمبر ص ۱۷)

م۔ ش صاحب ہی بتائیں کہ ارباب لیگ میں کتنے ایسے آدمی ہیں جو پاکستان کو مسجد کی طرح مقدس سمجھتے ہوں اور اس کی حفاظت وصیانت کو مسجد کی طرح ضروری قرار دیتے ہوں، یہ تھا حضرت مدنیؒ کا پاکستان کے بارے میں بلند کردار اب ذرا قائد اعظم کے بارے میں بھی حضرتؒ کی بلندی کردار کا نمونہ ملاحظہ کیجئے :

حافظ بشیر احمد غازی آبادی نے "جنگ" کے کالم میں یہ واقعہ لکھا تھا کہ تقسیم کے بعد بمبئی میں تمام جماعتوں کا ایک مشترکہ اجلاس ہوا جلسہ کے مقررین میں سے جو

اٹھتا وہ قائد اعظم کے بارے میں ناشائستہ اظہار خیال کرتا' حضرت مدنیؒ بھی شریک جلسہ تھے' جب آپ کو دعوت خطاب دی گئی تو فرمایا :

"یہاں تمام مقررین نے زور تقریر جناح صاحب کی مذمت پر صرف کیا ہے میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص ہم سے جدا ہو چکا ہے اور اب وہ ہمارے درمیان موجود نہیں' اس کی برائی سے کیا مقصد ہے اور اس کا کیا نفع ہوگا"۔

اگلے دن بمبئی کے اخبارات نے شہ سرخی لگائی' "مولانا حسین احمد مدنی مسٹر جناح کے نقش قدم پر"۔

قیام پاکستان کے بعد کبھی کسی نے حضرت مدنیؒ کی زبان مبارک سے ایک لفظ بھی قائد اعظم کے بارے میں نہ سنا ہوگا' کیا م۔ ش صاحب اور ان کے رفقا اس بلندی کردار کی گرد راہ کو بھی پہنچ سکتے ہیں جنہیں حضرت مدنیؒ کو گالیاں دینے کے سوا کوئی مثبت کام کرنا ہی نہیں آتا۔

م۔ش صاحب "بینات" کے مقام اشاعت پر نظر ثانی کا مشورہ محض اس لئے دینے لگے کہ میں نے ان کے سامنے اقبال مرحوم کا ذکر کردہ "آئینہ بولہبی" پیش کرکے ان کو اس میں اپنا چہرہ دیکھنے کی دعوت دی تھی؟ میں عرض کروں گا کہ پاکستان کسی کی جاگیر نہیں' اس کی بنیاد میں ہمارے بزرگوں کی قربانیاں شامل ہیں' اس کی خاطر ہم نے ہزاروں مسجدیں ہندوؤں اور سکھوں کے حوالے کی ہیں' اس کے لئے ہم نے اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کو لٹایا ہے' اس کی خاطر ہمارے معصوم بچے ہماری آنکھوں کے سامنے ذبح ہوئے ہیں اس کے لئے ہم نے ظلم وستم کے خنجر اپنے جگر اور سینے پر کھائے ہیں' اس کی خاطر ہم نے ان قیامتوں کا سامنا کیا جس کا تصور بھی ایوانوں میں بیٹھنے والا کوئی لیگی نہیں کرسکتا۔

آج ہمیں م۔ش صاحب "مقام اشاعت پر نظر ثانی" کا مشورہ دیتے ہوئے ان تمام قربانیوں سے کیوں آنکھیں میچ لیتے ہیں جو ہم نے وطن عزیز کی خاطر دی ہیں' پاکستان ہمارا ہے یہ ہمارا عقیدہ و ایمان ہے یہ ہماری روح اور جان ہے وہ کون ہوتا ہے جو ہمیں اس کا طعنہ دے؟

ہاں! یہ گزارش پھر کروں گا اور کرتا رہوں گا کہ خدارا حضرت مدنیؒ کا گوشت نوچنا چھوڑ دیجئے' اس کا زہر تمہاری دنیا و آخرت کو برباد کر کے چھوڑے گا' اور یہ بھی ضرور کہوں گا کہ ان اشعار کو یا تو "ارمغان حجاز" سے حذف کر دیجئے' یا پھر اس بولہبی کے تماشے کو چھوڑ کر "بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را" کے مقام پر آجایئے۔

سرمدا! گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن بہ رضائے دوست می باید کرد
یا قطع نظر از یار می باید کرد

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف الرحیم۔ وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقه صفوة البریة محمد و آله واصحابه اجمعین۔

(بینات رجب ۱۴۰۷ھ)

ضمیمہ

ڈاکٹر محمد اقبالؒ
کی
تنقیدات و ترجیعات

از حکیم مولانا فضل الرحمٰن سواتی

دریدہ معنی نگراں حضرت اقبال
پیمبری کرد وپیمبر نتواں گفت

ترجمان حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمتہ بڑے جوشیلے اور جذباتی آدمی تھے، جب اپنے نظریے کے خلاف کسی میں کوئی بات دیکھ لیتے تو فوراً جوش میں آکر اس پر تنقید فرماتے، چونکہ وہ صرف جوشیلے اور جذباتی تھے ضدی نہ تھے اس لئے پھر اگر انہیں یہ معلوم ہوجاتا کہ میں غلطی پر ہوں یا یہ معلوم ہوجاتا کہ لوگ ان کی تنقید کو پسند نہیں کرتے تو فوراً اس سے رجوع فرمالیتے اور آئندہ اشاعت سے اس تنقید کو خارج کردیتے، اس موقع پر میں چند تنقیدات و ترجیعات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

ا : ------ڈاکٹر محمد اقبال کی پہلی تصنیف مثنوی اسرار خودی ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی تھی، میں نے جب اخبارات میں اس کا ذکر دیکھا تو فوراً اسے منگوالیا اور غور سے دیکھا، اس میں دو تنقیدیں تھیں، ایک تو خواجہ حافظ شیراز پر، اور دوسری صوفیائے کرام پر، حافظ شیراز پر بہت سخت تنقید تھی، پینتیس عدد اشعار اس بارے میں درج تھے، یہ بات مجھے سخت ناگوار گزری، فوراً ایک خط جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں لکھا کہ

کتاب اچھی ہے لیکن خواجہ صاحب پر جو تنقید ہے وہ ٹھیک نہیں ہے' صوفیائے کرام پر جو تنقید تھی اس کا جواب خواجہ حسن نظامی" نے اپنے ماہانہ رسالہ نظام المشائخ میں بہت بسط اور شرح کے ساتھ دیا پھر اس کا جواب ڈاکٹر صاحب نے اخبار وکیل امرتسر میں دیا' اسی طرح تین بار جواب خواجہ حسن نظامی" نے دیا اور تین بار ڈاکٹر صاحب نے جواب لکھا' یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ مجھے اپنے وطن سوات جانے کی ضرورت پڑی' چنانچہ ماہ اگست ۱۹۱۷ء میں لاہور پہنچا اور جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے جو خط درباره تنقیدی اشعار بابت خواجہ حافظ شیراز لکھا تھا اسکا جواب نہیں آیا' آپ نے فرمایا کہ اس قسم کے متعدد خطوط ہند اور بیرون ہند سے آئے ہیں' ایک خط جو لندن سے مشیر حسین قدوائی نے انہیں لکھا تھا اور اسی وقت انہیں ملا تھا نکال کر سنایا انہوں نے لکھا تھا کہ مثنوی اسرار خودی کو میں نے پڑھا کتاب بہت بہتر ہے' لیکن خواجہ حافظ شیراز پر جو تنقید ہے وہ درست نہیں ہے" پھر جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ جب لوگ پسند نہیں کرتے تو آئندہ ایڈیشن سے ان اشعار کو خارج کردوں گا' لوگوں کی خاطر مجھے ایسا کرنا پڑے گا ورنہ حافظ شیراز کے متعلق میرا نظریہ وہی ہے جس کا اظہار میں نے تنقیدی اشعار میں کیا ہے' پھر آپ نے فرمایا کہ حافظ نے اپنی ہستی کا ستیاناس کردیا' معشوق کے سامنے اپنے آپ کو کتا ثابت کردیا ہے' چنانچہ انہوں نے یہ شعر سنادیا:

شنیده ام که سگاں را قلاده می بندی
چرا بگردن حافظ نمی نہی رسنے

میں نے کہا کہ یہ شعر مجازی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا میں نے سنا ہے کہ تم فساق وفجار کو اپنی آغوش رحمت میں لیتے ہو حافظ جو

فاسق وفاجر ہے اسے کیوں اپنی آغوش رحمت میں نہیں لیتے' یہ سن کر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ تو خاص آدمی ہیں مگر معاملہ عوام سے ہے میں نے کہا کہ دیوان حافظ بھی تو عوام کی چیز نہیں' بلکہ خواص کی ہے' آپ نے فرمایا کہ اطمینان رکھئے میں ضرور ان تنقیدی اشعار کو حذف کردوں گا' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا' وہ تنقیدی اشعار یہ ہیں' غور سے ملاحظہ فرمائیں :

ہوشیار از حافظ صہبا گسار
جامش از زہر اجل سرمایہ دار
رہن ساقی خرقہ پرہیز او
مے علاج ہول رستاخیز او
نیست غیر از بادہ در بازار او
از دو جام آشفتہ شد دستار او
چوں خراب از بادہ گلگوں شود
مایہ دار حشمت قاروں شود
مفتی اقلیم او مینا بدوش
محتسب ممنون پیر مے فروش
طوف ساغر کرد مثل رنگ مے
خواست فتویٰ از رباب وچنگ و نے
در رموز عیش و مستی کاملے
از خمے خوں دردلے پادر گلے
رخت شغل ساغر وساقی گزاشت
بزم رندان و مے باقی گزاشت

چوں جرس صد نالہ رسوا کشید

عیش ہم در منزل جاناں شدید

در محبت پیرو فرہاد بود

بر لب رو شعلہ فریاد بود

تخم نخل آہ در کہسار کاشت

طاقت پیکار باخسرو نداشت

مسلم و ایمان او زنار دار

رخنہ اندر دینش از مژگان یار

آنچناں مست شراب بندگی ست

خواجہ و محروم ذوق خواجگی ست

دعویٰ او نیست غیر از قال وقیل

دست او کوتاہ وخرما بر نخیل

آں فقیہ ملت مے خوارگاں

آں امام امت بے چارگاں

گوسفند است و نوا آموخت است

عشوہ وناز وادا آموخت است

دل ربائی ہائے او زہر است وبس

چشم او غارت گر شہر ست وبس

ضعف را نام توانائی دہد

ساز او اقوام را رسوا کند

اربز یونان زمیں زیرک تراست

پردہ عودش حجاب اکبر ست
نغمہ چنگش دلیل انحطاط
ہاتف او جبرئیل انحطاط
بگزر از جامش کہ در مینائے خویش
چوں مریداں حسن دارد حشیش
از تخیل جنتے پیدا کند
مرترا برنیستی شیدا کند
ناوک اندازے کہ تاب از دل برد
ناوک او مرگ را شیریں کند
مار گلزارے کہ دارد زہر ناب
صید را اول ہمے آرد بخواب
عشق با بحر نگاہش خودکشی ست
کشتنش مشکل کہ مار خانگی ست
حافظ جادو بیاں شیرازی است
عرفی آتش بیاں شیرازی است
ایں سوئے ملک خرد مرکب جہاند
آں کنار آب رکنا باد ماند
ایں قتیل ہمت مردانہ
آں ز رمز زندگی بیگانہ
دست ایں گیرد زآنچہ خوشہ
چشم آں از اشک دارد توشہ

روز محشر رحم اگر گوید بگیر
عرقیا فردوس وحور او حریر
غیرت اوخندہ بر حورا زند
پشت پا بر جنت المازند
بادہ زن باعرفی ہنگامہ خیز
زندہ از صحبت حافظ گریز
ایں فسوں خواں زندگی از ماربود
جام او شان جمی از ماربود
محفل او در خور ابرار نیست
ساغر او قابل احرار نیست
بے نیاز از محفل حافظ گزر
الحذر از گوسفنداں الحذر

دیکھا آپ نے کس قدر سخت تنقید ہے؟ جسے میری طرح معتقدین حافظؒ برداشت نہیں کرسکتے۔ ڈاکٹر صاحب نے متذکرہ بالا تنقیدی اشعار کو "مثنوی اسرار خودی" سے خارج تو کردیا مگر حافظ کے متعلق ان کا جو نظریہ ہے اسمیں کوئی فرق نہیں آیا' اگرچہ حافظ کو انہوں نے تنقیدی اشعار میں جادو بیاں کہا ہے لیکن دونوں کے نظریہ کے اختلاف کی وجہ سے ان کا دل حافظ کے متعلق صاف نہیں ہوا ہے' کئی بار انہوں نے حافظ کے اشعار پر تضمینیں کی ہیں مگر حافظ کا نام نہیں لیا ہے' "کلیات" میں "نصیحت" کے عنوان سے جو نظم ہے اسمیں اخیر کا شعر حافظ کا ہے :

عاقبت منزل ما وادی خاموشانست
حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز

خطاب بہ نوجوانان اسلام میں یہ مصرعہ حافظ کا ہے :

"باب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا"

قرب سلطان کی نظم میں یہ مصرعہ حافظ کا ہے :

"گدائے گوشہ نشینی تو حافظ مخروش"

اور یہ شعر بھی حافظ کا ہے :

محل نور تجلی است رائے انور شاہ
چو قرب رو طلبی در صفائے نیت کوش

ارتقا کے عنوان سے جو نظم ہے اس کا دوسرا مصرعہ بادنی تصرف حافظ کا ہے:

"چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی"

ایک خط کے جواب میں جو نظم ہے اسمیں اخیر کا شعر حافظ کا ہے :

گرت ہواست کہ باخضر ہم نشیں باشی
نہاں ز چشم سکندر چوں آب حیواں باش

اسیری کے عنوان سے جو نظم ہے اس کا آخری شعر حافظ کا ہے :

شہپر زاغ وزغن زیبائے قید وصید نیست
کیں سعادت قسمت شہباز وشاہین کردہ اند

طلوع اسلام کے عنوان سے جو نظم ہے اس کا اخیر کا شعر حافظ کا ہے :

بیا تاگل بیفشانیم وے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم وطرح دیگر اندازیم

ظریفانہ نظم کے عنوان سے جو نظم ہے اس کا اخیر شعر حافظ کا ہے :

دلق حافظ بچہ از روبہ میش رنگین کن
وانگہش مست وخراب ازرہ بازار بیار

میرے حافظہ میں جو نظمیں تھیں اور جن میں حافظ کے اشعار میں تضمینیں تھیں انہیں میں نے لکھا، ممکن ہے کہ اور تضمینیں بھی ہوں لیکن مجھے ان کا علم نہیں ہے۔ اور شعرا کے اشعار پر بھی ڈاکٹر اقبال نے تضمینیں لکھی ہیں، ان شعرا کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے، مثلاً فرماتے ہیں :

تضمین بر شعر انیس شاملو :

وفا آموختی ازما بکار دیگراں کردی
ربودی گوہرے ازما نثار دیگراں کردی

تضمین بر شعر صائب :

ہماں بہتر کہ لیلی دربیاباں جلوہ گر باشد
ندارد تنگنائے شہر تاب حسن صحرائی

تضمین بر شعر مرزا بیدل :

باہر کمال اندکے آشفتگی خوش ست
ہر چند عقل کل شدہ بے جنوں مباش

تضمین بر شعر ملک قمی :

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد

فردوس میں مکالمہ کے عنوان سے جو نظم ہے اس کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں شیخ سعدی شیرازی کا نام ہے اور دوسرا تو شعر سعدی ہی کا ہے :

اے آنکہ زنور گہر نظم فلک تاب
درمن بہ چراغ مہ واختر زدہ باز

اخیر کا شعر بھی سعدی شیرازی کا ہے :

خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم
دیبا نتواں یافت ازاں پشم کہ رشتیم

ڈاکٹر اقبال نے حافظ شیراز کو کماحقہ پہچانا نہیں ہے اس لئے وہ ان کو شرابی کہتے ہیں، حالانکہ کسی نے حافظ کو شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، نہ گھر کے لوگوں نے ان کو شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے، نہ باہر کے لوگوں نے، خواجہ حافظ لسان غیب کے نام سے مشہور ہیں، ایک دفعہ اورنگ زیب عالمگیر کی شاہی مہر گم ہوگئی تھی چونکہ وہ بہت قیمتی تھی، جواہرات اس میں لگے ہوئے تھے، اس کے علاوہ ان کو سب سے بڑا خدشہ یہ تھا کہ اگر اس کو کوئی غلط طریقہ پر استعمال کرے تو حکومت کا بہت زبردست نقصان ہوگا، اسی فکر میں غلطاں وپریشان تھے، چوں کہ ان کو خواجہ صاحب سے کمال عقیدت مندی تھی، اس لئے فال دیکھنے کی غرض سے دیوان حافظ اٹھایا اور کنیز کو پکارا کہ چراغ لے کر آؤ وہ چراغ لے آئی، انہوں نے دیوان کھول کر دیکھا تو یہ شعر نکلا :

بفروغ چہرہ زلفت ہمہ شب زندہ دل
چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

انہوں نے فوراً کنیز کی تلاشی لی تو اس کی کمر سے مہر برآمد ہوئی۔

دور کیوں جایئے' میری حالت سنئے ۱۹۳۸ء میں میں اپنے وطن سوات میں تھا' یہاں سے میں ۱۹۳۳ء میں گیا تھا۔ میرے چار بچے یہاں آمبور میں اپنے نانا محمد ہاشم صاحب کے پاس تھے اور میں سوات میں تھا' سوات کے خویش واقارب نے مجھے مجبور کردیا کہ واپس آمبور نہ جاؤں' میں بڑی کش مکش میں مبتلا تھا کہ واپس جاؤں یا سوات میں رہوں' آخر دیوان حافظ کھول کر فال نکالا تو یہ شعر نکلا :

من از دیار حبیبم نہ از دیار رقیب
مہمنا بہ رفیقان خود رساں بازم

میرے بڑے لڑکے کا نام حبیب الرحمٰن ہے' یہ دیکھتے ہی جانے پر آمادہ ہوا لیکن ہاتھ میں رقم نہیں تھی' حیراں نقطہ دار دائرہ پرکار میں رہا' گھر سے جب باہر نکلا تو ایک شخص باہر کھڑا میرے انتظار میں تھا' اس نے ایک سو روپیہ پیش کیا' کہ دمہ کی دوا جو آپ نے دی تھی اس سے بڑا فائدہ ہوا' بیس سال کا دمہ اس سے بالکل ٹھیک ہوگیا' یہ ایک سو روپیہ لے لو اور نسخہ لکھ کر دے دو' چنانچہ کھڑے کھڑے وہ نسخہ لکھ کر میں نے دیدیا اور دوسرے دن مدراس جانے لگا' اس وقت سے اب تک یہاں آمبور میں ہوں' کوئی صورت اپنے ملک جانے کی نہیں نکلتی' اچھا اب دوسری تنقید اور ترجیع ملاحظہ فرمایئے۔

۲ : ------- دسمبر ۱۹۲۰ء کے اخیر ہفتہ میں انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس

ناگپور میں زیر صدارت وجے رگھوا چاریہ منعقد ہوا تھا' جس میں مہاتما گاندھی کا نان کواپریشن والا ریزولیوشن پاس ہوگیا تھا' جس کی مخالفت قائد اعظم محمد علی جناح نے کی تھی' لوگوں نے ان پر شیم شیم کی آوازیں کسی تھیں' میں نے بھی زور زور سے شرم شرم کی آوازیں بلند کی تھیں' جناح صاحب اسی وقت کانگریس سے نکل گئے' ہندوستان میں اب کوئی ادارہ ان کے لئے نہیں رہا' مسلم لیگ تو مرچکی تھی اس کی جگہ خلافت کانفرنس کام کررہی تھی' مجبور ہوکر آپ لندن تشریف لے گئے' سات آٹھ مہینہ کے بعد لندن سے واپس آکر اکتوبر ۱۹۲۱ء میں بمبئی میں اعلان کردیا کہ لیگ کو پھر زندہ کردینا چاہیئے' اس اعلان سے ڈاکٹر اقبال بہت برہم ہوئے اور فوراً تنقیدی قطعہ ارشاد فرمایا' جو صدائے لیگ کے عنوان سے روزنامہ زمیندار مورخہ ۹ نومبر ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا' اس وقت کے تمام اردو اخبارات نے نہایت شان دار طریقے سے شائع کیا اور بہت سے لوگوں کے ورد زبان رہا' وہ قطعہ یہ ہے جو اس وقت میری نوک زبان ہے' صدائے لیگ (از ترجمان حقیقت ڈاکٹر محمد اقبالؒ)

لندن کے چرخ نادرہ فن سے پہاڑ پر
اترے مسیح بن کے محمد علی جناح
نکلے گی تن سے تو کہ رہے گی بتا ہمیں
اے جان برلب آمدہ! اب تیری کیا صلاح
دل سے خیال دشت وبیاباں نکال دے
مجنوں کے واسطے ہے یہی جادہ فلاح
آغا امام اور محمد علی ہے باب
اس دین میں ہے ترک سواد حرم مباح

بشریٰ لکم کہ منتظرما رسیدہ ہست
یعنی حجاب غیبت کبریٰ دریدہ ہست

(روزنامہ زمیندار مورخہ ۹ نومبر ۱۹۲۱ء)

میں نے علامہ اقبال کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ قطعہ تو بہت اچھا ہے لیکن جناح صاحب پر اس قدر سخت تنقید غیر مناسب ہے' تمام قطع کو بہت پسند کررہے ہیں مگر میں اس بارے میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں' میں بھی آپ کی طرح جناح صاحب کا مخالف ہوں' ناگ پور میں کانگریس کے اجلاس میں جب ان پر شیم شیم کی آوازیں کسی گئیں تو میں نے بھی زور زور سے شرم شرم کی صدا بلند کی' میں پکا خلافتی اور کانگریسی ہوں اور وہ ان دونوں کے سخت خلاف ہیں' لیکن انہوں نے ۱۹۱۸ء میں جو بہت اہم کام انجام دیا ہے اس کا اثر میرے دل ودماغ پر بہت زیادہ ہے' ۱۹۱۸ء میں وزیر ہند لارڈ مانٹیگو جب ہندوستان آئے تھے اور پورے ملک کا انہوں نے دورہ کیا تو ایک رپورٹ لارڈ چیمپو اور مانٹیگو کے نام سے مرتب کی گئی جس میں سفارش کی تھی کہ ہندوستان میں کافی صلاحیت ہے اس لئے اسے اصلاحات ملنی چاہئیں۔ اس رپورٹ کی تائید تمام صوبہ جات کے گورنروں اور لیفٹیننٹ گورنروں نے کی' لیکن بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگٹن نے اس کی مخالفت کی کہ ہندوستان میں اصلاحات کی قابلیت نہیں ہے' ولنگٹن کے اس رویہ کی کسی نے مخالفت نہیں کی صرف مسٹر محمد علی جناح ہی تھے جنہوں نے مشرح اور غیر مبہم الفاظ میں مخالفت کی اور لارڈ ولنگٹن کو دشمن ہند کہا کہ ایسے دشمن ہند گورنری کے لائق نہیں ہیں حکومت برطانیہ کو چاہئے کہ وہ انہیں واپس بلالے' جب لارڈ ولنگٹن کی میعاد گورنری ختم ہوئی اور وہ لندن جانے لگے تو بمبئی کارپوریشن کی جانب سے لارڈ موصوف کے اعزاز میں جلسہ منعقد ہوا' اس موقع پر مسٹر محمد علی جناح اور ان کی بیوی نے کالی جھنڈیوں سے لارڈ ولنگٹن کا استقبال کیا' غیر قوم میں سے کسی کی یہ جرات نہ ہوسکی' لہٰذا میں آپ کی

خدمت میں بادب التماس کرتا ہوں کہ ازراہ کرم اس قطعہ کو اپنے مجموعہ اشعار سے خارج کردیجئے گا۔

خط کے دو ہفتے کے بعد جناب ڈاکٹر اقبال صاحب کا نوازش نامہ موصول ہوا جس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ واقعی جوش میں آکر میں نے چند تنقیدی اشعار لکھے ہیں لیکن آپ کے خط نے میرے جوش کو فرو کردیا' میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے بروقت مجھے متنبہ کردیا' آپ کے سوا اور کسی نے مجھے نہ لکھا ہے اور نہ کسی نے زبانی ہی کچھ کہا ہے' اس بارے میں لکھنے والے آپ فرد واحد ہیں' اطمینان رکھئے کہ میں نے ان اشعار کو آپ ہی کے کہنے سے اپنے مجموعہ اشعار سے خارج کردیا ہے۔

سنہ ۱۹۲۸ء میں جناب ڈاکٹر اقبال صاحب" مدراس تشریف لائے' تو میں ان سے ملنے کی غرض سے مدراس گیا اور جناب یعقوب حسن سیٹھ صاحب کی معیت میں ان سے ملا' سیٹھ صاحب نے میرا تعارف ان سے کرانا چاہا آپ نے فرمایا "میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں' یہ اہل ایمان میں سے ہیں :

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر نکلے ادھر ڈوبے' ادھر ڈوبے ادھر نکلے

اور پھر فرمانے لگے ۱۹۱۷ء میں آپ لاہور آکر مجھ سے ملے ہیں' میں نے اسرار خودی میں جو تنقید خواجہ حافظ شیراز پر کی تھی اس بارے میں آپ نے مجھے مجبور کردیا کہ میں ان تنقیدی اشعار کو "مثنوی اسرار خودی" سے خارج کردوں' چنانچہ آپ کے کہنے سے میں نے ان اشعار کو خارج کردیا پھر ۱۹۲۱ء میں مسٹر محمد علی جناح صاحب پر چند اشعار بطور تنقید کہے تھے' جن کو تمام اخبارات نے شائع کیا تھا' اس بارے میں آپ کا ایک خط آیا تھا کہ ان اشعار کو اپنے مجموعہ سے خارج کرو' میں نے ان کے لکھنے سے ان اشعار کو اپنے کلیات سے خارج کردیا' میں جانتا ہوں یہ افغان ہیں' جب کسی بات کے

پیچھے لگ جاتے ہیں، جب تک اسے حاصل نہیں کر لیتے چین سے نہیں بیٹھتے۔

اب ایک تیسری تنقید ملاحظہ فرمائیں :

۳ —— : ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ نے پل بنگش کے پاس رات کے وقت ایک جلسہ میں تقریر کی تھی جس میں فرمایا تھا کہ آج کل اقوام وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں، جلسہ میں اخبار "الامان" کا نامہ نگار بھی تھا اسنے پوری رپورٹ مولوی مظہرالدین شیر کوٹی کو سنائی، چونکہ مولوی مظہر الدین مولانا مدنیؒ کے سخت مخالف تھے اس لئے انہوں نے جناب ڈاکٹر اقبال صاحب سے جو اس دن لاہور سے دہلی آئے تھے کہا کہ رات کے جلسہ میں مولانا مدنیؒ نے کہا ہے کہ ملتیں وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں، چونکہ یہ بات ڈاکٹر اقبال کے نظریے کے خلاف تھی اس لئے جوش میں آکر مولانا مدنیؒ پر سخت تنقید کی جس کا اظہار اس قطعے میں کیا ہے :

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد، ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سر ممبر کہ ملت از وطن ست
چہ بے خبر زمقام محمدؐ عربی ست
بہ مصطفیٰؐ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

جب حضرت مولانا مدنی کی نظر سے یہ قطعہ گزرا تو آپ نے اخبارات میں بیان شائع کروادیا کہ میں نے ملت کا لفظ نہیں استعمال کیا ہے بلکہ قوم کا لفظ استعمال کیا ہے کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں نہ کہ مذہب سے، مولانا مدنی کا بیان جب اخبارات میں

شائع ہوا تو جناب اقبال احمد صاحب سہیل نے جناب ڈاکٹر اقبال صاحب کے جواب میں ایک سخت نظم تحریر فرمائی اور ڈاکٹر صاحب پر تنقید کی، نظم سولہ اشعار پر مشتمل تھی، ان میں سے دس شعر جو میری نوک زبان ہیں ملاحظہ ہوں :

کسے کہ خردہ گرفتست بر حسین احمد
زبان او عجمی وکلام در عربی ست

کہ گفت بر سر ممبر کہ ملت از وطن ست
دروغ گوئی وایراد، ایں چہ بوالعجبی ست

درست گفت محدث کہ قوم از وطن ست
کہ مستفاد ز فرمودہ خدا ونبی ست

زبان طعنہ کشادی مگر ندانستی
کہ فرق ملت وقوم از لطائف ادبی ست

تفاوتے ست فراواں میان ملت وقوم
یکے زکیش دگر کشوری ست یانسبی ست

خدائے گفت بہ قرآن لکل قوم ھاد
مگر بہ نکتہ کجا پے برد کسے کہ غبی ست

بقوم خویش خطاب پیغمبراں بنگر
پراز حکایت یا قوم مصحف عربی ست

رموز حکمت وایماں ز فلسفی جستن
تلاش لذت عرفان زبادہ عنبی ست

بہ دیوبند گر اگر نجات می طلبی
کہ دیو نفس سلحشور و دانش تو صبی ست

بگیر راہ حسین احمد ار خدا خواہی
کہ نائب ست نبی راوہم ز آل نبی ست

حضرت مولانا مدنی ؒ کا اخبارات میں بیان اور اقبال احمد صاحب سہیل کی متذکرہ بالا نظم جب ڈاکٹر اقبال صاحب کی نظر سے گزری تو فوراً اخبار "مدینہ" بجنور مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۸ء میں مضمون شائع کرادیا کہ "واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے مجھے غلط خبر پہنچی تھی جس کی وجہ سے میں نے برافروختہ ہوکر ان پر سخت تنقید کی' اب اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہوگئی ہے اس لئے میں مولانا مدنیؒ سے خواستگار معافی ہوں امید ہے کہ مولانا صاحب مجھے معاف فرمادیں گے"۔

ڈاکٹر اقبال صاحب نے تو معافی مانگ لی لیکن ان لوگوں نے ان کے کلیات سے قطعہ خارج نہیں کیا' اصل بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا معافی نامہ ۵ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا تھا اور ان کا انتقال ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہوا۔ اگر زیادہ دیر تک زندہ رہتے تو یقین ہے کہ وہ خود قطعہ کو کلیات سے خارج کردیتے۔!!!

(بشکریہ ماہنامہ برہان دہلی اگست ۱۹۶۴ء)

(بینات رجب المرجب ۱۴۰۷ھ)